بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف یا روحانیت

حصّہ اوّل

مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوف یا روحانیت

(حصہ اوّل)

مرتب:
الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ
بلقیس اظہر
جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	تصوف، طریقت یا روحانیت	4
2	تصوف یا طریقت کا قرآنی ثبوت	7
3	راہِ سلوک کے منازل	11
	☆ 1۔شریعت 2۔طریقت 3۔حقیت 4۔معرفت	11
4	راہِ سلوک کے چار عالم یا مقامات سلوک	13
5	تصوف یا راہِ سلوک میں قدم رکھنے والے کے لیے ابتدائی ہدایات	14
6	راہِ سلوک کے طالبِ علموں کی راہنمائی	16
7	صوفی ازم، فقر یا درویشی کیا ہے؟	19
8	ایک صوفی کے ذکر کرنے کا طریقہ	29
9	خانقاہی نظام	31
10	قربِ خداوندی کیسے حاصل کیا جائے؟	32
11	تقدیر بدلنے کا طریقہ	35
12	نفس کا قیدی	38
13	نفس	40
	☆ اصلاح نفس کے طریقے	44
14	ارکانِ طریقت	45
15	تصوف یا روحانیت میں ترقی کے راز	48
16	وہ لوگ جن کا احترام فرشتے بھی کرتے ہیں۔	50
17	ایسے لوگ جن کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں شروع ہو جاتی ہے۔	52
18	تصوف میں ترقی اور تنزلی	55
19	راہِ طریقت (تصوف) میں مرشد کی ضرورت	56
20	تصوف کے چار حروف	60
21	تصوف یا روحانیت یا طرزِ فکر	64
22	اہل نور یا اہل باطن	66
23	بیعت	70
24	جواز بیعت قرآن اور حدیث کی رو سے (احکام واستدلال)	74
25	ضرورت شیخ پر استدلال اور بیعت کے حق میں مشائخ کبار کی عبارتوں سے ملنے والے دلائل	76
26	دل کی اصلاح کے لیے مولانا رومؒ کا نسخہ	80

27	تصوّرِ شیخ	82
	☆ تصوّرِ شیخ کا حدیث کی رو سے ثبوت	82
	☆ تصورِ شیخ کے متعلق ارشادات	83
28	ارادت یعنی مرید ہونے کی شرائط	84
29	آدابِ شیخ (بے ادب بے مراد)	86
	☆ ادب پر مشائخ کبار کی چند مثالیں	86
	☆ مرید کی کامیابی کے لیے دس نکات	87
30	مراۃ المحققین	89
31	روحانی دنیا کے کمالات	92
32	تصوف میں ذکرِ الٰہی	99
33	ذکر کیا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟	102
34	انسان عالمِ صغیر ہے۔	104

تصوف،طریقت یاروحانیت

تصوف کیا ہے؟

تصوف اُس طرزِ زندگی کا نام ہے جس میں بندہ غیر اللہ سے منہ موڑ کر اپنے معبود اور اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ ایک بے لوث رشتہ قائم کر لیتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: "مخلوق سے دور رہنا ،تمام بری صفات سے بچنا نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا،امت مسلمہ کی بھلائی چاہنا ،اللہ تعالی کی کامل بندگی کرنا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا اتباع کرنا"----یہ ہے تصوف---

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ایمان عقیدے کا نام ہے ،اسلام عمل کا نام ہے اور ان دونوں کے ماورا بھی ایک مقام ہے جسے حدیث میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اِس مقام احسان کو تصوف کا نام دیتے ہیں۔

گویا شریعت ظاہر کا حال درست کرنے کا نام ہے اور طریقت باطن کا حال سنوارنے (باطن کو اجلا کرنے) کا نام یعنی تصوف، طریقت یا روحانیت ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونے کا نام ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عرف عام میں جو لوگ دنیا سے منہ موڑ لیتے ہیں ان کو کیا کہا جاتا ہے؟ ہم ایسے لوگوں کو صوفی کہتے ہیں۔

صوفی وہ ہے جس کی نگاہ ہر وقت اللہ کو دیکھے۔صوفی ہر وقت اللہ تعالی کی محبت میں غرق رہتا ہے۔اُس کی ہر بات کا موضوع گھوم پھر کر اللہ اور آخرت کی طرف ہی آجاتا ہے۔گویا صوفی وہ ہے جو اللہ کا نام لے لے کر جیتا اور اُسی کا نام لے کر مرتا ہے۔اُس کو ہر دم اور ہر جگہ پر اللہ ہی نظر آتا ہے۔چاہے وہ مشاہدہ قدرت ہو، یا مشاہدہ مخلوق، یا مشاہدہ کائنات یا مشاہدہ حق اُسے ہر جان اور ہر ذرہ میں رب اور خالق کائنات کی جھلک نظر آتی ہے۔

گویا صوفی ایک ایسا بندہ خدا ہے جو تن سے زیادہ من کی طرف متوجہ رہتا ہے۔صوفی ہر وقت اللہ کے عشق میں غرق رہتا ہے۔

بشر حافیؒ کہتے ہیں کہ "صوفی وہ ہے جس کا قلب اللہ تعالی کے لیے صاف ہو جائے۔صوفی وہ ہے جو اپنے نفس میں فانی مگر اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق میں باقی ہو"۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ تصوف اُس طرز زندگی کا نام ہے۔ جس میں بندہ غیر اللہ سے منہ موڑ کر اپنے معبود اور محبوب حقیقی کے ساتھ ایک بے لوث رشتہ قائم کرتا ہے۔جن خوش نصیب لوگوں کا محبوب حقیقی کے ساتھ رشتہ آشنائی استوار ہو جاتا ہے۔انہیں اِس تعلق کی حلاوت و کیفیت دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔اِسی کیفیت کے دوام کا نام تصوف ہے۔اِس کا صحیح ادراک وہی کر سکتے ہیں جو ان قلبی واردات اور روحانی تجربات سے عملاً گزرتے ہیں۔

اصل میں ایک ہوتے ہیں "محبت والے "اور ایک " عشق والے" -----"محبت والے "اللہ تعالی کی اطاعت کو کافی سمجھتے ہیں اور اطاعت سے اُن کا مقصد جنت کا حصّول ہوتا ہے۔لیکن " عشق والے "اطاعت کے ساتھ اُس باری تعالی کے ساتھ ایک تعلق ایک نسبت قائم کر لیتے ہیں اور مشاہد حق میں دیدار الٰہی کے دیدار کے سوا کسی چیز سے اطمینان نہیں پاتے۔انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔روح جزو اللہ ہے۔یعنی کل کا جزو ہے۔عشق والے چونکہ باطن سے رشتہ استوار کر لیتے ہیں اور باطن روح ہے اس لئے علم تصوف علم روح یا علم روحانیت اِس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ روح اللہ کو دیکھ چکی ہے-کب؟ جب اللہ تعالی نے تمام ارواح کو پکارا تھا اَلَسْتُ بِرَبِکُم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو تمام ارواح نے "بلٰی "، "بے شک تو ہمارا رب ہے پکارا تھا اور اُس کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔تو روح اللہ تعالی کا مشاہدہ کر چکی ہے- تصوف اپنی روح میں ڈوب کر اپنی ذات کا کھوج لگانا ہے۔اور صوفی مراقبہ یا غور وفکر (راقبہ یا غور وفکر ایک ہی بات ہے) کے ذریعے روح کا عرفان حاصل کر لیتا ہے۔اِس طرح اُسے قلبی مشاہدات نصیب ہو جاتے ہیں اور اسی کا نام روحانیت میں " کامل "ہو جانا یا قلبی مشاہدات کا حاصل ہو جانا ہے۔

قلبی مشاہدات کو حاصل ہونے کے لیے مندرجہ ذیل چار کام کرنے بہت ضروری ہیں۔

1۔ اللہ سے قربت　　2۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے نسبت　　3۔ اولیاء اللہ سے تربیت　　4۔ مخلوق خدا کی خدمت

اللہ تعالی سے قربت حاصل کرنے کے لیے شریعت کے علاوہ، ذکر و اذکار اور شب بیداری کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔**نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے نسبت حاصل کرنے کے لیے** آپ خاتم النبیین ﷺ پر کثرت سے درود پاک پڑھنا اور آپ کی سنتوں پر عمل اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا اتباع زندگی کے ہر کام

میں ضروری ہے۔**اولیا اللہ سے تربیت کے لیے ان حضرات کی صحبت بے حد ضروری ہے۔** دنیا کو بظاہر چھوڑ نا نہیں ہے۔دنیا میں رہنا ہے اور دنیا میں نہیں رہنا ہے۔

کیونکہ راہبانیت اسلام میں جائز نہیں۔ **ہر وقت توجہ اللہ کی طرف اور اعضائے جسمانی مخلوق کی خدمت اور یاد خدا کی طرف رہیں تو بات بن جاتی ہے۔**

قرآن پاک سورہ کہف،آیت نمبر 110 میں فرمان الٰہی ہے: فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْ الِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا ۝

ترجمہ: "پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہے اُسے چاہیے کہ اعمال صالحہ کرے اور اپنے رب کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کسی کو شریک نہ کرے"۔

تقویٰ حاصل کرنا ہر انسان پر فرض ہے۔اِس کے ساتھ محبت کو شامل کیا جائے تو یہ تصوف بن جاتا ہے۔گویا" تصوف" --- محبت اور عشق میں باری تعالیٰ کی ذات میں ڈوب کر اُس کا عرفان حاصل کر لینے کا نام ہے۔یعنی محبت اور عشق سے عرفان باری تعالیٰ حاصل ہو جاتا ہے۔دیدار اور مشاہدہ---

دیدار کا مطلب ہے دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اور اس کی ذات کا مشاہدہ کرنا-جس کے لئے محبت اور عشق لازمی ہیں-

انہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ ،آیت نمبر 165 میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط

ترجمہ: "اور جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں"۔

ایک صوفی کی توجہ رب کی طرف رہتی ہے۔وہ ہر وقت قرب الٰہی کا متلاشی رہتا ہے۔وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کا مشتاق رہتا ہے۔ فرائض کی پابندی سے انسان اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر لیتا ہے اور نوافل کی زیادتی سے اللہ کا تقرب گویا تصوف یا طریقت قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

قرآن پاک سورہ العلق،آیت نمبر 19 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کَلَّا لَا تُطِعْہُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

ترجمہ: "(اے رسول خاتم النبیین ﷺ) خبردار! اسکا کہنا ہرگز نہ ماننا سجدہ کرتے رہو اور قرب حق حاصل کرتے رہو "-

ایک عام بندہ جو شریعت کا پابند ہوتا ہے وہ نماز پڑھتا ہے اور جو طریقت میں ہوتا ہے وہ نماز میں دیدار الٰہی (دل کا پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا--گویا دل رب کو دیکھ رہا ہے) بھی کرتا ہے۔صاحب شریعت اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کی پابندی کرتا ہے گناہوں اور غلطیوں پر توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔صوفی بھی یہ سب کرتا ہے لیکن ان کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا متمنی بھی ہوتا ہے اور ایسے ہی طالب مولا کے لیے اللہ تعالیٰ سورہ الحدید ،آیت نمبر 4 میں فرماتا ہے: وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ط ترجمہ: " اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو"۔

سورہ نحل،آیت نمبر 128 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝" بے شک اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی اور محسن ہیں"۔

صوفیا اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ کے نمونے ہیں۔وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے ہر عمل کی اتباع کرتے ہیں روحانیت، تصوف یا طریقت میں جتنے اعمال واشغال سالک (رب کا متلاشی،قرب الٰہی کی خواہش اور اس کے لئے کوشش کرنے والا) کو تلقین کئے جاتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے احکامات کے مطابق ہوتے ہیں۔

مرشد کے فیض، رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے اتباع ، آپ خاتم النبیین ﷺ سے تعلق، آپ خاتم النبیین ﷺ سے نسبت اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک دن صوفی رَاسِخُونَ فِی الْعِلمِ کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں سورہ ماعون،آیت نمبر 107 میں فرمان الٰہی ہے: فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِہِمْ سَاھُوْنَ ۝

ترجمہ: " پس خرابی ہے اُن نمازیوں کی جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں"۔

یعنی نماز تو وہ پڑھتے ہیں لیکن انہیں نماز میں مرتبہ احسان حاصل نہیں ہوتا صوفی کے نزدیک جس کسی کو نماز میں مرتبہ احسان حاصل نہ ہو یعنی حضور قلبی حاصل نہ ہوئی۔اس کی نماز نماز ہی نہیں ہے۔ بلکہ اِس کے لیے خرابی ہے۔صوفی کے خیال کے مطابق انسان خشوع اور خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو صدق دل کے ساتھ حاضر و ناظر جان کر نماز کے لیے کھڑا ہو تو اُسے حضوری قلبی نصیب ہو جاتی ہے- پھر اللہ تعالیٰ کا فیضان شروع ہوتا ہے۔

فیضان مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔

ا۔ ایک وہ جو ظاہر سے تعلق رکھتا ہے 2۔ ایک جو باطن سے تعلق رکھتا ہے۔

i)۔ **باطنی فیض** کی سب سے پہلی صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے اندر ایک خاص قسم کا **سرور محسوس** کرتا ہے۔

ii)۔ باطنی فیض کی دوسری اعلیٰ شکل **کیف** ہے۔

iii)۔ پھر اس سے اعلیٰ **وجد** ہے۔

iv)۔ پھر اس سے اعلیٰ **محویت** ہے۔

v)۔ پھر اس سے اعلیٰ **استغراق** ہے۔(یہ سب سے اعلیٰ شکل ہے)

2۔ سرور اور کیف کیا ہے؟

اللہ جل شانہ ایسے بندے کو اُنس کا چھینٹا دیتے ہیں۔اس کے جسم میں ایسی محبت پیدا کر دیتے ہیں۔جس سے جسم میں لذّت پیدا ہوتی ہے۔ان لذتوں کی وجہ سے انسان کچھ بھولتا ہے کچھ یاد کرتا ہے۔اُسے ایک خاص قسم کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔جس کا تعلق احساس سے ہے بیان سے نہیں۔

3۔ وجد کیا ہے؟

یہ ایک جام توحید ہے جو اللہ جل شانہ اپنے چاہنے والوں کو منبر توحید پر پلاتا ہے۔جسے پیتے ہی انسان اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جاتا ہے اور ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے صاحب وجد اپنے مقام پر جا کھڑا ہوتا ہے۔

4۔ محویت کیا ہے؟

وجد کے بعد جب انسان اپنے مقام پر کھڑا ہوتا ہے۔تو مشاہدہ میں سراتا پا غرق ہوتا ہے اور مشاہدہ کے علاوہ تمام چیزوں سے بیگانہ ہوجاتا ہے۔

5۔ استغراق کیا ہے؟

جب صاحب وجد اپنے مقام پر کھڑا ہوتا ہے تو یہ مقام اس کے مرتبے کے مناسب حال ہوتے ہیں۔اگر کوئی **فنا فی الشیخ** کے مقام کا حامل ہے تو شیخ کے قدموں میں حاضر ہوجائے گا۔اگر **فنا فی رسول** کے مقام پر فائز ہے تو دربار رسالت میں حاضر ہوجائے گا۔اگر **فنا فی اللہ** کا مقام ہے تو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا نزول شروع ہوجائے گا اور اَب وہ دیدار لا مکاں میں کھڑا کر دیا جائے گا۔اِسی کو استغراق کہتے ہیں۔

یہ ذرائع ہیں جن سے اللہ جل شانہ انسانی قلوب پر اپنے فیضان کا نزول کرتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایک کے صدقے میں سب کو نواز دیتے ہیں جو باادب اور باہوش ہوتے ہیں وہ دامن بھر لیتے ہیں۔اور جو بےادب اور بے ہوش ہوتے ہیں۔وہ اکثر اپنی طاقت بھی کھودیتے ہیں۔

****

تصوف یا طریقت کا قرآنی ثبوت

سورہ بقرہ ،آیت نمبر 151 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كَمَآ اَرسَلنَا فِيكُم رَسُولًا مِّنكُم يَتلُوا عَلَيكُم اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيكُم وَيُعَلِّمُكُمُ الكِتٰبَ وَالحِكمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَم تَكُونُوا تَعلَمُونَ

ترجمہ:"جیسا کہ ہم نے بھیجا تم پر ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے،تمہیں پاک کرتا ہے(تزکیہ نفس)، پختہ علم سکھا تا ہے(قرآن کا صحیح علم باطن)اور تمہیں تعلیم فرماتا ہے وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہیں تھا(تعلیم حکمت)"۔

سورہ آلِ عمران،آیت نمبر 164 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:"اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ اہلِ ایمان پر بہت بڑا احسان کیا کہ جب انہی میں سے اپنا رسول بھیجا جو اِن پر اُن کی آیات پڑھ کر سناتا ہے (قرآن کی تعلیم۔تلاوت کر کے اور سمجھا سمجھا کر)(اور اُن کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے۔اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

مندرجہ بالا آیات کی رُو سے فرائض نبوت 4 باتیں قرار پائیں:

(i) تلاوتِ آیات　(ii) تزکیہ نفس　(iii) تعلیمِ کتاب　(iv) تعلیمِ حکمت

مندرجہ بالا چاروں فرائضِ نبوتِ میں سے **تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب شریعت کے فرائض ہیں اور تزکیہ نفس اور تعلیم حکمت طریقت کے فرائض ہیں۔** گویا شریعت علم ظاہر اور طریقت علم باطن ہے۔شریعت جس علم کا ظاہر ہے طریقت اُسی علم کا باطن ہے۔باطنی علم کو علم لَدُنِّی بھی کہتے ہیں۔باطنی علم کا ادراک مطالعہ کی کتابوں سے نہیں ہوتا **اس کے لیے عارفین کی صحبت اختیار کی جاتی ہے۔علم لَدُنِّی کے حصول کا ذریعہ قرآن کا باطن ہے اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا سینہ مبارک۔** اِس علم لَدُنِّی کے حصول کا فقط واحد ذریعہ انعکاس ہے۔اس کے ادراک کا پتا لگانا قیاس سے باہر ہے۔علم ظاہر اور علم باطن کی وضاحت احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے(موجودگی کا علم)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ "نبی (خاتم النبیین ﷺ) سے میں نے دو علم سیکھے ,پہلا علم میں نے تم پر بیان کر دیا اور اگر دوسرا علم بیان کر دوں تو یہ گردن اُڑا دی جائے"۔(صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ " قرآن سات مفاہم پر نازل ہوا ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حد کی اپنی ابتداء ہے"۔

حضرت امام حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ "علم دو قسم کے ہیں:

(i) زبان کا علم　(ii) قلب کا علم

قلب کا علم علمِ نافع ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ دینِ اسلام کے پورے نظام کو اگر مختلف شعبوں میں تقسیم کریں تو اس نظام کے تین اہم شعبے سامنے آئیں گے

(i) علم العقائد　(ii) علم الاحکام　(iii) علم الاخلاص

(i) <u>علم العقائد</u> :- علم العقائد سے مراد وہ شعبہ ہے جس کا تعلق ایمانیات اور عقائد سے ہے۔یعنی وجود باری تعالیٰ توحید اور ذات وصفات میں اُس کی یکتائی پر ایمان لانا۔ انبیاء،رسل، ملائکہ ، کتب، تقدیر اور خیر وشر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔قیامت ،حشر، نشر، دوزخ، مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنا وغیرہ۔یہ شعبہ دین کی اصل ہے <u>اور انسانی فکر وعمل کے کردار علم العقائد سے پھوٹتے ہیں۔</u>

(ii) <u>علم الاحکام :-</u> یہ علم انسان کی عملی زندگی سے بحث کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کن کاموں کا حکم اور اجازت دیتے ہیں کن اقوال وافعال سے منع فرماتے ہیں احکامِ الٰہی قرآن پاک میں موجود ہیں۔

(iii) <u>علم الاخلاص :-</u> جب عقائد ونظریات اور احکام سے متعلق حقائق آشکار ہوں گے تو تیسرے شعبے یعنی علم الاخلاص کو سمجھنے کی راہ ہموار ہوجاتی ہے۔اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ اور تمام عبادات کی ادائیگی جب تک ظاہر تک محدود رہے تو اس کا نام شریعت ہے۔اس کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔ایک شخص نے نماز کتاب فقہ میں درج قواعد کے مطابق پڑھ لی شریعت کی رو سے نماز مکمل ہوگئی۔مگر طریقت اس کو کافی نہیں سمجھتی وہ اس پر <u>مُصر ہوگی</u> (زور دے گی) کہ جس طرح چہرہ کعبہ کی طرف متوجہ رہا اسی طرح دل بھی ربّ کعبہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔اور جس طرح جسم حالتِ نماز میں تمام نجاستوں سے پاک تھا اِسی طرح روح بھی پریشان خیالی سے پاک رہے۔

مذکورہ بات کا منبع دراصل وہ متفق علیہ حدیث ہے جسے محدثین حدیث جبرائیل علیہ السلام کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حدیث ابو ہریرہؓ اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں اچانک ایک آدمی پہنچا جس کے کپڑے سفید تھے وہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے دونوں زانوں سے اپنے زانوں کو ملا کر بیٹھ گیا اور اسی طرح سوالات شروع کر دیئے کہ "اے محمد (خاتم النبیین ﷺ) مجھے بتایئے کہ اسلام کسے کہتے ہیں"؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا کہ "اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو صرف اللہ کے لائقِ عبادت ہونے کی اور محمد (خاتم النبیین ﷺ) کے رسولِ برحق ہونے کی، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور اگر استطاعت ہو تو حج کرنا، یہ اسلام ہے"۔ اُس شخص نے کہا کہ "آپ سچ کہتے ہیں۔ صحابہ اکرامؓ کا بیان ہے کہ اس پر ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ شخص سوال بھی کرتا ہے اور جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اُس نے دریافت کیا کہ "مجھے بتایئے کہ ایمان کیا ہے"؟ اس پر نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ "ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر اُس کے رسولوں پر، اُس کی کتابوں پر، قیامت پر اور اس بات پر کہ (اچھی اور بُری بات) اچھائی اور بُرائی کو مقرر کر دیا گیا ہے یہ سُن کر اُس شخص نے کہا کہ " آپ سچ کہتے ہیں"۔ پھر دریافت فرمایا کہ "احسان کیا ہے"؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے جواب دیا کہ "احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ ہو تو کم از کم اتنا ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے"۔ اُس شخص نے کہا کہ "آپ (خاتم النبیین ﷺ) سچ کہتے ہیں"۔ پھر اُس نے دریافت کیا کہ "قیامت کب آئے گی"؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے جواب دیا کہ "اس بارے میں مجھے تُم سے زیادہ علم نہیں " یعنی میں اور تم دونوں اِس علم میں برابر ہیں"۔ پھر اُس شخص نے کہا" قیامت کی علامات بیان فرمادیں"؟ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ "لوگ زیادہ سے زیادہ لونڈیاں رکھیں گے (کثرت عیش کی طرف اشارہ کیا) مفلس، نادار، بھوکے ننگے اتنے مالدار ہو جائیں گے کہ اونچی عمارات تعمیر کریں گے"۔ اتنا سُننے کے بعد وہ اجنبی شخص چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ "تم جانتے ہو وہ کون تھے"؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا" اللہ اور اُس کا رسول (خاتم النبیین ﷺ) جانتے ہیں"۔ اِس پر آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا کہ " سائل کی صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور تمھیں تمھارے دین کی باتیں سمجھانے آئے تھے"۔

اِس حدیث میں مومن کے تین درجات بیان کیے گئے ہیں: (i) اسلام (ii) ایمان (iii) احسان

ایمان عقیدے کا نام ہے، اسلام عمل کا نام ہے اور احسان اخلاص کا نام ہے۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس مقام احسان یا مقامِ اخلاص کو سلوک، تصوف اور طریقت کا نام دیتے ہیں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" ۔ (صحیح بخاری)

فرض، سُنت، واجب، مستحب، نفل۔ صرف نیت سے الگ الگ ہیں (ورنہ پڑھنے کا طریقہ سب کا ایک ہی ہے)۔ اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُس وقت شرفِ قبولیت سے مشرف ہوتے ہیں جب نیت درست ہو اور مقصودِ نظر صرف اور صرف رضائے الٰہی ہو۔ اگر کیفیت یہ نہ ہو اور ذہن دنیاداری اور ریاکاری کے بتوں کا صنم خانہ ہو تو اس طرح کیا جانے والا عمل بارگاہ الٰہی میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 167 میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

ترجمہ "اور اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں سے خوب واقف ہے"۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکلیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کی کیفیت (نیت، محبت، اخلاص) دیکھتا ہے"۔ (صحیح مسلم)

اس لیے اگر نیکی عبادت یا سخاوت کے پیچھے کارفرما جذبہ نیک اور سخی کہلانے کا نہیں صرف اور صرف رضائے الٰہی مقصود ہے۔ تو ایسی نیکی بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جائے گی۔ **اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نیت کو اخلاص کے نور سے منور کر دیا جائے تو اعمال میں اخلاص کی برقی رو دوڑ جاتی ہے جو اعمال کو ثمر بار کر دیتی ہے۔ پھر مسلسل مجاہدہ اور ریاضت سے یہ اعمال اخلاص ہی کے اعتبار سے اپنے حدِ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور اُنہیں بارگاہ الٰہی میں قبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ یعنی اعمال کو اخلاص کے حُسن سے مزین کرنے والا اور عشق و محبت کے نور سے سینچنے والا یہی شعبہ جب ایک فن کی صورت میں فروغ پا کر ایک عالم کو اپنے دامنِ الفت میں پناہ دیتا ہے تو یہ علم طریقت یا تصوف کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم اسے صفائے باطن کا علم بھی کہتے ہیں۔**

اللہ رب العزت نے اپنے دین کے تین اہم شعبے بنائے ہیں : (i) علم العقائد (ii) علم الاحکام (iii) علم الاخلاص

تو اہلِ علم بندوں کے بھی تین طبقات بنا دیئے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک طبقے کو دین کے ایک شعبے کی حفاظت پر مامور کر دیا ہے۔

1۔ شعبہ عقائد کے دفاع اور اشاعت کا کام **علمائے متکلمین انجام دے رہے ہیں۔**

2۔ شعبہ احکام کی تبلیغ اور اشاعت کا کام **فقہا اور واعظین اور محدثین سرانجام دے رہے ہیں۔**

3۔ دلوں کی صفائی کا کام **صوفیاء ، عارفین اور اولیاء اللہ کے بابرکت حلقوں میں سرانجام پاتے رہے ہیں۔**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا اُسے دیکھ رہے ہو۔"

اور اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اسے نہ دیکھ پاؤ تو یہ کیفیت بن جائے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"۔

ذاتِ مطلق کا دیدار میسر آنا ہی کمالِ زندگی ہے لیکن جب نظر جسدِ خاکی کے پنجرے میں بند رہے اور حجابِ ذات درمیان میں حائل رہے بندہ اُس وقت تک حسنِ مطلق کے نظارے سے محروم رہتا ہے۔لہذا مشاہدہ حق کی خاطر اُسے اپنی ذات اپنی انانیت ، اپنا جسم اپنی روح، اپنا وجود یہ سب کچھ فنا کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں فانی ہیں جب تک ان میں سے کسی چیز کا وجود باقی ہے اللہ تعالیٰ بندے سے محجوب (چھپا ہوا) ہی رہے گا اور ان کے فنا ہوتے ہی ذاتِ مطلق سے تعلق کے باعث بقا حاصل ہو جائے گی۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جس نے صفتِ احسان کو جو نورِ طہارت اور خلاصہ مناجات وعبادت ہے جان لیا۔ پھر اُس نے احسان کی صفت کو بھی جان لیا۔لیکن وہ کسی وجہ سے احسان کی اِس صفت کو اپنے اندر نہیں پاتا۔ اگر پاتا ہے تو کم۔اُسے چاہیے کہ وہ اِس امر کی (اِسی بات کی) تحقیق کرے کہ ایسا کیوں ہے؟

1- اگر اس کا سبب اس کی طبیعت کی سرکشی ہے تو اس کا تدارک روزوں کے ذریعے کرے۔

2- اگر صفت احسان کی یہ حالت لوگوں کے ساتھ زیادہ اٹھنے بیٹھنے سے ہوتی ہے تو زیادہ خلوت میں رہا کرے۔لوگوں سے ملنا جلنا کم کردے اور اکثر اعتکاف (نفلی اعتکاف) کی نیت کر کے عبادت کرے۔

3- اگر اُس کے دماغ میں ادھر اُدھر کے چند پریشان کن خیالات جمع ہو گئے ہیں یا جمع ہو جاتے ہیں تو اُسے چاہیے کہ ذکر واذکار کثرت سے کرے اور پریشان کُن خیال کو ذکر سے دفع کرے۔

4- اگر اہل وطن کے رسم ورواج اور گردوپیش کے حالات طبعیت پر اثر انداز ہو رہے ہیں تو اُسے چاہیے کہ وہ عارضی طور پر ہجرت کرے یا اپنے ماحول کو بدل دے۔

5- اپنے احباب پر نگاہ رکھے اور دیکھے کہ اُن میں سے کون فضول گوئی میں اپنے ساتھ اُس کا وقت بھی ضائع کر رہا ہے۔تو اُس کا ساتھ چھوڑ دے۔اُس سے اپنا دامن بچائے یا اُس کے پاس سے اپنا ٹھکانہ بدل دے یا فکر اور مراقبے کی کثرت کرے---- اللہ تعالیٰ کرم فرمائے گا۔

سورۃ بقرہ آیت نمبر 151 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: "جب ہم نے بھیجا تم پر ایک رسول خاتم النبیین ﷺ تم میں سے کہ تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہیں"۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے 5 فرائض کا ذکر کیا ہے:

(i) اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا ہے۔

(ii) کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہے۔

(iii) پاک کرتا ہے۔

(iv) حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

(v) باطنی علم سکھاتا ہے۔

ایک بات جو اس آیت مبارکہ سے بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو ظاہری اور باطنی علوم کے ساتھ ساتھ لوگوں کو پاک کرنے کا علم بھی عطا فرمایا ہے۔ظاہر ہے پاک کرنے والا اُس کی مثل نہیں ہوتا جو پاک نہیں ہے۔علم کا سکھانے والا اُس کی مثل نہیں ہوتا جو علم نہیں جانتا۔ پس ثابت ہوا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ بے مثل بشر ہیں۔

حضرت حذیفہؓ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے راز دار صحابی کے طور پر معروف ہیں۔حدیث پاک میں ہے کہ "حضرت حذیفہؓ اُن رازوں کو جانتے ہیں جنہیں اور کوئی

نہیں جانتا"۔(بخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہُ فرماتے ہیں "غیب بتانے والے آقا حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے مجھے علم کے 70 ابواب سکھائے اور میرے سوا یہ علم کسی اور کو نہ دیا"۔ (کتاب اللمع)

حضرت ابو ہریرہؓ بھی باطنی علم کے حصول میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔آپؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے علم کے دو برتن محفوظ کیے۔ایک تو تم لوگوں میں پھیلا یا لیکن دوسرا پھیلاؤں تو میری شہ رگ کاٹ دی جائے"۔

یہاں پر غالباً پہلے علم سے مراد علم العقائد اور علمِ احکام ہے۔اور دوسرا علم علمِ اخلاص وعلمِ اسرار ہے۔علمِ اسرار نا اہلوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے یہ باطنی علم ہے یہ اہلِ علم اور علماء ربانی کے لیے مخصوص ہے۔حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی مایہ ناز کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس نے اہلِ تصوف کی آواز سنی اور اسے نہ مانا اُسے غافلوں میں شمار کیا جائے گا"۔

گویا لفظ تصوف بھی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا بیان فرمایا ہوا ہے۔دراصل نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ظاہری حیات میں صحابہ اکرامؓ براہِ راست نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات بابرکات سے فیض حاصل کر لیا کرتے تھے۔اس لیے انہیں علمِ شریعت کے ساتھ ساتھ تزکیہ باطن بھی حاصل ہو جاتا تھا۔اور یہ تزکیہ انہیں نگاہِ مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ کے صدقے میں ملا تھا۔بعض صحابہؓ بعض مخصوص اعمال کی وجہ سے جماعت صحابہ میں نمایاں اور منفرد ہوتے تھے۔جیسے اصحابِ صفہ ،ترکِ دنیا ،زہد اور تقویٰ میں مشہور ہوئے۔

یہ اصحابِ رسول توحید کو لے کر اخلاص کے ساتھ ساتھ سلوک طے کرتے ہوئے مرتبہ احسان کو پہنچے۔پھر طریقت کی راہ میں قدم رکھا حقیقت اور معرفت میں آشنائی حاصل کی اور کشف واسرار سے مالا مال کیے گئے۔پس توحید،احسان،طریقت ،معرفت،حقیقت ،اخلاص ،کشف اسرار ومعارف وغیرہ سب تصوف ہی کے مختلف نام ہیں۔**یعنی شریعت مطہرہ کی پابندی کرتے ہوئے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے ساتھ تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرنا تصوف ،طریقت اور معرفت ہے۔**

سورۃ المائدہ،آیت نمبر 35 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

ترجمہ:"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تاکہ فلاح پاؤ"۔

فلاح مرتبہ احسان کی طرف دعوت ہے اس کے لیے تقویٰ شرط ہے۔تو پہلے اللہ سے ڈرو یعنی تقوٰی کا حکم فرمایا۔اب تقویٰ پر قائم ہو کر راہِ احسان پر قدم رکھنا ہے۔اگر ہم تقویٰ کی زندگی گزار رہے ہیں تو فلاح پر ہیں۔اس تقویٰ میں بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں چلا جاتا ہے اس کے بعد راہِ سلوک ہے۔راہِ سلوک مجاہدے کا نام ہے۔تقویٰ والی زندگی گزارے بغیر راہِ سلوک کی منزلیں طے کرنے کی طرف نظر رکھنا شیطان کا دھوکا ہے۔تقویٰ تک کی زندگی کے لیے مرشد خاص کی ضرورت نہیں ہوتی۔مرتبہ احسان پر پہنچ کر بندے کو ایسے مرشد خاص کی ضرورت ہوتی ہے۔جو شریعت اور طریقت میں کامل ہو۔جو اسے الہامات اور مشاہدات میں راہنمائی کر سکے۔

****

راہِ سلوک کے منازل

سالک:- رَب کے متلاشی کو سالک کہتے ہیں۔

راہِ سلوک:- قُربِ الٰہی اور معرفت ربّانی حاصل کرنے کے ذرائع اپنانے کو سلوک کہتے ہیں اور اس راہ پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں۔

راہ سلوک کی چار منازل ہیں:

1-شریعت　2-طریقت　3-حقیقت　4-معرفت

1۔شریعت:

یہ فرائض کی پابندی ہے۔ظاہری عبادت کا تعلق شریعت سے ہے۔یہ نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ ہے۔یہ حدیث فقہ منطق اور فلسفہ ہے۔یہ سننا ، سنانا ، علم غیب، حوریں اور ملائکہ ، بہشت و نار ہے۔ان تمام چیزوں میں عقل کو اختیار ہے۔اس کی انتہا بحث و مباحثہ اور مناظرہ ہے۔جو مقام شر بھی ہوسکتا ہے۔**یہ دنیا دار نفسانی ہیں-** جو نفس کو سدھارنے کے لئے سال میں ایک ماہ کے روزے رکھتے ہیں۔تلاوت کرنے والے،نوافل پڑھنے والے، تسبیح گھمانے والے، ذکر الٰہی کرنے والے۔حافظ، عالم ، قاری ، اس مقام شریعت میں ہی ہوتے ہیں۔یہ جنت اور حوروں کے طلب گار ہیں۔ان کا نفس نہ مرا نہ پاک ہوا۔بس ذرا سا سدھر گیا۔

شریعت مقام شنید ہے(سننا ، سنانا)اس کا عالم ناسوت ہے۔یعنی یہ دنیا جہاں جن و انس مل کر رہتے ہیں۔اگر کسی کو اس مقام میں خواب ، اشارے ، یا کشف ہونا شروع ہو جائیں تو قابل یقین نہیں۔اس مقام کے عابد ، زاہد اور عالم تکبر میں آ جاتے ہیں۔پھر کوئی مجدد کا دعویٰ کرتا ہے اور کوئی غوث کا۔اسی مقام پر مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔بے شک وہ زاہد اور عابد تھا لیکن کسی کامل مرشد سے محروم تھا۔جو اسے ان الہامات کی پہچان کرواتا۔

قرآن پاک میں سورہ کہف ،آیت نمبر 17 میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ :

وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا ﴿١٧﴾

ترجمہ ":اور وہ جس کو گمراہ کرے ہرگز نہ پائے گا کوئی ولی مرشد"۔

اپنے ظاہر اور باطن کو شریعت کی راہ میں توازن اور اعتدال سے چلانے ہی سے عبدیت (بندہ ہونا) کا سفر طے ہوتا ہے۔اگر کسی بندہ ناچیز کو عبدیت میسر آجائے تو ولایت،اوتادیت ، ابدالیت ، قطبیت ، غوثیت وغیرہ سب ان پر قربان۔

2۔ طریقت:

اعمال شریعت میں خلوص پیدا کرنا طریقت ہے۔طریقت والوں کا مقام ” دید“ ہے ، خشوع ، خضوع ، ذکر و فکر، توبہ و تقوی اور نوافل کی توفیق سے فیض یاب ہو کر انسان کے نفس میں ایک انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔وہ انقلاب یہ ہے کہ نفس امارہ ، نفس لوامہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ترقی کی راہ پر یہ پہلا قدم ہے۔اصل مقصد نفس مطمینہ کا حصول ہے۔انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔اعضائے بدنیہ کے متناسب اور سڈول ہونے کا نام خوبصورتی ہے۔روحانی سطح پر قوائے نفسانیہ کے معتدل ، متوسط اور متوازن ہونے کا نام خوب سیرتی ہے۔اللہ تعالیٰ کو حسن سیرت مطلوب ہے۔جس شخص کی باطنی قوی کی روحانی ترکیب کو اعتدال حُسن میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ جس قدر زیادہ مناسبت ، مشابہت اور موافقت ہوگی اسی تناسب سے حب الٰہی ، حُب رسول خاتم النبیین ﷺ اور محبوبیت کا درجہ عطا ہوگا اور اسی طرح اس کے برعکس عشق رسول خاتم النبیین ﷺ کی اس کسوٹی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔یہی اصل طریقت ہے۔اور اس کا حاصل ہونا سچی اور معنوی کرامت ہے-ایمان محبت میں ہے اور محبت ایمان میں ہے---محبت سلامت ہے،تو ایمان سلامت ہے-عشق مجبور ہو کر نہیں مسرور ہو کر کیا جاتا ہے-

طریقت والوں کا مقام دید ہے۔یہ غیبی چیزوں کو دیکھتے ہیں یہ **تارک الدنیا** کہلاتے ہیں۔دنیا میں رہ کر ہر نفسانی چیز سے تارک (دور)

3-حقیقت:-

طریقت کے بعد حقیقت کی منزل آتی ہے۔جو شخص اپنے نفس کی ماہیت سے واقف ہو جاتا ہے وہ دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے۔اور جو دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے وہ خوب سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ دنیا کی محبت کو جمع کرنا ایسا ہی ہے جس طرح ایک برتن میں آگ اور پانی کو جمع کرنا۔

حقیقت کی آواز بلند ہوتی ہے تو تمام جھوٹی آوازیں دب جاتیں ہیں-مگر تزکیہ نفس کے بغیر حقیقت ظاہر نہیں ہوتی-دل کو پاک نہ کریں تو حقیقت کیسے ظاہر

ہوگی؟ حقیقت کی کوکھ سے پھوٹنے والے الفاظ ہمیشہ اثر رکھتے ہیں- حقیقت کے میدان میں ایک چیونٹی بھی ہاتھی پر سوار ہوکر اسے زمین بوس کر دیتی ہے- آواز کی چاندی حقیقت کی چاندی کو سونا بنا دیتی ہے- حقیقت کی آواز کے لئے کرخت آواز نہیں میٹھی اور دھیمی آواز کی ضرورت ہوتی ہے--

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " اگر تم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے تو تم سمندر پر چلتے اور اپنی دعا سے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے"۔(کشف المحجوب، صفحہ 267)

حقیقت میں علم باطنی اور ظاہر وتصرف کی چابیاں عطا ہوتی ہیں۔ سنگ پارس اور زمین کے خزینے اور دفینے اس کی نظر میں آجاتے ہیں۔ اس میں دیدار الٰہی ، خواب ، مراقبے اور کشف میں ہوتا ہے۔ قرآن پاک اس دیدار کا گواہ ہے۔ سورہ الکہف، آیت نمبر 110 میں ارشاد ربانی ہے:-

ترجمہ: ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی تمنا ہو پس وہ عمل صالح کرے-''

بعض اولیا اللہ ان تمام راہوں کے علاوہ صرف اتباع سنت کرنے اور نفلی عبادات زیادہ کرنے ، تلاوت قرآن ، خلوص اور مجاہدے سے بھی اللہ تک پہنچ جاتے ہیں-

بظاہر جو قلندر ہے، حقیقت میں مجاور ہے
اسی پہ عشق جچتا ہے، جو اندر سے قلندر ہو

4۔ معرفت :

حقیقت کے بعد معرفت کی منزل ہے۔ جب کوئی 12 سال اپنے نفس سے مسلسل جہاد کرتا ہے تو اس منزل کو پالیتا ہے۔ ان بارہ سالوں میں اپنے نفس کو مارنے کے لئے ریاضتیں ، مجاہدے ، بھوک اور پیاس کی تکالیف اکثر اٹھاتے رہتے ہیں۔ یہ **فارغ دنیا** ہوجاتے ہیں۔ یعنی دنیا کے ہر کام سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ان کا دنیا والوں سے میل جول بحکم اللہ تعالی اور بحکم رسول خاتم النبیین ﷺ صرف دین کے لئے ہوتا ہے۔ معرفت دراصل اپنی ذات کو خودی کی قید سے چھڑانا ہے۔ جس طرح جسم کی طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح دل کی طہارت کے بغیر حقیقت اور معرفت نصیب نہیں ہوتی۔

انسانیت صورت کا نام نہیں ہے- انسانیت تو باطن کا نام ہے- انسان کو اپنی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے- توبہ کرنے سے پہلے اپنے اندر کی مخلوق کو دیکھو- پھر اس مخلوق سے لڑو- تمام زہر تو ہمارے اندر ہی موجود ہے- جب اس اندر کی مخلوق سے واقف ہوں گے تو پھر اس سے لڑ سکیں گے- گھمنڈ، انا اور میں یہ سب کچھ تو اندر ہی کی مخلوق ہیں- کیا ہم ان چیزوں سے بھاگ جائیں؟ ان چیزوں کا مقابلہ کر کے ان کو زیر کرنا ہے اور پھر اپنے نبی خاتم النبیین ﷺ کی پوری طرح اتباع کرتے ہوئے احکامات الٰہی کی پیروی کرنی ہوگی-

اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗدؑ سے پوچھا " اے داوٗد جانتے ہو میری معرفت کیا ہے؟ حضرت داوٗد نے فرمایا " نہیں'' ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا " اے داوٗد معرفت میرے مشاہدے سے دل کو زندہ رکھنے کا نام ہے - "

نور اللہ کا نزول دو ہی مقامات پر ہوتا ہے:

(1) بیت اللہ میں (2) قلب عبداللہ میں

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا :

حدیث قدسی ": میں نہ بلندی اور پستی میں اور نہ آسمان اور زمین میں سما سکتا ہوں۔ ہاں میں مومنوں کے دل میں سما جاتا ہو "-(مثنوی مولانا روم)

****

راہِ سلوک کے چار عالم یا مقاماتِ سلوک

راہِ سلوک کے چار عالم:- (1) عالم ناسوت (2) عالم ملکوت (3) عالم جبروت (4) عالم لاہوت

(1) عالم ناسوت:- یہ عالم حیوانات ہے اور اِس کا فعل حواس خمسہ ہے۔ جیسے کھانا، پینا، سونا ، سونگھنا ، دیکھنا، سننا۔ یہ ہماری دنیا ہے اِس میں جن وانس مل کر رہتے ہیں۔

(2) عالم ملکوت:- یہ عالم فرشتگان ہے (فرشتوں کا عالم) اِن کا فعل تسبیح وتہلیل، قیام، رکوع وسجود ہے۔

(3) عالم جبروت:- یہ عالم روح ہے۔ اور ان کا فعل صفات حمیدہ ہے، جیسے ذوق، شوق، محبت واشتیاق، طلب ووجد، سکر وسہو، محو۔ جب ان صفات سے گزرتا ہے تو عالم لاہوت میں پہنچتا ہے۔

(4) عالم لاہوت اور عالمِ ہاہوت:- یہ بےنشان عالم ہے اپنے آپ سے قطع تعلق۔ اس کو لامکاں بھی کہتے ہیں۔ یہاں پر گفتگو ہے نہ جستجو۔

نفس اس جہان کی طرف مائل کرتا ہے جو شیطان کا مقام ہے اور روح رحمان اور پوشیدہ اسرار کی طالب ہوتی ہے۔ اس لیے جو نفس کی اطاعت کرتا ہے وہ دوزخ میں جاتا ہے اور جو دل کی تابعداری کرتا ہے وہ جنت میں جاتا ہے۔ جو روح کی تابعداری کرتا ہے اُسے قربِ الٰہی حاصل ہوجاتا ہے۔

عالم ناسوت کو عالم اجسام، عالم خلق اور عالم شہادت بھی کہتے ہیں۔ عالم ملکوت کو عالم ارواح عالم امر اور عالم آخرت بھی کہتے ہیں۔

عالم جبروت کو عالم اسماء صفات باری تعالیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ عالم لاہوت اور ہاہوت سے عالم باری تعالیٰ مراد لیا جاتا ہے۔

اتباع شریعت کے بعد مرتبہ احسان کو پالینا سالک کو عالم ملکوت تک رسائی عطا کردیتا ہے۔ اس مقام کو بعض صوفیہ فنافی الشیخ کے مرتبہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ سالک اس مقام پر پہنچ کر کسی لمحے میں بھی یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتا۔ اور فرشتوں کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے اس کے بعد عالم جبروت کی سیر شروع ہوتی ہے۔ اس میں سالک اسماءِ الٰہی کی بارگاہوں کی سیر کرتا ہے۔ اور عین الیقین کی نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اس مقام کو بعض صوفیہ فنافی الرسول کے مرتبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس عالم کے بعد عالم لاہوت کی سیر کا آغاز ہوتا ہے۔ سالک تجلیات ربّانی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور سیر اُللہ (اللہ کی طرف سیر) ختم ہوجاتی ہے۔ پھر عالم ہاہوت کی سیر کی جاتی ہے۔ اسی سیر فی اللہ کی وجہ سے اولیاء اللہ کے درجات بنتے ہیں۔ اور ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ جس کی سیر زیادہ ہوتی ہے اس کو قرب بھی زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ اس مقام میں اصل شے درجات کی ترقی ہے۔ اور اس کی کوئی حد نہیں ہوتی کیونکہ یہ سیر ختم نہیں ہوتی ورنہ ذات محدود قرار دی جائے گی جو کہ شان الوہیت کے خلاف ہے۔ یہ ایک ایسا عظیم معاملہ ہے جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

عارف ربانی حضرت شاہ برکات اللہ قادریؒ اپنی تصنیف ''چہار انوع'' میں فرماتے ہیں :

"**ہاہوت** ایسا خلوت خانہ ہے جس میں خود آگہی بلکہ بےخبری کی آگہی کی گنجائش نہیں۔

لاہوت ایسی جگہ جس میں سالک اپنی خودی کی وجہ سے مصیبت میں پھنسا ہوتا ہے اور دعویٰ الوہیت کی طرف مائل ہوتا ہے۔

جبروت وہ مقام ہے جہاں اسے اپنے وجود کے اجزاء کی شناسائی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے آپ سے ملاقات کرتا ہے۔

ملکوت وہ جگہ ہے جہاں مدح وثناء، تسبیح میں مشغول ہوتا ہے"۔

ناسوت ایسا ہنگامہ ہے جہاں کثرت کے ساتھ مختلف لباس اور مختلف رنگ کے جلوے نظر آتے ہیں۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ مقامات اور منزلیں نہ نیچے ہیں نہ اوپر نہ دائیں ہیں نہ بائیں۔ یہ سب ہمارے وجود کے طریقے ہیں۔ جب ہم لذتوں کی طرف دوڑتے ہیں تو ہمارا طریقہ ناسوتی ہوتا ہے اور جب ہم مداح اور ثناء کی طرف مائل ہوتے ہیں تو ہمارا طریقہ ملکوتی ہوتا ہے۔ اور جب ہم اپنی ذات کی شناسائی حاصل کر رہے ہوتے ہیں تو ہمارا یہ طریقہ جبروتی ہوتا ہے۔ اور جس وقت ہم انا دانی کے "جزب وکیف" میں شور کرتے ہیں تو یہ ہمارا شور لاہوتی ہوتا ہے۔ اور جب ہم ان تمام کیفیات سے آگے نکل جاتے ہیں تو یہ خواب ہاہوتی ہوتا ہے"۔

یہ ایسا معاملہ ہے کہ جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ یعنی انسان رہتا اِسی دنیا میں ہے لیکن وہ ملکوت یا جبروت یا لاہوت یا ہاہوت کا رہنے والا اللہ کے ہاں لکھ لیا جاتا ہے۔

****

تصوف یا راہِ سلوک میں قدم رکھنے والے کے لئے ابتدائی ہدایات

سیدنا غوث اعظم جیلانیؒ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں " ہر مومن پر لازم ہے کہ پہلے فرائض ادا کرے پھر سنتوں پر عمل کرے ، پھر نوافل اور مستحب کام اختیار کرے ''بندے کے نوافل اور مستحبات قبول نہیں ہوتے اگر بندہ فرائض کا پابند نہ ہو " ۔

اس کا مطب یہ ہوا کہ سالک پر عقائد کی درستگی کے بعد فرائض اور واجبات پر عمل کرنا اور تمام حرام کاموں سے بچنا لازم ہے۔خصوصاً حرام رزق سے ، کیونکہ حرام کھانے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور دوزخ سے قریب ہوجاتا ہے۔

سورہ المومنون، آیت نمبر 51 میں ارشاد ہوا ہے کہ :

ترجمہ :" پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو'' ۔

یہاں رزق حلال کا حکم نیک عمل سے پہلے کیا گیا ہے۔جس سے اس کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔

حدیث : نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنی امت میں سے یقینی طور پر ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے دن تہامہ کے پہاڑوں کے برابر نیکیاں لے کر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کو (ہوا میں منتشر ہوجانے والا) غبار بنا کر ہوا میں غارت کردے گا''، ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:'' اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ !ان لوگوں کا حال ہم سے بیان فرمایئے اور کھول کر بیان فرمایئے تاکہ لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ہم ان میں سے نہ ہوجائیں''، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''وہ لوگ تم لوگوں کے دینی بھائی ہوں گے اور تمہاری طرح دین اسلام پر ہوں گے اور رات کی عبادات میں اسی طرح حصّہ لیں گے جس طرح تم لوگ لیتے ہو(یعنی تم لوگوں کی ہی طرح قیام الیل کریں گے) لیکن ان کا معاملہ یہ ہوگا کہ جب وہ لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں اور کاموں کو تنہائی میں پائیں گے تو انہیں استعمال کریں گے''۔(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4386، کتاب الزھد، باب 29)

احکام شریعت کو اپنانے کے بعد مرتبہ احسان کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔جس کے بعد بیعت مرشد ضروری ہے۔مرشد کی ہدایت کے مطابق ذکر الٰہی اور درود و سلام کی کثرت کرے ، اذکار و اشغال کے لئے تین باتیں ضروری ہیں:((1 کم کھانا (2) کم بولنا (3) کم سونا

کم کھانے سے نفس کمزور اور روح طاقتور ہوتی ہے۔

حکمت لقمان میں ہے " جب معدہ بھر جاتا ہے تو عقل سو جاتی ہے اور حکمت گم ہوجاتی ہے. "

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا''(جامع ترمذی)

کم سونا سلامتی ہے۔صوفیہ کرام زیادہ سونے کو غافلوں کا طریقہ قرار دیتے ہیں۔کتاب الشفا میں ہے " زیادہ سونا جسم کو سست ، عقل کو کمزور ، اور دل کو سخت کردیتا ہے ''اس سے نفس طاقتور ہوجاتا ہے اور آدمی شب بیداری اور نماز تہجد میں زیادہ مستعد نہیں رہتا۔سالک کو چاہیے کہ ہمیشہ باوضو رہے۔مسنون دعاؤں کی پابندی کرے۔یادالٰہی سے ہرگز غافل نہ ہو۔بدمذہبوں سے دوستی نہ کرے۔سلوک ، تصوف کی دیگر تعلیمات ، محاسبہ ، مراقبہ اور مجاہدات کے ذریعے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے۔

شہباز طریقت حضرت شاہ علی احمد " اچھے میاںؒ' ' آداب سالکین میں مرشد سے اکتساب فیض کے کچھ آداب فرماتے ہیں

1۔ اللہ سے اللہ کے سوا کچھ نہ مانگے
2۔ کبھی بھی عاجزی ، انکساری ، تابعداری کے خلاف کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔
3۔ ان نعمتوں کو ہرگز ظاہر نہ کرے جو سلوک کی منزل طے کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے دی جائیں۔نہ ہی تکبر کرے۔
4۔ ہر کام میں سنت مصطفی خاتم النبیین ﷺ پر کاربند رہے-
5۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے نسبت رکھنے والوں کا احترام کرے۔
6۔ اپنے مرشد کو زمانے کے تمام شیوخ سے افضل جانے۔
7۔ اپنے تمام کام اللہ کے حوالے کردے-
8۔ لوگوں سے تنہائی اختیار کرے-
9۔ اپنے اندر برداشت اور صبر کا مادہ پیدا کرے-
10۔ ریا، غرور، تکبر کو اپنے سے دور رکھے-
11 ۔ غصہ کو پاس نہ آنے دے-

12۔ راہ سلوک میں مشاہدہ اور تجلیات کے باوجود عاجزی اور انکساری کرتے ہوئے اپنے آپ کو حقیر تصور کرے۔

13۔ لوگوں سے تنہائی اختیار کرے لیکن اسطرح کہ لوگوں میں رہے اور لوگوں میں نہ رہے۔

ان آداب سے زیادہ فائدہ مرشد کی صحبت سے ہوگا۔ کیونکہ مرشد کی خدمت میں حاضر رہنے سے ہزاروں دشواریاں اور لاکھوں رکاوٹیں۔ ایک ہی مجلس میں دور ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ سالک کے لئے دنیا پرستوں کے ساتھ۔ اٹھنا بیٹھنا نقصان دہ ہے۔

اہل تصوف یا اہل طریقت کے لئے دس نشانیاں:-

اوّل: طلب حق	دوم: طلب مُرشد	سوم: ادب
چہارم: رضا	پنجم: محبت اور ترک فضول	ہفتم: استقامت شریعت
ششم: حفاظت زبان	ہشتم: کم کھانا کم سونا	
نہم: خلق سے عزلت (گوشہ نشینی خلق سے)	دہم: روزہ اور نماز	

اہل حقیقت کے لئے بھی دس شرطیں ہیں:

1۔ معرفت میں کامل اور خدا رسیدہ ہونا	2۔ نہ رنج ہو نہ رنجیدہ اور نہ کسی کی بدی خیال میں لائے
3۔ اللہ تعالیٰ کی راہ دکھائے اور لوگوں کو دنیا و آخرت کے فائدے کی راہ دکھلائے	4۔ تواضع
5۔ عزلت (گوشہ نشینی)	6۔ اپنے آپ کو سب سے حقیر تر جانے اور ہر شخص کو اپنے سے بڑھا ہوا جانے
7۔ رضا و تسلیم	8۔ ہر ایک درد و رنج میں صبر
9۔ سر گداز اور عجز و	10۔ قناعت و توکل

راہِ سلوک میں مشکلات اور ان کا علاج:- راہ سلوک میں جو دشواریاں پیش آسکتی ہیں ان کی تفصیل امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''کیمائے سعادت'' اور ''منہاج العابدین'' میں مذکور کی ہیں یہاں پر ''سراج العوارف'' سے اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

راہ سلوک میں بارہ دشواریاں ہیں جنہیں عقبات کہتے ہیں۔

۱۔عقبہ عدم بیعت: جب تک بیعت نہ ہوگی معرفت کا حصول ممکن ہی نہیں۔

۲۔عقبہ معصیت: جب تک گناہ کا ترک نہ ہوگا ترقی نہیں ہوگی علاج سچی توبہ ہے۔

۳۔عقبہ شرک: شرک اکبر اور شرک اصغر یعنی ریاکاری سے بچا جائے۔

۴۔عقبہ والدین: ہر حالت میں والدین کو راضی رکھے۔

۵۔عقبہ فکر و معاش: کوئی ہنر سیکھے تاکہ بقدر ضرورت روزی کما سکے اور اسی سلسلے میں کوئی فکر نہ رہے۔

۶۔عقبہ محبت دنیا: دنیا کو بقدر ضرورت ہاتھ میں رکھے، قناعت کی روزی ہو و ظاہر اعضاء افراد خانہ کی خبر گیری کریں، مگر دل اللہ کی طرف لگا رہے۔

۷۔عقبہ شہوت: یہ دشواری غیر شادی شدہ لوگوں کو پیش آتی ہے، اس لئے نکاح کرے اگر ممکن نہ ہو تو روزے رکھے، یہ اس کا بہترین علاج ہے۔

۸۔عقبہ مجاہدات: پیر و مرشد کی مرضی کے مطابق مجاہدے کرے، اگر اپنی مرضی سے شروع کرے گا تو فائدہ نہ ہوگا۔

۹۔عقبہ رجوع خلق: دنیا میں نہ پھنسے۔

۱۰۔عقبہ خود بینی و تکبر: عاجزی، انکساری، تواضع، خوش خلقی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

۱۱۔عقبہ کرامات: کشف و کرامات پر خوش ہو کر اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھنے لگے---- یاد رکھیں!

یہ راہ کی رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ بچوں کی طرح تماشا گاہ میں ٹھہر جانا اور یہاں کی چیزوں کو قدر سے دیکھنے لگنا انتہائی بے وقوفی ہے۔ ایسا انسان کبھی بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

۱۲۔عقبہ ابلیس: اللہ تعالیٰ سے ہر وقت شیطان کے حربوں سے بچنے کے لئے دعا کرتے رہنا۔ زبانی ذکر الٰہی جو زبان سے ذکر ہوتا ہے اسے 'ذکر' اور دل کے ذکر کو 'شغل' کہتے ہیں۔

راہِ سلوک کے طالبِ علموں کی راہنمائی

انسان کے دل پر اللہ تعالی کے نور کی تجلی پڑتی ہے اور جب اللہ تعالی کے نور کی تجلی انسان کی ذات پر پڑتی ہے تو انسان کے احساسات میں نمایاں تبدیلیاں ہوتی ہیں اور انسان بہت کچھ محسوس کرتا ہے۔

جناب خضر علیہ السلام کو اتنی لمبی زندگی کیسے ملی؟ حضرت الیاس علیہ السلام اب تک زندہ کیسے ہیں؟ حضرت عیسٰی علیہ السلام مردے کو زندہ کیسے کر لیتے تھے؟ حضرت موسیٰ اللہ تعالی کی ذات سے کلام کیسے کرتے تھے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹیوں کی آواز کو کیسے سن لیتے تھے؟ ان کے پاس کون سی طاقت ہے؟

ان تمام حضرات پر بھی اللہ تعالی کے نور کی تجلی پڑی تھی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کے اوپر کون سے نور کی تجلی پڑی تھی؟

تجلیات کا سفر ذہن نشین کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ سفر گہرا بھی ہے اور مشکل بھی ہے۔

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ یہ تجلی کس دل پر پڑتی ہے؟

جب کوئی بھی دل ماسوائے اللہ کے وجود کے ہر قسم کی کدورت سے بالکل پاک ہوجائے- وجود کی قدورت سے مراد ہے کہ انسان اپنی بشریت کے وجود سے فنا ہوجائے۔ فنا کی منزل یہ ہوتی ہے کہ انسان مرنے سے پہلے مرجائے۔ انسان کے اپنے وجود کا تصور اس کے لیے ختم ہوجائے اور ماسوائے اللہ سے مراد ہے کہ انسان جس کا تصور کرتا ہے وہ باقی رہے یعنی صرف ذات اللہ کا ---اِسم اللہ۔۔۔ اِسم اللہ کی چمک اس کے اندر قائم ہوجائے۔ اُس کا دل ایک آئینہ بن جاتا ہے یعنی اُس کا دل شیشے کی طرح صاف ہوجاتا ہے۔ یہ وہ دل ہے جس دل پر اللہ تعالی کی ذات کی تجلی پڑتی ہے (یعنی تجلی حق)

اللہ تعالی جب کسی بندے سے راضی ہوتے ہیں تو اس کے قلب پر ایک تجلی فرماتے ہیں۔ اس تجلی کی دو حالتیں ہیں۔ **ایک ہیبت اور دوسرا اُنس**

i)۔ جب اللہ تعالی اپنی **جلالی تجلی** فرماتے ہیں تو بندے پر ایک ہیبت وارد ہوجاتی ہے۔ اور وہ ہر وقت ڈر اور خوف میں مبتلا رہتا ہے۔ اور اس حالت ہیبت میں اپنی منزل طے کرتا ہے۔ یہ حالت بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔

ii)۔ جب اللہ تعالی اپنی **جمالی تجلی** فرماتے ہیں۔ اور جب یہ تجلی وارد ہوتی ہے تو محبت پیدا ہوتی ہے۔ اُنس پیدا ہوتا ہے۔ بندہ خوف زدہ نہیں خوش رہتا ہے۔ وہ اللہ تعالی کی محبت میں سرشار رہتا ہے۔ وہ نہ صرف خود سراتا پا محبت ہوجاتا ہے۔ بلکہ اس کو دیکھنے والے بھی سراتا پا محبت ہوجاتے ہیں۔ پھر جس قلب پر اللہ تعالی اپنی جمالی تجلی ڈالتا ہے اُس کے قلب میں اللہ جل شانہ اور اللہ کے دوستوں کی محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی محبت بہت بڑھ جاتی ہے۔ پھر ایسے لوگ اللہ کی زبان بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کان اور ہاتھ بن جاتے ہیں۔ اُن کے سب کاموں میں مشیت الٰہی کارفرما ہوتی ہے۔ جب ایسے لوگ کلام کرتے ہیں تو کلام اُن کا کلام خداوندی (قرآن پاک) اور کلام رسول خاتم النبیین ﷺ (حدیث) کی روشنی میں ہوتا ہے۔ یہ خاص نعمت اُن لوگوں کو عطا کی جاتی ہے۔ جن سے اللہ تعالی تقریر یا بیان کی خدمت لینا چاہتا ہے۔ ایسے لوگ کسی حال میں بھی خاموش نہیں رہ سکتے۔ بلکہ اُن کا بیان اُس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک معبود ہی انہیں خاموش کرنا نہ چاہیں۔ (یعنی موت تک) لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ولی کے دل پر یا ہر اس شخص کے دل پر جو ماسوائے اللہ کے فانی ہوجائے، یہ تجلی لازمی پڑے۔ یہ فضل ربّی ہے۔

اللہ صرف واقف دل پر یہ تجلی اتارتا ہے۔ ورنہ ہر اللہ تعالی کے ولی کو یہ نعمت نصیب نہیں ہوتی ہے۔ گو یا فنا ہونے والے دل پر کسی بھی وقت اللہ تعالی کی ذات کی تجلی پڑ سکتی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالی کے **نور کی تجلی، روح کی تجلی اور نفس کی تجلی** میں فرق ہوتا ہے۔ اس لیے انسان اس مقام پر گمراہ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ اس مقام پر جا کر بشریت باقی ہی نہیں۔ انسان نے خود کو فنا کر دیا۔ موت سے پہلے مر گیا تو اس مقام پر جا کر پیچھے بچے کا کیا؟ اب اس کے اندر روح رہ گئی ہے۔

روح کیا ہے؟

روح اللہ کی نائب ہے۔۔۔ روح اللہ کی وزیر ہے۔۔۔ اس کے اپنے اندر ایک تجلی ہوتی ہے۔۔۔ روح کی تجلی--- یہ روح صفات سے ذات کی جانب بڑھتی ہے یعنی اپنی ایک صفت ظاہر کرتی ہے۔ اپنا نور ظاہر کرتی ہے اور جب یہ نور ظاہر ہوتا ہے۔ روح کا نور۔۔۔ تو بہت سے اللہ تعالی کے ولی اپنے نفس کے شکنجے میں اس صفت پر بھی آجاتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے حق کو حاصل کر لیا ہے لیکن انہوں نے حق کو حاصل نہیں کیا ہوتا۔ ان کی ذات کے اندر موجود روح نے صرف ایک تجلی، ایک چمک دکھائی ہے، صرف ایک نور کی جھلک دکھائی ہے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالی کی ذات کا نور ہے۔ وہ روح کا

نور بھی ہوسکتا ہے۔اس لئے اگر ایسے شخص کی پشت پر کسی (کامل ولی کا) کامل مرشد کا ہاتھ نہ ہوگا تو اس درجے پر جا کر بھی شیطان اس کو پھسلا دے گا اور اس کے اندر تکبر اور غرور پیدا کردے گا کہ تو نے اپنا مقصد حاصل کرلیا ہے۔لیکن اس کی ذات کے اندر نور شاید نفس کا چمکا ہے۔۔۔شاید روح کا چمکا ہے۔۔۔تجلی حق کا نہیں ہے۔**تجلی حق کی پہچان بھی الگ ہوتی ہے اور اس کا احساس بھی الگ ہوتا ہے۔**

تو یہ دو طرح کی تجلیاں بھی ہوتی ہیں یعنی "تجلی روح" اور "تجلی نفس"۔

اب آتے ہیں "تجلی حق پر"۔۔۔۔"**تجلی حق" کیا ہوتی ہے؟**

تجلی حق دو طرح کی ہوتی ہیں: 1- تجلی ربوبیت اور 2- تجلی الوہیت

1- تجلی ربوبیت:- تجلی ربوبیت حضرت موسیٰؑ پر پڑی تھی۔حضرت موسیٰؑ نے اللہ کی ذات سے عرض کی کہ " میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں "۔اللہ تعالی نے فرمایا کہ "برداشت نہیں کر پاؤ گے"۔پھر اللہ تعالی نے فرمایا کہ "میں نے 70 ہزار پردوں کے پیچھے سے اپنی ایک تجلی ڈالی تو کوہ طور پاش پاش ہوگیا اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش گئے"۔

وہ تجلی ربوبیت تھی۔تجلی ربوبیت جب پڑتی ہے تو انسان عاجز ہوجاتا ہے، مسکین ہوجاتا ہے،ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے، پاش پاش ہوجاتا ہے جس طرح کوہِ طور پاش پاش ہوگیا۔وہ فنا تو ہوگیا لیکن باقی رہا لیکن بقا کے ساتھ۔تجلی پڑھنے کے بعد آج بھی کوہِ طور وہیں پر ہے۔پاش پاش ہوگیا ہے لیکن موجود رہا اور حضرت موسی علیہ السلام بے ہوش ہوگئے۔اللہ تعالی کی ذات نے ان کے لیے بے ہوشی لکھی ہوئی تھی۔پھر اللہ تعالی کی ذات نے یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ اس تجلی کے بعد میں ان کی حفاظت کروں گا۔تو یہ تھی" تجلی ربوبیت" جو حضرت موسی علیہ السلام پر پڑی تھی۔

2-تجلی الوہیت:- تجلی الوہیت وہ تجلی ہے جو بغیر کسی پردے کے پڑتی ہے۔یہ ایک ایسی تجلی ہے جو حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) کے سینہ مبارک پر پڑی تھی۔جب یہ تجلی پڑی تھی تو نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی ہستی فنا در فنا اور بقا در بقا کی منزل کو جا پہنچی تھی۔

یہ وہ مقام ہے جس کے لیے اللہ تعالی نے فرمایا تھا: (سورہ الفتح، آیت نمبر 10)

ترجمہ:"اے نبی (خاتم النبیین ﷺ) جو آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہے وہ میرے ہاتھ پر ہی بیعت کر رہا ہے"۔

جس کے لیے فرمایا: (سورہ انفال، آیت نمبر 17) ترجمہ:"اے نبی (خاتم النبیین ﷺ) جب آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے میدان سے مٹی پھینکی تھی تو وہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے نہیں پھینکی تھی، وہ ہم نے پھینکی تھی"۔

تو یہ تجلی الوہیت کا ایک مقام ہے یعنی انسان بقا در بقا در بقا پر پہنچ جاتا ہے۔انسان کی انتہا نہیں رہتی لا انتہا، لا حد ہوجاتا ہے۔انسان کسی چیز میں سما نہیں سکتا کیونکہ کچھ باقی نہیں رہا۔صرف اور صرف اللہ باقی رہ گیا۔یہ تجلی الوہیت صرف اور صرف نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی ذات اقدس پر ڈالی گئی تھی اور کوئی اس کا متحمل ہی نہیں ہوسکتا تھا۔کوئی بھی پیغمبر ایسا نہیں جس پر تجلی الوہیت ڈالی گئی ہو سوائے آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے اور یہ بہت ہی اعلٰی مقام ہے جہاں تمام حدیں ختم ہوگئیں وہاں تک آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی رسائی ہوئی۔

اب سوال یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کیسے زندہ ہیں؟ اللہ تعالی کی ذات کی تجلی ربوبیت اور تجلی الوہیت کے ساتھ ہی اللہ کے صفاتی نام بھی ہیں۔اس کے صفاتی ناموں میں سے ہر نام کی ایک تجلی ہے۔یعنی اللہ تعالی کی ذات کی ایک صفت ہے ہمیشہ زندہ رہنے والا " **یا حَیُّ یا قَیُّومُ** " وہ ذاتی طور پر ہے اور یہ عطائی طور پر دی گئی صفات ہیں۔وہ والی صفاتی تجلی حضرت خضر علیہ السلام کے سینے میں پڑی تھی اور حضرت خضر علیہ السلام صدیاں بیت گئیں آج بھی زندہ ہیں۔۔۔حضرت الیاس علیہ السلام صدیاں بیت گئیں آج بھی زندہ ہیں۔۔۔

حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹیوں کی باتیں بھی سن لیتے تھے۔اللہ تعالی کی ذات " **سمیع و بصیر** " وہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات پر ان صفاتی ناموں کی تجلی ڈالی گئی۔اس طرح حضرت موسیٰؑ پر اللہ تعالی کی صفات کے " **کلیم** " ہونے کی تجلی پڑی اور اس تجلی کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ علیہ السلام اللہ تعالی سے باتیں کرلیا کرتے تھے۔

تمام انبیاء کرام علیہ السلام کی ذات کے اندر اللہ تعالی کی تجلیات موجود ہیں لیکن صفاتی تجلیات۔۔۔۔۔جبکہ ہمارے نبی حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) کی ذات پر اللہ تعالی نے ذاتی تجلی ڈالی۔آپ (خاتم النبیین ﷺ) ذاتی تجلی سے منور کیے گئے تھے۔ایسی تجلی جو اور کسی نبی کو نصیب نہیں ہوئی۔

وہ تجلی الوہیت تھی اور تجلی الوہیت وہ تجلی جس میں تمام تجلیات موجود ہوتی ہی۔ معراج میں آپ (خاتم النبیین ﷺ) کو اس تجلی سے نوازا گیا۔

اس کے علاوہ نفس کا نور اور روح کا نور ہوتا ہے۔ نفس کی حالت چونکہ بدلتی رہتی ہے اس لیے ہر حالت کا نور الگ الگ رنگ کا ہوتا ہے۔

1- نفس کی پہلی حالت نفس امارہ۔۔۔۔اس کے نور کا رنگ نیلا ہوتا ہے۔

2- نفس لوامہ۔۔۔۔ملامت کرنے والا نفس۔۔۔اس کے نور کا رنگ زرد رنگ کا ہوتا ہے۔

3-نفس الہامہ یا ملھمہ۔۔۔یہ الہام کرنے والا نفس ہے۔۔۔اس کے نور کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔

4- نفس مطمئنہ۔۔۔یہ نیک اور پاکیزہ نفس ہے۔۔۔اس کے نور کا رنگ سفید ہوتا ہے۔

5- نفس راضیہ۔۔۔باری تعالی کے تمام فیصلوں پر راضی رہنے والا نفس ہے۔۔۔اس کے نور کا رنگ سبز ہے۔

6-نفس مرضیہ۔۔۔اللہ تعالی کا نفس انسانی سے راضی ہونا مرضیہ کہلاتا ہے۔۔۔اس کے نور کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔

7- نفس کاملہ۔۔۔یہ کاملیت کا آخری مقام ہے۔۔۔اس نور کا رنگ سفید یا بے رنگ یا گہرا جامنی ہوتا ہے۔

"سراج العوارف" میں ہے کہ

1- دل کا نور۔۔۔زردی مائل چاند کی طرح ہوتا ہے۔

2- روح کا نور۔۔۔سفید آفتاب کی طرح ہوتا ہے۔ یہ دل پر تجلی ڈالتا ہے یعنی دل کا نور روح کے نور سے تجلی حاصل کرتا ہے۔

3- قبلے کی طرف ظاہر ہونے والا نور نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی روح پاک کا نور ہوتا ہے جو سالک کی رہنمائی فرماتا ہے۔

4- دائیں کاندھے کی طرف ظاہر ہونے والا نور اچھے کاموں کے لکھنے والے فرشتے کا نور ہے۔

5- بائیں کاندھے کی طرف ظاہر ہونے والا نور گناہوں کے لکھنے والے فرشتے کا نور ہے۔

6-دائیں طرف گز دو گز کے فاصلے پر نظر آنے والا نور مرشد کی روح کا نور ہے جو اس کو راستہ دکھاتا ہے۔

7-بائیں طرف گز دو گز کے فاصلے پر نظر آنے والا نور ابلیس لعین کا ہے۔ جو سالک کو بہکاتا ہے اور شیطانی نور ظاہر ہونے کی پہچان بھی یہی ہے کہ اس کے ظاہر ہونے سے دل میں گھبراہٹ، وحشت اور ڈر پیدا ہوتا ہے اور اس سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔

8- وہ نور جو سینے اور ناف کے سامنے دھوئیں اور آگ کی شکل میں ہوتا ہے، خناس کا نور ہے۔

9-وہ نور جو کسی خاص سمت کی طرف سے نہیں ہوتا اور اس کے ظاہر ہونے سے حقیقی کلبی سکون، سرور اور انس پیدا ہوتا ہے اور اطمینان اور سکون ظاہر ہوتا ہے اور ایک ایسی کیفیت طاری ہوجاتی ہے کہ سالک آپے میں نہیں رہتا اور ذوق اور شوق کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ یہ نور کسی خاص سمت سے نہیں آتا بلکہ ہر سمت میں برابر ہوتا ہے۔ وہ **"نور احدی"** ہے اور یہی نور سالک کا مقصود اور اور مطلوب ہے۔ یہ نور احدی مذکورہ تمام انوار سے پہلے نظر آتا ہے جیسے چمکتی ہوئی آسمانی بجلی جو کبھی روشن ہوجاتی ہے اور کبھی چھپ جاتی ہے یا کبھی یہ نور شمع، چراغ یا آسمان کے تاروں کی صورت میں نظر آتا ہے۔

10- سالک کی طہارتوں، وضو، غسل، روزہ، نماز وغیرہ کا نور عالم مثال کی شروعات میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ نور یا تو عبادتوں کا نور ہوتا ہے یا فرشتوں کا نور ہوتا ہے۔

ان انوارات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے تاکہ ابلیس لعین کے دھوکوں سے محفوظ رہ سکیں۔

راہ سلوک میں ذاکر کا ظاہر شریعت کی چمک سے اور باطن محبت کی آگ سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔ شریعت سے دو راستے نکلتے ہیں---طریقت---حقیقت-شریعت سے گزرے بغیر طریقت نہیں اور طریقت سے گزرے بغیر حقیقت نہیں-اس کے بعد معرفت کی منزل آتی ہے- دوام حضوری کثرت ذکر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

ذکر یاد کا نام ہے۔ ذکر محبوب کو یاد کرنا ہے۔ ذکر پکار کا نام ہے۔ ذکر محبوب کو نگاہ میں رکھنا ہے۔ ذکر دائمی ہو، مستقل ہو، متواتر ہو، متواتر پکارتے رہیں، جتنا زیادہ پکاریں گے وصل کا امکان اتنا ہی بڑھے گا۔ عاشق ذکر کے بغیر مر جاتا ہے۔

اے عشق شطرنج دی بازی نئیں جھنوں گولیاں مار کے جتنااے
نہ عشق طوائف دا کوٹھا اے جتھے دولت وار کے جتنااے
اس پاک شفاف محبت نوں سکھ چین نوساڑ کے جتنااے
اے عشق، تاں ایسے بازی اے جھنوں زندگی ہار کے جتنااے

صوفی ازم،فقر یا درویشی کیا ہے؟

صوفی وہ جو دنیا سے منہ موڑ لیتے ہیں-دنیا میں رہتے ہیں لیکن دنیا میں نہیں رہتے-ان حضرات کو فقرا یا درویش بھی کہا جاتا ہے اور جب ہم فقر کا نام استعمال کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں 2 قسم کے لوگ آتے ہیں:

ایک کے متعلق نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"میں نگوسار فقیروں (لپٹ کر مانگنے والے) سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں"-

دوسری جگہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:"فقر میرا فخر ہے اور فقرا میرے ورثہ ہیں-"(محک الفقر کلاں)

یہاں پر ہم دوسری قسم کے متعلق بات کریں گے-فقر اللہ تعالیٰ کو کافی سمجھ لینے کا نام ہے-

فقیر کی پہچان:- فقیر کی پہچان یہ ہے کہ "مخلص ہو، طالب مولا ہو، راز داری کے علم سے باشعور ہو اور جمعیت باطن سے صاحب حضور ہو"-

صوفی یا درویش یا فقیر کی تخلیق:- آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:"علما میرے سینے سے، سادات میری پیٹھ سے اور فقراء انوار الٰہی سے پیدا کیے گئے ہیں"-

دوسری جگہ پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو زمین کی خاک سے اور فقرا کو جنت کی مٹی سے پیدا فرمایا"-

فقیر کی خوبی:- فقیر وہ نہیں جو اسباب دنیا سے خالی ہو، بلکہ فقیر وہ ہے جو خواہشات سے آزاد ہو-اپنے نفس کو ہر بُرائی سے بچاتا ہو-فقیر فرائض کا پابند ہوتا ہے اور اپنے راز کی حفاظت فرماتا ہے-عام آدمی اور صوفی یا فقیر میں یہ فرق ہوتا ہے کہ صوفی نہ پریشان ہوتا ہے اور نہ حیران-

راہ فقر یا صوفی ازم:- یہ ایک سفر ہے اللہ کی دوستی کی طرف سفر---اللہ کی راہ کا سفر

فقر یہ نہیں کہ بہتی ندی کے اوپر سے (پانی کے اوپر سے) گزر جائیں اور ایک انچ بھی گیلا نہ ہو، فقر ہوا میں اڑنا بھی نہیں ہے، فقر ہوا میں مصلہ بچھا کر نماز پڑھنا بھی نہیں ہے-

اصل فقیر یا صوفی وہ ہے جس کا دل ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو-

اصل فقیر وہ ہے جس کا قلب لامکاں میں گم ہو اور ظاہراً جسم مکمل شریعت کا نمونہ (structure) ہو-

انسان کا نفس ناک سے لے کر فورہیڈ (forehead) تک ہے-یہ نفس دیکھنے میں، بولنے میں،، ہر کام میں مداخلت (interfare) کرتا ہے-اس کے پانچ ہتھیار ہیں-1- شہوت 2- غصہ 3- تکبر 4- لالچ 5- حسد

یہ پانچ ہتھیار نفس کے پاس ہیں جو کسی بھی شخص کو اللہ سے دور کر دیتے ہیں-اس کے مقابلے کے لئے ہتھیار اسم "اللہ" اور "اللہ ھو" ہے-اس کے مسلسل ذکر سے نفس کی منفی خرابیاں، مثبت خوبیوں میں بدلتی رہتی ہیں-

اللہ کی راہ پر چل کر اللہ تک جانا ہے-روح انسان کی رگ رگ میں موجود ہے-روح اصل میں ایک نور ہے، یہ نور پورے جسم میں سمایا ہوا ہے-اس کے برعکس نفس ایک تاریکی ہے-یہ بھی پورے جسم میں موجود ہے-ہم ذکر کے ذریعہ نفس کی اس تاریکی کو نور میں تبدیل کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ نفس کی حالت بدلتی رہتی ہے-

اس سارے عمل میں سب سے بڑی چیز عاجزی ہے-انسان کے اندر بے شمار خوبیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں مثلاً وہ ریاضت کرتا ہے، عبادت کرتا ہے، خلوص بجالاتا ہے، علم سیکھتا ہے، عمل کرتا ہے، عشق میں مبتلا ہوتا ہے-لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود اگر اس میں عاجزی نہیں ہے تو یہ سب کچھ صفر ہو جاتا ہے-اس کا مطلب یہ ہوا کہ راہ فقر یا صوفی ازم میں سب سے زیادہ ضروری چیز عاجزی کا حصول ہے-یعنی سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا بننے کی کوشش کرنا ہے-

غوث اعظم دستگیر سے کسی نے پوچھا "حضرت اسم اعظم کیا ہے؟" آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا" جب تو اپنے سینے کو تمام تر لذتوں اور تمام تر خواہشات اور اللہ کے سوا ہر چیز سے خالی اور پاک کر لے اور پھر اللہ کا نام لے چاہے جس رنگ میں لے، چاہے جو نام بھی لے وہی تیرا اسم اعظم ہے"-

راہ فقر اللہ کا بننے کی کوشش ہے عبدیت-عبد بننا (بندہ بننا) اور عاجزی اختیار کرنا اس کوشش کا مقصد ہے-

دعا میں التجا نہیں، تو عرض حال مسترد
جو حُسن عاجزی نہیں، تو سب کمال مسترد

دنیا اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے-اس کے فریب میں بہت لوگ گمراہ ہوئے-اس کے مکر سے بہتوں کو لغزش ہوئی اس کی دوستی خطاسیئات کی جڑ ہے اور اس کی دشمنی طاعات وقربت کی اصل، اس سے نجات بغیر دنیا سے علیحدگی اور دوری کے نہیں ہو سکتی-لیکن اس سے علیحدگی کی دو صورتیں ہیں-

1- یا تو یہ خود آدمی سے الگ رہے اس کو فقر کہتے ہیں یا 2- آدمی اس سے کنارہ کش ہو جائے

اس کو زہد کہتے ہیں

''فقر حاجت کی چیز نہ ہونے کا نام ہے''۔ہستی کے پردے پر اگر کوئی موجود ایسا ہے جس کا وجود دوسرے سے فائدہ نہ اٹھاتا ہو تو وہ غنی مطلق ہے اور ایسا وجود سوائے ایک ذات کے نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ وجود میں غنی ایک ہی ہے اور اس کے سوا سب اس کے محتاج ہیں۔قول باری تعالی ہے واللہ غنی و انتم الفقراء ''اور یہ معنی فقر مطلق کے ہیں''(سورہ محمد،آیت نمبر 38)-----فقر میں آدمی کے پانچ احوال ہیں۔

پہلی حالت:- جو سب سے عمدہ ہے یہ کہ آدمی اس طرح ہو کہ اگر اس کے پاس مال آئے تو اس کو بُرا معلوم ہو اور ایذا پائے اور اس کے قبول سے بھاگے اور اس کے مشغول ہونے سے اجتناب کرے اور اس کے شر سے بچے۔ایسے شخص کو **''زاہد''** کہتے ہیں۔

دوسری حالت:- دوسری حالت یہ ہے کہ مال کی رغبت اتنی نہ ہو جس کے حاصل ہونے سے خوشی ہو اور نہ اتنی نفرت ہو کہ اس سے تکلیف ہو۔ایسے شخص کو **''راضی''** کہتے ہیں

تیسری حالت:- تیسری حالت یہ ہے کہ مال کا ہونا اس کے نزدیک نہ ہونے کی نسبت محبوب ہو اور اس کی وجہ سے کچھ مال سے رغبت رکھتا ہے مگر رغبت اتنی نہیں کہ اس کی طلب میں سرگرم رہے بلکہ اس قسم کی ہے کہ اگر بلا محنت ملے تو خوش ہو جائے اور اگر طلب کرنی پڑے تو مشغول نہ ہو۔ایسی حالت والے کا نام **''قانع''** ہے۔اس لیے کہ اس نے موجود چیز پر قناعت کر کے طلب کو موقوف کیا۔اس کے باوجود کہ اس کو کسی قدر رغبت بھی ہے۔

چوتھی حالت:- چوتھی حالت یہ ہے کہ طلب مال کو موقوف کرنا عاجزی کے باعث ہو ورنہ رغبت اتنی ہے کہ اگر سبیل تلاش کی ملے جو محنت ہی سے ملے اس کو ضرور طلب کرے یا طلب میں مشغول ہو ایسی حالت والے کو ہم **''حریص''** کہتے ہیں۔

پانچویں حالت:- پانچویں حالت یہ ہے کہ جو مال اس کے پاس نہیں اس کی ضرورت میں پریشان ہو یعنی بھوکے کے پاس روٹی نہ ہو اور ننگے کے پاس لباس نہ ہو ایسی حالت والے کو ہم **''مضطر''** کہتے ہیں۔

اور ان پانچوں حالت سے بڑھ کر ایک اور حالت ہے جو زہد سے بھی اعلیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے نزدیک مال کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہو کہ نہ آنے کی خوشی نہ جانے کا غم ہو اور اس کا حال ایسا ہو جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا تھا جب ان کے پاس درہم دمشق سے آئے تو انہوں نے اسی وقت تقسیم کر دیئے۔تو جب آپؓ کی خادمہ نے کہا "اگر آج کے درہموں میں سے ایک درہم کا گوشت لے دیتیں تو اس سے افطار کرتے" تو آپؓ نے فرمایا ''پہلے سے یاد دلا دیتی تو ایسا ہی کرتی''۔

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ ''میں نے جنت میں جھانکا تو اکثر اس کے لوگوں کو فقیر دیکھا اور دوزخ میں جھانکا تو اس میں اکثر غنی اور عورتیں نظر آئیں''۔(مسند احمد) ایک حدیث ہے "مومن کا تحفہ دنیا میں فقر ہے"-(مکاشفۃ القلوب)

حضرت موسیٰؑ نے جناب باری میں عرض کیا ''الٰہی تیری مخلوق میں سے تیرے دوست کون لوگ ہیں؟ مجھے معلوم ہوں تو میں بھی ان کو تیری خاطر دوست رکھوں"۔فرمایا" کل فقیر''۔

حضرت عیسیٰؑ فرمایا کرتے تھے "میں مسکنت کو پسند کرتا ہوں اور دولت کو بُرا جانتا ہوں اور اگر کوئی آپ کو مسکین کہہ کر پکارتا تو آپ کو وہ سب سے زیادہ پسند آتا"۔

ایک مرتبہ عرب کے سرداروں اور تونگروں نے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں عرض کیا" آپ ایک روز ہمارے لیے مقرر کر دیجئے اور ایک روز فقرا یعنی حضرت بلالؓ،حضرت سلمان فارسیؓ،حضرت صہیب رومیؓ،حضرت ابو ذر غفاریؓ،خباب بن ارتؓ اور عمار بن یاسرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور فقرائے اصحاب صُفّہ رضوان اللہ علھیم اجمعین کے لیے ٹھہرا دیجئے کہ جس روز وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس آئیں تو ہم نہ آئیں اور ہم آئیں تو وہ نہ آئیں" (اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کا لباس اون کا تھا۔گرمی کی شدت میں پسینہ جو آتا تو کپڑوں میں بو پیدا ہوتی اور تونگروں کو ان کی بو سے ایذا ہوتی) اس لیے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سے یہ درخواست کی۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان کی درخواست کی پذیرائی فرمائی "اچھا ایک مجلس میں دونوں فریقوں کو جمع نہ کریں گے" پس آیت اتری جس کا ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ:'' آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے کا پابند کیجئے جو اپنے رب کو صبح اور شام پکارتے ہیں اور ان کے منہ آپ طالب ہیں اور ان کو چھوڑ کر رونق دنیا کی زندگی پر نہ جائیں اور مت دیکھیں ان کو جن کے دل میں نے اپنی یاد سے غافل کر دیئے ہیں''۔(سورہ کہف آیت نمبر 28)

قیامت کے دن اللہ تعالی فرمائے گا "میری مخلوق میں میرے مخلص بندے کہاں ہیں"؟ تو فرشتے عرض کریں گے "اے ہمارے رب وہ لوگ کون ہیں"؟ اللہ فرمائے گا" (میرے مخلص بندے) وہ فقراء ہیں جو میری عطا کردہ نعمتوں پر قناعت کرتے ہیں۔میری تقدیر پر خوش ہیں (جاؤ) انہیں جنت میں داخل کر دو''۔(الطبقات الصوفیہ)

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ ''میری اُمت کے فُقَرا امیروں سے 500 سال پہلے جنّت میں داخل ہوں گے"۔(جامع ترمذی،احیاء العلوم)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں" تین آدمی جنت میں بے حساب داخل ہوں گے۔ایک وہ شخص کہ اپنا کپڑا دھونا چاہے تو دوسرا اس کے پاس نہ ہو کہ اس کو پہن

لے، دوسرے وہ کہ اپنے چولہے پر دو ہنڈیاں نہ چڑھائی ہوں، تیسرے کہ وہ پانی مانگے تو اس سے یہ نہ پوچھا جائے کہ کونسا پانی منظور ہے؟، یعنی کھانے، پینے اور لباس میں تکلف نہ کرے"۔

ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے پاس دس ہزار درہم لایا۔ آپ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس شخص نے بہت منت کی تو آپؒ نے فرمایا" کیا تجھے یہ منظور ہے کہ دس ہزار درہم کے عوض میرا نام فقیروں کے دفتر سے مٹا دیا جائے؟ سو ایسا میں کبھی نہ کروں گا''۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں" کوئی روز ایسا نہیں ہوتا کہ ایک فرشتہ عرش کے نیچے سے یہ نہ پکارتا ہو،''تھوڑا مال جو تجھے کافی ہو وہ اس بہت سے مال سے بہتر ہے جو تجھے سرکش کر دے''۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ خراسان کے امرا میں سے تھے ایک روز اپنے ایک محل کی کھڑکی سے جھانک رہے تھے دیکھا" اس مکان کے صحن میں ایک شخص ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک روٹی ہے اس کو کھا رہا ہے جب کھا چکا تو سو رہا آپ نے اپنے کسی خادم سے کہا" جب یہ شخص اٹھے میرے پاس لے آنا"، جب وہ اٹھا تو سامنے گیا آپؒ نے پوچھا " تو بھوکا تھا تو وہ روٹی کھائی تھی"؟ اس نے کہا''ہاں'' آپ نے پوچھا" تیرا شکم اس روٹی سے سیر ہو گیا تھا"؟ کہا کہ''ہاں'' آپ نے پوچھا" پھر مزے میں سویا"؟ اس نے کہا کہ''ہاں'' آپؒ نے اپنے دل میں کہا" پھر میں دنیا لے کر کیا کروں گا؟ نفس تو اتنے پر بھی قناعت کر لیتا ہے"۔

حضرت محمد بن واسعؒ سوکھی روٹی پانی میں تر کر کے کھا لیتے اور فرماتے''جو دنیا سے اس قدر پر راضی ہو گیا وہ کسی کا محتاج نہ ہوگا''۔

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ''لوگوں میں سے کفر کے قریب تر وہ شخص ہے جو فاقے میں صبر نہ کرے''۔

فرمان باری تعالیٰ ہے''اے آدم کی اولاد اگر دنیا ساری کی ساری بھی تجھے دے دی جائے تب بھی تو دنیا میں سے اتنا ہی کھائے گا جتنا تیرے پیٹ میں سما جائے گا، اور اگر اتنی دی جائے جتنی تیرے پیٹ میں جاتی ہے تو یہ میں نے تجھ پر احسان کیا (تجھے حساب کتاب سے بچا لیا)''۔

جس قدر آدمی دنیا سے محبت کرتا ہے اس قدر آخرت سے وحشت کرتا ہے اور جب اسباب اُنس دنیا کے جاتے رہتے ہیں تو دل بھی دنیا اور اس کی زینت سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور جب دل اللہ کے سوا ہر چیز سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں" مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میری دو کان مسجد کے دروازے پر ہو اور کوئی نماز اور ذکر مجھ سے فوت نہ ہو اور ہر روز مجھ کو نفع میں پچاس دینار حاصل ہوں اور ان کو میں اللہ کی راہ میں صرف کر ڈالوں"، لوگوں نے پوچھا" اس میں کیا خرابی ہے"۔ آپؓ نے فرمایا کہ''حساب تو دینا ہی ہوگا''۔

جس قدر قرب الٰہی حاصل ہوگا اتنا ہی مال نہ ہونے کا درد بھی کم ہوگا۔ فقر وہی اچھا ہے جس میں آدمی غصہ میں نہ رہے یا دوسرے معنی میں فقر میں راضی رہے۔

مال کے جمع کرنے میں تین درجے ہیں:۔ ایک یہ کہ صرف ایک دن اور ایک رات کا پاس رکھے یہ درجہ **صدیقین** کا ہے، دوسرا یہ کہ چالیس روز کا ذخیرہ کرے اور علماء نے یہ بات حضرت موسیٰؑ کی معیاد سے نکالی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمائی تھی اس سے یہ سمجھا گیا کہ زندگی کی توقع چالیس روز کرنی جائز ہے اور یہ درجہ **متقین** کا ہے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ برس روز کا ذخیرہ رکھے اور یہ سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے اور یہ **صالحین** کا درجہ ہے اور جو اس سے بھی زیادہ کے لیے ذخیرہ کر لے وہ سب طمع میں داخل ہے۔ خواص سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔ پس مرد صالح جو اطمینان قلبی میں کمزور ہو۔ اس کی غنا برس روز کی غذا میں ہے اور خواص کی غنا چالیس روز کی غذا میں خواص سے بھی خواص کی غنا ایک دن اور ایک رات کی قوت میں ہے اور **آنحضرت خاتم النبیین ﷺ اپنی ازواج مطہرات کی غذا اسی طرح تقسیم فرماتے تھے یعنی جب کچھ کہیں سے آتا تو ان میں سے بعض کو سال بھر کی بعض کو چالیس دن کی اور، بعض کو ایک دن رات کی غذا عنایت فرما دیتے اور ایک دن اور ایک رات کی غذا حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو دیا کرتے تھے۔**

حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا" الٰہی تو نے میرا رزق بنی اسرائیل کے ہاتھوں پر اتار دیا ہے کہ صبح کو کوئی کھلاتا ہے، شام کو کوئی"۔ حکم ہوا" میں اپنے دوستوں سے ایسا ہی کرتا ہوں ان کا رزق اپنے بندوں میں سے دوسروں کے ہاتھ سے دلاتا ہوں تا کہ ان کے باعث ان کو ثواب دیا جائے"۔

بہر حال بندے کو چاہیے کہ اگر اس کو کوئی کچھ دے تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مسخر کر دیا ہے تو دیتا ہے۔

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کا دستور تھا کہ اکثر سوال سے باز رہنے کا حکم فرماتے کہ''جو ہم سے مانگے گا تو اس کو ہم دیں گے اور جو بے پرواہی چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو بے پرواہ کر دے گا''(بخاری و مسلم)

حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو سنا کہ بعد مغرب کے سوال کرتا تھا آپ نے فرمایا" اس کو کھانا دے دو"۔ کسی نے دے دیا۔ پھر آپ نے دوبارہ اس کو مانگتے سنا۔

آپ نے فرمایا ''ہم نے کہا نہیں تھا کہ اس کو کھانا دے دو'' اُس نے عرض کیا کہ'' ہم نے اس کو کھانا کھلا دیا ہے''۔ آپ نے سائل کی جھولی دیکھی تو روٹیوں سے بھری ہوئی تھی۔فرمایا کہ تو سائل نہیں تاجر ہے۔ پھر جھولی لے کر زکوٰۃ کے اونٹوں کے سامنے ڈال دی سائل کو درے مارے اور فرمایا" پھر ایسا مت کرنا"۔ پس اگر سوال کرنا حرام نہ ہوتا تو آپ اس کو دُرے کیوں مارتے؟

حضرت بشر حافیؒ فرمایا کرتے تھے " فقرا تین ہیں ایک وہ کہ سوال نہ کریں اور کوئی دیں تو نہ لیں۔ ایسا شخص علیین میں روحانیوں کے ساتھ ہوگا، دوسرا وہ کہ سوال نہ کرے اور اگر کوئی دے تو لے لے تو یہ شخص **مقربین** کے ساتھ جنت فردوس میں رہے گا تیسرا وہ کہ حاجت کے وقت سوال کرے ایسا شخص اصحاب یمین میں سے ہے ،سچوں کے ساتھ ہوگا"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے فرمایا کہ "اے نبی اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے لیے گھر بنا دیں؟" حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا" پانی پر عمارت کیسے چلے گی؟" یوسف بن اسباطؒ فرمایا کرتے تھے "اللہ سے تین باتیں چاہتا ہوں کہ جب میں مروں تو میرے پاس ایک درہم بھی نہ ہو، دوم یہ کہ مجھ پر کسی کا قرض نہ ہو، سوم یہ کہ میری ہڈی پر گوشت نہ ہو"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں "میں نے آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) اللہ سے وعدہ طلب کیوں نہیں کرتے کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کو کھانا کھلائے کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی بھوک کی حالت دیکھ کر میں رو پڑی"- آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا کہ "اے عائشہؓ !قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میں پروردگار سے یہ دعا کرتا کہ میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلائے، تو اللہ تعالیٰ تمام پہاڑوں کو جہاں میں چاہتا ساتھ کر دیتا لیکن میں نے دنیا کی بھوک کو سیری پر، ٹھوکر کو غنا پر اور رنج کو خوشی پر اختیار کر لیا ہے۔اے عائشہؓ! دنیا محمد (خاتم النبیین ﷺ) اور آل محمد کے لیے مناسب نہیں ہے۔اے عائشہؓ! اللہ نے رسولوں میں سے اولوالعزم کے لئے اور میرے لیے یہی پسند کیا ہے، بخدا میں اس کی فرمانبرداری ضرور کروں گا"۔

فقرا کی قسمیں:- جب کوئی سالک راہ فقر میں چل کر عبادات ریاضات، مجاہدات کرتا رہتا ہے تو:-

1۔اگر اُس کا شیشہ عقل ٹوٹ گیا تو مجذوب ہوا 2۔اگر ثابت قدم رہا تو محبوب ہوا یا 3- مجوب ہوا (چھپا ہوا)۔

1-مجذوب:- جن کا شیشہ عقل ٹوٹ گیا وہ مجذوب ہوتے ہیں۔ مجذوبوں سے تلقین لینا (سیکھنا) نقصان دہ ہے۔ بے شک یہ سلسلے سے ہوتے ہیں۔لیکن خود ان سے کوئی سلسلہ نہیں چلتا۔ یہ اللہ کے عشق میں نکلے اور دیوانے ہو گئے ان کا رشتہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے خواہ ننگے ہی کیوں نہ گھوم رہے ہوں۔ دراصل مجذوب وہ ہوتا ہے جو ذات سے متعارف ہو کر (یعنی اللہ تعالیٰ سے تعارف کے بعد) ایسے عالم میں چلا جاتا ہے۔ جہاں پر اللہ تعالیٰ خود اُس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ان میں سے کچھ مجذوب سالک ہوتے ہیں جن میں کچھ سُدھ بدھ ہوتی ہے۔ مجذوب سالک اگر کسی پر مہربان ہو جائیں تو ان کو ذکر اذکار، مجاہدوں اور چلوں میں نہیں ڈالتے بلکہ سینے سے سینہ ملا کر یا ہاتھ سے ہاتھ ملا کر یا آنکھ میں آنکھ ڈال کر اپنے سینے کا نور اُس میں منتقل کر دیتے ہیں۔ جس سے وہ شخص روشن ضمیر ہو جاتا ہے اور مجذوب سالک کا فیض اِس نور کے ذریعے سے چل پڑتا ہے۔لیکن اگر وہ صاحب ساکن رہے اور لطائف کے علم سے محروم رہے (ذکر اذکار کا جس سے نور بنتا ہے) تو آہستہ آہستہ اس کی روحانیت ضائع ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مادر زاد ولیوں نے بھی بلند مراتب کے لیے ذکر اذکار، مجاہدے اور ریاضتیں کیں ہیں۔

2- محبوب:- محبوب فقیر خلق کے قُلوب کے تصفیہ کے قابل ہو جاتے ہیں (صفائی کے قابل)---یہ خلق کی ظاہری حالت سنوارنے کا کام کرتے ہیں- یہ لوگوں کو شریعت سکھاتے ہیں- ان میں علماء، محدثین، مفسرین، مجتہدین، صالحین اور عاشقین، شامل ہوتے ہیں- یہ ذکر ،اذکار، ریاضتیں اور مجاہدے کرواتے ہیں-

3-مجوب:- محبوبوں میں سے اکثر رجال الغیب کے محکمے میں چلے جاتے ہیں۔ اور اُن کے غوث وقطب ہدایت کے لیے مقرر ہوتے ہیں۔ ہر چالیس میل کے علاقے پر ان کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ان کو کشف خاص ضرور ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہرکارے ہوتے ہیں انہیں اللہ کے کلرک، اللہ کے سپاہی اور اللہ کے چپڑاسی بھی کہتے ہیں۔ یہ پرمٹ، سمن اور شوکاز جاری کرتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے بھیجے گے انعام اور ایوارڈ لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

جب کوئی شخص اللہ کو پسند آ جاتا ہے تو اُسے فقراء کی صف میں شامل کرنے کا فیصلہ ہوتا ہے۔تو اُسے کوئی نشانی دی جاتی ہے۔ یہ نشانی اُس فقیر یا صوفی کے حسب حال اُس کے درجے اور اُس کے مقام کا تعین کرتی ہے۔ کسی کو آئینہ دیا جاتا ہے، کسی کو خرقہ، کسی کو دستار ملتی ہے اور کسی کے سر پر تاج رکھ دیا جاتا ہے یہ نشانیاں عام لوگوں کو نظر نہیں آتیں ،انہیں صرف دوسرا صوفی ہی دیکھ سکتا ہے۔ایک صوفی ہزاروں لوگوں میں سے دوسرے صوفی کو انہی نشانیوں کی وجہ سے پہچان لیتا ہے۔اِن کو کشفِ خاص ضرور ہوتا ہے۔جس کے ذریعے یہ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں۔ یہ حج کے موقع پر اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ مجوب ہوتے ہیں (چھپے ہوئے)۔

ایک شخص کے پاس ایک بزرگ آئے-اس شخص نے بزرگ سے پوچھا،" آپ کون ہیں"؟انہوں نے جواب دیا"اللہ تعالیٰ کا چپڑاسی ہوں"۔اس شخص نے حیرت سے کہا "چپڑاسی؟؟؟؟ آپ کی ڈیوٹی کیا ہے"؟ کہنے لگے"میں لوگوں میں برکت تقسیم کرتا ہوں تمہاری بھی عرضی منظور ہوگئی تھی۔تم نے برکت مانگی تھی نا، مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہیں برکت دے آؤں"۔اُس شخص نے سوال کیا"یہ برکت کیا ہوتی ہے"؟انہوں نے کہا کہ "یہ جاگ ہوتی ہے"۔اُس شخص نے کہا"جاگ کیا ہوتی ہے"؟انہوں نے کہا کہ "یہ تولہ دو تولے دہی ہوتی ہے۔جو دودھ کے پورے مٹکے کو دہی بنا دیتی ہے"۔اُس شخص نے سوال کیا۔"مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ مجھے برکت ملی ہے"؟

انہوں نے تھوڑی دیر کے لیے خاموشی اختیار کی پھر بولے،"تم جہاں جاؤ گے رونق آ جائے گی۔اور جس جگہ سے اُٹھ جاؤ گے وہ جگہ اُجاڑ ہو جائے گی۔لوگوں کے دل تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں گے۔لوگوں کو تمہارے پاس بیٹھ کر سکون ملے گا۔تم سے دوستی کرنے والے لوگ فائدہ میں رہیں گے اور تمہیں نقصان پہنچانے والے خود نقصان اٹھائیں گے"۔اُس شخص نے سوال کیا"یہ برکت کب تک میرے ساتھ رہے گی"؟انہوں نے جواب دیا"جب تک تو تکبر سے بچا رہے گا"۔

سوال کرنے والا شخص غیر سرکاری محکمے کے تھے اور جواب دینے والے صوفی درویش سرکاری محکمے کے رجال الغیب تھے۔

محبوبین میں علماء، مشائخ، متقین، صلحا، نقبا اور مجدد شامل ہیں۔یہ غیر سرکاری محکمہ میں ہوتے ہیں۔یہ ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔

محبوبین کے بعد مساوی غوث وقطب (یعنی غوث وقطب کے برابر)، معارف، سلطان، اور عاشقین بھی ہوتے ہیں۔لیکن چونکہ یہ سرکاری محکمے کے ہیں اس لیے کسی زمانے میں ان میں سے کوئی نہیں بھی ہوتا۔یعنی کسی زمانے میں معارف نہیں، کسی میں سلطان نہیں، کسی میں عاشقین نہیں اور کسی میں تینوں موجود۔ان کو باقاعدہ کشف نہیں ہوتا بلکہ گاہے بگاہے آگاہی ہوتی رہتی ہے۔یہ بھی خدمت کے لیے بہترین لوگ ہوتے ہیں۔

علماء اور مشائخ کے ہزاروں مقامات اور ہزاروں مراتب ہوتے ہیں۔یہ معاشرہ انسانی کی اصلاح ظاہر و باطن کے لیے رشد و ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ان کی اصلاحی کوششیں غیر مسلموں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔اور تاریخ عالم نے عالم اسلام کے اذہان وفکر میں جن انقلابات کی نشاندہی کی ہے وہ ان علما و مشائخ کی شب و روز کوشش کی مرہونِ منت ہے۔**ان میں صوفیا خاص طور پر روحانی اور قلبی اصلاح میں مصروف رہے**۔اور ان کی کوششوں نے اسلامی معاشرے کی اخلاقی نشو ونما میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔انہوں نے مُردہ دلوں کو حیات تازہ بخشی۔انہوں نے مردہ لاشوں کو زندہ کر دیا۔انہی حضرات میں ملامیتہ اور قلندر بھی شامل ہیں۔

ملامیتہ:- صوفیاء کرام کی وہ جماعت ہے جو"ریا"(دکھاوا) سے بچتی ہے۔حد درجہ اخلاص والی جماعت ہے جو اپنے کمالات باطنی کو کبھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتی۔

قلندر:- صوفی منتہی جب اپنے مقاصد کو پالیتا ہے تو قلندر ہو جاتا ہے۔یہ شخصیت نہ عبادات میں سما سکتی ہے نہ ہی انہیں الفاظوں کے کوزے میں بند کیا جا سکتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ قلندر کی بلند پروازیں دین و دنیا کے حدود و قیود کو توڑ کر آگے نکل جاتی ہیں۔

مجذوب:- صوفیاء میں مجذوب کا مقام نہایت ہی نازک اور منفرد ہوتا ہے۔یہ طریق استدلال سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں۔یہ اصلاح عالم کے کسی مقام پر متعین نہیں ہوتے۔نہ ہی انہیں جذب حقیقی سے اتنی فرصت ہوتی ہے کہ خلق کی اصلاح کا کام اپنے ذمہ لیں۔

4۔ چوتھی قسم اُن فقیروں کی ہے جو راہ طریقت ہی میں شیطانی کشفوں یا رُجوعات میں پھنس کر رہ گئے اور آگے ترقی نہ کر سکے۔یا کوئی چھوٹا موٹا عمل ہاتھ لگ گیا یا مؤکلات قابو کر لیے اور پھر ان عملوں اور مؤکلات سے خلق کو پھنسانے لگے۔اکثر سجادہ نشین اسی زمرے میں آتے ہیں۔نذرانہ لینا گناہ نہیں ہے لیکن مستحق لوگوں کی عمریں برباد کرنا سخت گناہ اور جرم ہے۔

صوفی کی پہچان:- آج کل فقراء یا صوفی کی پہچان ختم ہوگئی ہے۔بس جس کی صحبت میں بیٹھنے سے دل اللہ کی طرف جھک جائے تو جہ اللہ کی طرف متوجہ ہو اور جتنی دیر آدمی اُس کے پاس رہے اُس کے اوپر غم، پریشانی اور خوف نہ رہے سمجھنا چاہیے کہ یہ صحبت کیمیا ہے۔فقیری میں صحبت کا بڑا اثر ہے ایک قول ہے صحبتِ فقراء عین مجلس الٰہی ہے۔اور مردان خدا نے اس کو جُزِاعظم سمجھا ہے۔مگر اس زمانے کے لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ **آج مرید ہوئے کل وظیفہ پوچھ کر گئے پرسوں شکایت لے کر آ گئے کہ کچھ اثر نہیں ہوا۔یہ نہیں سوچتے کہ عمر بھر کی کثافت کو ایک دن کا وظیفہ کیا دُور کر سکتا ہے؟اور پھر یہ بات بھی ہے کہ مرشد کو ایسی کیا غرض پڑی ہے کہ اپنی صفائی وقت کو چھوڑ کر دوسرے کے خیال پر متوجہ ہو؟۔اور اگر بلفرض وہ ایسا کرے بھی تو مرید کا عمر بھر کا گند مٹانا اور اُس کے بجائے اپنے علم کو جمانا کوئی ہتھیلی کی سرسوں نہیں ہے**۔ہاں رفتہ رفتہ عرصہ دراز کی کوشش میں اصلاح حال خوب ہوتی ہے۔

چند صوفی حضرات یا درویشوں کے حالات:-

1۔ حضرت عمرؓ نے **حضرت اویس قرنیؓ** کو ایسے کمبل میں دیکھا جس کے نیچے تو انگری کے ہزاروں عالم پوشیدہ تھے۔یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کے دل میں خلافت سے

دستبرداری کی خواہش پیدا ہوئی اور فرمایا" ہے کوئی ایسا جو دو روٹی کے عوض مجھ سے خلافت خرید لے"؟ یہ سُن کر حضرت اویس قرنیؒ نے فرمایا" اے عمرؓ اس کو تو کوئی بے وقوف ہی خریدے گا۔اس کو اٹھا کر پھینک دے اور یہ نہ دیکھے کہ کس نے اُٹھایا ہے پھر جس کا جی چاہے گا اُٹھالے گا-"

2۔ **حضرت ابراہیم بن ادھمؒ** ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ایک دن انہوں نے دیکھا کہ چند اولیاء میدان تسلیم و رضا میں اپنے حال میں مستغرق ہیں،حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو از راہِ باطن منکشف ہوا کہ ایک جہاز سمندر کے اندر مبتلائے طوفان ہے۔اور بادِ مخالف کے سخت جھونکے ایسے لگتے ہیں کہ جہاز بس سمندر میں غرق ہونے والا ہے۔اہلِ جہاز گریہ زاری کر رہے ہیں۔اُن کی فریاد و واویلا سے شورِ قیامت برپا ہے۔یہ کیفیت مشاہدہ کر کے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا دل بھر آیا۔از راہِ باطن جہاز والوں کی مدد کی اور جہاز کو صحیح سلامت طوفان سے نکال دیا۔اولیاء کرام باہم بولے کہ دیکھو یہ فضول حرکت ہم میں سے کس کی ہے؟ سب نے انکار کیا۔حضرت ابراہیم بن ادھمؒ بولے " حضرت مجھ کو ایسا رحم آیا کہ زیادہ صبر نہ کر سکا" ۔انہوں نے کہا" سنو سرکار کو تو خود اِس جہاز کا بچانا مقصود تھا۔تم نے خواہ مخواہ اپنے ذمہ الزام لے لیا۔تمہیں ہماری صحبت راس نہیں آئے گی" ۔حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے "جواب دیا کہ جہاز کا بچانا بھی تو تقدیرالٰہی میں میری دُعا پر موقوف ہے۔اِس لیے میں نے دُعا کر دی۔ورنہ میں دُعا کہاں کرتا-"

3۔ **حضرت نجم الدین کبریٰؒ** کا ایک مرید تھا۔جو خلیفہ بغداد کا پیر تھا۔اُس نے ایک روز مجمع عام میں لوگوں نے کہا کہ "پیر کامل مرغی کی طرح ہوتا ہے۔یعنی مرغی تلے جس قسم کے انڈے رکھ دو وہ اُن کو سَۓ کر بچے نکال دے گی۔تیتر کے بچے جنگل میں اُڑ جائیں گے۔مرغی کے خاک میں لوٹنے لگیں گے۔بطخ کے دریا میں تیرنے لگیں گے۔ہم بھی دریائے توحید میں غوطے لگاتے ہیں" ۔یہ ماجرا کسی نے حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو بیان کر دیا کہ آپ کا فلاں مُرید آپ کو مُرغی سے تشبیہ دیتا ہے۔اور ایسا کہتا ہے۔یہ سُن کر حضرت نجم الدین کبریٰؒ مسکرائے اور کہا" وہ نالائق دریا میں ڈوبے گا" -وہ مرید چونکہ بادشاہ وقت کے پیر تھے۔اِس لیے شاہی محلات میں اُن سے کچھ پردہ نہ تھا۔بے تکلف چلے جایا کرتے تھے۔اتفاقاً ایک دن تشریف لائے تو بادشاہ محل میں نہ تھا۔یہ اُن کے پلنگ پر لیٹے اور سو گئے۔ذرا دیر کے بعد ملکہ آئیں اور وہ بھی بادشاہ کے خیال میں اُن کے برابر لیٹنے لگیں کہ اچانک انہیں احساس ہو گیا کہ یہ تو پیر و مرشد ہیں۔فوراً ہی اُٹھ گییں۔عین اُسی وقت بادشاہ دروازے میں داخل ہو گئے۔ملکہ کو کھڑے ہوتے ہوئے دیکھ لیا،ملکہ محل میں چلی گییں اور بادشاہ کے دل میں بدگمانی بھر گئی۔جب بادشاہ پیر و مُرشد کے پاس آیا تو اُن کی آنکھ کھل گی۔بادشاہ نے باہر جا کر ملاحوں کو حکم دیا کہ آج پیر و مُرشد کو دریا کی سیر پر لے جاؤ۔اور اشارہ کر دیا کہ پیر و مرشد کو دریا میں ڈبو دینا۔جب ملاحوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ انہوں نے پیر و مرشد کو دریا میں ڈبو دیا ہے۔تو بادشاہ اندر محل میں داخل ہوا۔

محل میں آتے ہی ملکہ نے پیر و مرشد کا آنا اور کمبل اوڑھ کر سو جانا،اور اپنا وہاں پر جانا اور لیٹنے کے ارادے سے بیٹھنا سب کچھ بتا دیا۔اب بادشاہ کو احساس ہو کہ اُس نے کتنی بڑی غلطی کر دی ہے۔بادشاہ کو بڑا ملال ہوا کہ اُس نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔اُس نے سوچا کہ ناحق ڈبونے پر قصاص لازم ہے۔یا خون بہا۔یہ خیال کر کے بہت سا روپیہ لے کر اور ایک تھالی میں تلوار لے کر پیر و مرشد کے مرشد حضرت نجم الدین کبریٰؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت نجم الدین کبریٰؒ اُس وقت حالتِ استغراق میں تھے۔بادشاہ نے تمام ماجرا کہہ سنایا اور عرض حال کے بعد مال و دولت روپیہ اور اشرفیاں اور شمشیر برہنہ سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ یہ خون بہا بھی حاضر ہے اور سر بھی حاضر ہے۔اب جو حکم ہو سرکار؟ حضرت نجم الدین کبریٰؒ نے جذب ہی کی حالت میں فرمایا" اچھا میرے اتنے اچھے مرید کو مار کر اب روپیہ اور اپنا سر لے آیا ہے۔اُس کی اتنی ہی قدر و منزلت ہے کیا؟ نہیں اُس کے خون بہا میں تو اول میرا سر، پھر تیرا سر، پھر جتنے اُس وقت کے اولیاء اللہ،سادات عظام اور علماء کرام تھے۔ایک ایک کا نام لینا شروع کر دیا۔۔۔،اور پھر کہا کہ یہاں تک کہ فرید الدین عطارؒ کا سر۔۔۔۔اور پھر بلغ۔۔۔بلغ" زبان سے نکلا ہی تھا کہ قریب بیٹھے ہوئے ایک مرید نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا،نہیں نہیں سرکار بغداد تو ہمارے ولیوں اور پیروں کا گھر ہے۔اسے تباہ ہونے سے بچا لیجئے۔اس کے ساتھ ہی حضرت نجم الدین کبریٰؒ خاموش ہو گئے۔چنانچہ یہی ہوا۔چنگیز خان اور ہلاکو نے خروج کیا۔پہلے حضرت نجم الدین کبریٰؒ کر سر کاٹا پھر بادشاہ وقت کا، ملک خراساں اور ایران کو بھی تہ تیغ کیا۔اور نصف بغداد کو بھی قتل و غارت گری میں ختم کیا اور جب لشکر مغل نیشاپور کے قریب پہنچا تو فرید الدینؒ عطار نے اپنا پیالہ چوبین اوندھا کر دیا۔تمام شہر لشکر کی نگاہ سے پوشیدہ ہو گیا۔اور فوجی حیران ہو کر اپنے خیموں کو لوٹ گئے۔اگلے روز چنگیز خان نے پھر لشکر روانہ کیا،لشکر پھر شام تک ٹکریں کھا کر واپس آ گیا۔چنگیز خان نے کہا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مردِ کامل (ولی) اِس شہر میں قتل ہونے سے رہ گیا ہے۔خیر کل میں خود لشکر کا راہنما بنوں گا۔پھر یا وہ نہیں یا میں نہیں"۔چنانچہ اگلے روز اُس نے نیشاپور کا قصد کیا۔اُدھر حضرت عطارؒ نے اپنا پیالہ اُٹھانا چاہا کہ حضرت خضر علیہ السلام آ پہنچے۔اور حضرت فرید الدینؒ عطار کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ 'بس رہنے دیجئے اپنی کرامت ،حکم سرکاری آپ کے قتل کے لیے جاری ہو چکا ہے۔انہوں نے حیرت سے پوچھا میرا قصور کیا ہے؟ کہا قصور" اختیار، وہ شان جمالی تھی، یہ شان جلالی ہے۔یہ کیا کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو "؟۔

اس کے بعد چنگیز خان کے لشکریوں نے حملہ کیا اور آپؒ کو شہید کر دیا۔

4۔ **شیخ ابوالحسن سعد الخیرؒ** کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ شیخ عبدالقادرؒ کی مجلس میں حاضر ہوا اور دیر سے آنے کی وجہ سے لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا۔اس وقت آپؒ زہد کے موضوع پر تقریر فرما رہے تھے۔میرے دل میں خواہش ہوئی کہ آپؒ معرفت کا بیان کریں۔آپؒ نے یکا یک زہد کا بیان چھوڑا اور معرفت کا بیان شروع کر دیا۔پھر میں نے دل میں خیال کیا کہ آپؒ شوق کے بارے میں کلام فرمائیں۔آپؒ نے فوراً شوق کے موضوع پر تقریر شروع کر دی۔اب میں نے چاہا کہ آپؒ فنا اور بقا کا مسئلہ بیان کریں۔آپؒ نے وہ مسئلہ بیان کر دیا۔پھر میرا دل چاہا کہ آپؒ محبت رسول خاتم النبیین ﷺ کے موضوع پر کچھ کہیں۔آپؒ نے اس موضوع پر سیر حاصل تقریر کی۔پھر میری طرف دیکھا اور بلند آواز سے ہاتھ اُٹھا کر کہا 'ابوالحسن' آج تیرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔میں فرط حیرت سے دم بخود رہ گیا اور عالم بے خودی میں مَیں نے اپنے کپڑے پھاڑ دیے۔

5۔ **شیخ ابوالقاسم عمر بن مسعودؒ** کا بیان ہے کہ شبِ جمعہ چاند رات رمضان المبارک میں آدھی رات کی وقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے مؤذن سے فرمایا کہ مینار پر چڑھ کر پہلی آذان دے دو۔اُس نے حکم کی تعمیل کی پھر تھوڑی دیر کے بعد دوسرے پہر کے آغاز میں فرمایا۔مینار پر چڑھ کر دوسری اذان دے دو۔اُس نے حکم کی تعمیل کی۔تھوڑی دیر کے بعد اُسے پھر فرمایا، سحری کی اذان دے دو، اُس نے حکم کی تعمیل کی۔صبح کے وقت آپؒ کے خاص اصحاب نے اِس بات کا راز پوچھا تو فرمایا کہ:

"جس وقت میں نے پہلی اذان کا حکم دیا تھا اُس وقت عرش پر زبردست حرکت ہوئی تھی اور عرش کے نیچے سے ندا کرنے والے نے پکارا تھا"۔

"مقربین میں سے اخیار لوگوں کو چاہیے کہ وہ اُٹھ کھڑے ہوں"۔

جس وقت میں نے دوسری اذان کا حکم دیا تھا اُس وقت عرش پر پہلے سے ذرا کم حرکت ہوئی تھی اور منادی نے پکار کر کہا تھا کہ "اولیاء ابرار اٹھ کھڑے ہوں" اور جس وقت میں نے تیسری اذان کا حکم دیا تھا تو اُس وقت عرش سے پہلی دو حرکتوں کی نسبت کم حرکت ہوئی تھی اور عرش کے نیچے سے آواز آئی تھی۔مغفرت طلب کرنے والے اُٹھ کھڑے ہوں۔میں نے اذانوں سے پہلے مرتبے والوں کو آگاہ کیا کہ یہ تمہارے اُٹھنے کا وقت ہے۔پھر دوسرے نمبر والوں کو متنبہ کیا کہ اُٹھو اب تمہارا وقت ہے اور آخیر میں تیسرے نمبر والوں کو ندا دی کہ اُٹھو تمہارا وقت ہے"۔

6۔ **حضرت نظام الدین اولیاؒ** کی مجلس واعظ آراستہ تھی آپؒ الہام اور 'خبر' کے موضوع پر واعظ فرما رہے تھے۔جب واعظ ختم ہوا تو ایک مرید نے اپنی نشست پر کھڑے ہو کر عرض کیا۔بہاؤالدین خالدؒ کہا کرتے تھے کہ وہ حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں گئے۔انہیں شیخ کے دیدار کا بہت شوق تھا۔اُس وقت بابا فرید اجودھن کی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے۔بہاؤالدین خالدؒ نے آگے جانے کی کوشش کی لیکن لوگوں نے انہیں راستہ نہ دیا مجبوراً وہ محراب کے سامنے بیٹھ گئے۔محراب میں ایک شگاف تھا۔اچانک بہاؤالدین خالدؒ کی نظر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پڑی، کاغذ پر تحریر تھا۔"خالد کو فرید کی طرف سے سلام پہنچے"۔

یہ واقعہ سُن کر دوسرے مُرید نے کہا، حضرت یہ کاغذ کوئی لکھتا ہے یا بارگاہِ الٰہی سے آتا ہے؟ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے کہا، ہاں ایک فرشتہ ہے جب وہ نقش دل پر لکھتا ہے تو الہام ہو جاتا ہے۔مُرید نے کہا کہ کیا یہ کاغذ بھی وہ ہی تحریر کرتا ہے؟ اس پر حضرت نظام الدین اولیا مسکرائے اور فرمایا' کہ اُس کے تین کام ہیں

(1) ایک یہ کہ دل میں کسی بات کا خیال لاتا ہے۔ (2) دوسرے یہ کہ ہاتف غیب سے آواز دیتا ہے۔ (3) تیسرہ یہ کہ کاغذ پر لکھ کر ظاہر کرتا ہے۔

اولیاء صرف نقش کو دیکھتے ہیں نقاش کو نہیں۔مگر انبیاء کرام نقش کو بھی دیکھتے ہیں اور نقاش کو بھی۔جس وقت نقش ظاہر ہو اور دل میں نُور پیدا ہو تو وہ رحمانی ہے۔جسے فرشتے نے تحریر کیا ہے۔اور اگر دل میں تاریکی پیدا ہو تو یہ شیطانی ہے۔کیونکہ شیطان بھی دل میں القاء کرتا ہے۔

7۔ کسی بہت کمزور بدو کو طواف کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا:

" کیا تو اللہ کا محبوب ہے"؟ اُس نے اثبات سے سر ہلا دیا۔

پھر پوچھا، "وہ محبوب تجھ سے قریب ہے یا دُور"؟ اُس نے جواب دیا "قریب ہے"۔پھر سوال کیا وہ تجھ سے موافقت کرتا ہے یا ناموافقت؟ اُس نے جواب دیا "موافقت کرتا ہے" حضرت ذوالنون مصریؒ نے کہا "جب تو خُدا کا محبوب بھی ہے۔وہ تیرے قریب بھی ہے۔وہ تجھ سے موافقت بھی کرتا ہے۔تو اس قدر کمزور کیوں ہے"؟ اُس نے جواب دیا "دُور رہنے والوں کے عذاب کی نسبت سے وہ لوگ زیادہ حیران اور سرگرداں رہتے ہیں، جنہیں قُرب نصیب ہوتا ہے"۔

8۔ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے پاس محمود غزنوی گیا اور کہا، حضرت! حضرت بایزید بسطامیؒ کی کوئی بات سُنائیے۔فرمایا اُن کا کہنا تھا۔"جو مجھے دیکھ لے جہنمی نہیں ہو سکتا"۔محمود غزنوی نے کہا، حضور کیا وہ سرکار نامدار حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے بھی بڑھ کر تھے۔کیونکہ ابولہب نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا لیکن پھر بھی جہنمی رہا۔اس پر حضرت ابوالحسن خرقانیؒ جلال میں آ گئے اور فرمایا محمود خاموش۔۔۔ہوش کر۔۔۔ابولہب نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو بھتیجے کی حیثیت سے دیکھا تھا۔نبی کی حیثیت سے نہیں۔نبی خاتم النبیین ﷺ کی حیثیت سے دیکھا ہوتا تو شقی القلب نہ رہتا۔محمود غزنوی خاموش ہو گیا پھر جب جانے لگا تو حضرت نے محمود غزنوی

کو اپنا خرقہ دیا۔اور دروازے تک چھوڑنے کے لیے آئے ،فرمایا کہ جب تو آیا تھا تو تیرے اندر شاہی غرور تھا۔اس لیے میں نے تجھ پر کچھ توجہ نہ دی تھی۔اب تُو جا رہا ہے۔تو تیرے اندر عجز پیدا ہو گیا ہے۔اس لیے میں نے یہ سلوک تیرے ساتھ کیا ہے۔سومنات کی جنگ میں جب محمود غزنوی کو شکست ہو رہی تھی تو خرقہ ابوالحسن کا پہن کر دعا کی ، جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور فتح نصیب ہوگئی۔

9۔ ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ کسی جگہ سے گزر رہے تھے۔راستے میں ایک کُتا گزر رہا تھا۔حضرت نے اپنے کپڑے اُس سے بچائے۔کُتے نے آپؒ کی طرف دیکھا اور کہا "اے بایزید یہ تو نے اپنے کپڑے مجھ سے کیوں سمیٹے ہیں کیونکہ میں تو گیلا نہیں تھا۔اور اگر میں گیلا ہوتا تو تُو اپنے کپڑے پاک کر سکتا تھا۔لیکن یہ جس تکبر کا مظاہرہ تو نے کیا ہے سات سمندر کا پانی بھی اُسے نہیں دھو سکتا"۔آپؒ نے فرمایا" تو ٹھیک کہتا ہے،اصل میں تیرا ظاہر نجس ہے اور میرا باطن۔چل کچھ عرصے دونوں ساتھ رہتے ہیں تا کہ میں تجھ سے کچھ سیکھ لوں"۔اُس کتے نے جواب دیا" میں تمہارے ساتھ کیسے رہ سکتا ہوں؟۔میں تو اپنے لیے ایک وقت کی روٹی بھی بچا کر نہیں رکھتا۔اور تمہارے پاس تو ایک سال کا غلہ جمع ہے۔یہ کہ کر کتا چلتا بنا۔حضرت بایزید بسطامیؒ نے کہا'' تف ہے بایزید تجھ پر تجھ کو ایک کتا تو اپنے ساتھ رکھنے کو تیار نہیں ہے اور تو قُربِ الٰہی تلاش کرتا پھرتا ہے''۔

10۔ ایک مرتبہ بایزید بسطامیؒ اپنے ارادت مندوں کے ساتھ کہیں سے گزر رہے تھے راستے میں ایک کتا گزر رہا تھا۔گلی تنگ تھی،حضرت بایزیدؒ نے فوراً راستہ چھوڑ دیا اور ایک طرف کھڑے ہو گئے،کتا گزر گیا ارادت مندوں میں سے ایک نے سوال کیا،حضرت آپ نے تو اتنے احترام سے اِس کتے کا راستہ چھوڑا ہے جیسے یہ ہم سے اشرف ہے،حالانکہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے؟ حضرت بایزید بسطامیؒ نے جواب دیا،"اُس کتے نے میری طرف دیکھا تو کہا (مجھ سے سوال کیا)''اے بایزید یہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے تجھے سلطان العارفین اور مجھے کتا کیوں لکھ دیا؟ اُس وقت تیرا کیا کمال تھا؟ اور میرا کیا قصور تھا؟ چنانچہ اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں مجھ پر کتنا بڑا کرم کیا ہے میں نے کتے کا راستہ چھوڑ دیا"۔

11۔ فقیر کسی سے حاجت طلب نہیں کرتا:- ایک فقیر (درویش) آبادی سے دور جنگل میں چلا گیا۔گوشہ نشینی اختیار کی اور عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ایک دن وہ عبادت میں مصروف تھا کہ ایک بادشاہ کا گزر اُس کے پاس سے ہوا۔بادشاہ اور وزیر گھوڑوں پر سوار تھے۔یہ پاس سے گزرے اور درویش نے بالکل توجہ نہ دی وہ اپنی عبادت ہی میں مصروف رہا۔بادشاہ نے جب درویش کی یہ لا پرواہی دیکھی تو وزیر سے کہا" یہ گدڑی پوش جانوروں کی طرح ہوتے ہیں۔ان کے پاس نہ عقل ہوتی ہے نہ انسانیت"۔ وزیر درویش کے پاس آیا اور کہا" مردِ خدا اس ملک کا بادشاہ تیرے پاس سے گزرا اور تو نے کوئی توجہ نہ کی۔تجھے چاہیے تھا کہ تو آدابِ شاہی بجالاتا"۔درویش نے کہا" جاؤ اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ خدمت اور آداب بجالانے کی توقع اُن سے کرے جسے اُس سے کوئی لالچ ہو۔اور ہاں اپنے بادشاہ کو یہ بھی بتا دے کہ بادشاہ رعایا کی نگہبانی کے لیئے ہوتا ہے۔نہ کہ رعایا بادشاہ کی نگہبانی کے لیئے۔بھیڑ چرواہے کے لیئے نہیں بلکہ چرواہا ریوڑ کے لیئے ہوتا ہے۔اِس دنیا کی زندگی تھوڑے ہی دنوں کی ہے۔تو دیکھ لے گا کہ ظالم کے سر کے مغز کو مٹی کھا گئی ہے۔اِس مغز کو آج استعمال کر لے۔کل بادشاہی اور غلامی کا فرق مٹ جائے گا۔اگر کوئی قبر کو کھود کر دیکھے تو بکھرے ہوئے اعضاء اور مٹی کے علاوہ کچھ نہ پائے گا۔وہاں تُو امیری اور غریبی،بادشاہی اور غلامی میں کوئی فرق نہیں پائے گا''۔ بادشاہ یہ تمام باتیں سن رہا تھا۔اس کو یہ گفتگو بھلی لگی۔وہ فقیر کے قریب آیا اور کہا:"اے درویش مجھ سے کچھ مانگ"۔فقیر نے کہا" میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ آپ دوبارہ میرے پاس آ کر مجھے تکلیف نہ دیں"۔بادشاہ نے نہایت ہی عاجزی سے کہا" مجھے نصیحت کریں"؟ فقیر نے کہا کہ "اے بادشاہ! ابھی تیرے ہاتھ میں اللہ کی نعمتیں ہیں۔ان سے فائدہ اٹھا لے کہ یہ دولت اور عزت ہاتھوں ہاتھ چلتی رہتی ہے اور یاد رکھ درویشی دنیا،ہوس اور شہوت چھوڑنے کا نام ہے۔یہ گدڑی پہننے کا نام نہیں ہے۔بلکہ یہ دل کے میل کو صاف کرنے کا نام ہے"۔

12۔ فقیر ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے:- ملک مصر کا وزیر اپنے وقت کے فقیر حضرت ذوالنون مصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور عرض کی" میرے لیئے دعا کریں کیونکہ میں بادشاہ سلامت کی خدمت میں دن رات رہتا ہوں۔ان سے بھلائی کی اُمید رکھتا ہوں مگر اس کے غصّے سے ہر وقت خوف زدہ رہتا ہوں"۔یہ سن کر آپ رو پڑے اور فرمایا" اگر میں اللہ سے ایسا ڈروں جیسا تو بادشاہ سلامت سے ڈرتا ہے تو میرا شمار صدیقوں میں سے ہو"۔

13۔ فقر اور یادِ الٰہی:- ایک بادشاہ نے درویش کو دیکھا تو اس سے کہا" تمہیں کبھی ہماری بھی یاد آتی ہے"؟ درویش نے جواب دیا"ہاں،اس وقت جب میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہوں۔اے بادشاہ اللہ کی تائید جسے حاصل ہو جائے وہ دنیاداروں کو یاد نہیں کرتا"۔پھر کہا" اے بادشاہ! ایک مرتبہ ایک نیک اور پارسا آدمی نے ایک خواب دیکھا کہ اس کے ملک کا بادشاہ جنت میں ہے۔اور ایک درویش دوزخ میں ہے"۔اُس پر اس نے سوال کیا" اے درویش! اس کا کیا سبب ہے"؟۔غیب سے

صدا آئی!" بادشاہ تو فقیروں کی عقیدت کی وجہ سے جنت میں چلا گیا۔ اور درویش بادشاہوں کے تقرب کی وجہ سے جہنم میں ہے"۔

14۔ فقیر کون اور امیر کون؟ ایک بادشاہ فقیروں کے طبقے کو (درویشوں کو) نفرت اور حقارت سے دیکھتا تھا۔ ایک درویش بادشاہ کی اس حرکت کو بھانپ گیا اور اس نے بادشاہ سے کہا" جہاں پناہ ہم دنیا کے عیش میں آپ سے بڑھ کر ہیں اور لشکر اور فوج میں آپ سے کمتر ہیں۔ اور مرنے میں برابر ہیں۔ اور انشاءاللہ بروزِ قیامت ہم آپ سے بہتر ہوں گے۔ یاد رکھیں کہ اِس جہان فانی سے جاتے ہوئے دنیا کی چیزوں میں سے ہم دونوں کفن سے زیادہ کچھ نہ لے کر جائیں گے۔ تجھے اس بادشاہی سے کفن میں آنا پڑے گا۔ اور ہمیں گدڑی سے کفن میں۔ پھر تیری اس بادشاہی سے تو فقیری اچھی! کیونکہ اس وقت فقیر کے ساتھ زندہ دل اور مرا ہوا نفس ہوگا۔ اور آپ کے پاس زندہ نفس اور مردہ دل، اب بتایئے کہ ہم دونوں میں سے کون اچھا ہے؟ کون فقیر ہے اور کون امیر"؟

15۔ فقیر کی بصیرت: دمشق کی جامع مسجد کے اندر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا روضہ انور ہے۔ ایک درویش ان کی قبر کے سرہانے اعتکاف میں بیٹھا تھا کہ عرب کا ایک بادشاہ وہاں آیا۔ وہ بادشاہ اپنی بے انصافی اور ظلم کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس نے مسجد میں نماز پڑھی۔ بعد ازاں وہ اس درویش کے پاس آیا اور کہا" آپ درویش ہیں؟ درویش اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہوتے ہیں۔ آپ میری طرف توجہ فرمائیں میں اپنے ایک زبردست دشمن کی وجہ سے بے حد پریشان ہوں"- درویش نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور کہا" اے بادشاہ! جو گرے ہوئے پر رحم نہیں کھاتا اگر وہ گر جائے تو دوسرے اس پر رحم نہیں کرتے۔ اور جو بدی کا بیج بوتا ہے اسے دوسروں سے نیکی کی اُمید نہیں کرنی چاہیے۔ آج اگر تم دوسروں سے انصاف نہیں کرتے تو کل بروزِ قیامت انصاف کرنے والے اللہ سے کوئی امید نہ رکھنا، اگر تم دوسروں کے غم اور تکلیف سے بے غم ہو تو تم اس قابل نہیں کہ تمہیں آدم زاد کہا جائے"- بادشاہ نے یہ باتیں سن کر گردن جھکا لی اور خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔

اب تھوڑا سا حال کچھ عابد و زاہد عورتوں کا ہو جائے۔

1- حضرت حبیبہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہ:- حضرت حبیبہ عدویہ کا معمول تھا کہ عشا پڑھ چکتیں تو اپنی چھت پر کھڑی ہو جاتیں اور کہتیں" الٰہی ستارے چھٹک پڑے اور آنکھیں سو گئیں، بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لیے، ہر ایک حبیب اپنے حبیب کے ساتھ تنہا ہوا اور میں تیرے سامنے کھڑی ہوں"۔ پھر نوافل پڑھتیں رہتیں یہاں تک کہ فجر ہو جاتی، فجر کے بعد کہتیں" الٰہی رات نے منہ موڑ لیا اور دن روشن ہو گیا، مجھے معلوم نہیں کہ میری یہ رات قبول کی گئی ہے کہ اپنے آپ کو مبارک باد دوں یا نا منظور کی ہے اور اپنے آپ سے تعزیت کروں، قسم ہے تیری عزت کی جب تک تو مجھ کو باقی رکھے گا، اپنا طریقہ یہی رکھوں گی اور اگر تو اپنے دروازے سے مجھ کو جھڑک دے گا تو میں ہرگز نہ ٹلوں گی۔ اس لیے کہ تیرے کرم اور جود کے سوا کچھ نہیں"۔

2- حضرت شعوانہؒ:- یحییٰ بن بسطامؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت شعوانہؒ کی مجلس میں حاضر ہوتا اور ان کی فریاد اور زاری کو دیکھتا، ایک بار میں نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر مشورہ کیا کہ جب آپ تنہا ہوں تو آپ کو کم رونے کا مشورہ دیں، وہ ہماری بات سن کر رونے لگیں، پھر کہا کہ "میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اتنا روؤں کہ میرے بدن میں ایک آنسو کے برابر پانی نہ رہے، پھر خون کے آنسو رویا کروں یہاں تک کہ جسم کے کسی عضو میں ایک قطرہ خون باقی نہ رہے، مگر مجھے رونا کہاں آتا ہے؟، میں کب روتی ہوں ؟، اسی جملہ کو کہتی رہیں کہ میں کب روتی ہوں"؟ اور بیہوش ہو گئیں۔ محمد بن معاذؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک عابدہ عورت نے بیان کیا کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں داخل ہو گئی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ تمام اہل جنت اپنے اپنے دروازوں پر کھڑے ہیں میں نے پوچھا، جنت والے کیوں کھڑے ہیں مجھ سے کسی نے کہا کہ ایک عورت کے انتظار میں کھڑے ہیں جس کے لیے کئی جنتیں آراستہ کی گئیں ہیں، میں نے پوچھا کہ وہ کونسی عورت ہے، مجھے کسی نے بتایا کہ وہ شعوانہ ہے، میں نے کہا کہ وہ تو میری بہن ہے، اسی گفتگو میں تھی کہ اتنے میں وہ اونٹنی پر سوار ہو کر اڑتی ہوئی آن پہنچی، جب میں نے ان کو دیکھا تو کہا تم تو مجھ سے محبت کیا کرتی ہو، اپنے رب سے دعا کرو کہ مجھ کو بھی تمہارے ساتھ ملا دے"۔ انہوں نے تبسم کیا اور فرمایا کہ "ابھی تیرے آنے کا وقت نہیں ہے مگر میری دو باتیں یاد کر لے-- اپنے دل پر مدام غم رکھنا، اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی ہوائے نفس پر مقدم رکھنا، پھر انشاءاللہ جب بھی تجھے موت آئے، تجھ کو نقصان نہ ہوگا"۔

حضرت شعوانہؒ اپنی دعاؤں میں یوں کہا کرتیں، الٰہی مجھے تیرے ملنے کا بہت شوق ہے اور تیرے بدلہ دینے کی بڑی توقع۔ الٰہی اگر میرے کسی بھی عمل نے مجھ کو تجھ سے قریب نہ کیا ہو تو گناہوں کا اقرار کر کے معافی مانگتی ہوں۔ پس اگر تو معاف فرما دے تو تجھ سے بہتر کون ہے جو ایسا کرے گا اور اگر تو عذاب دے گا تو تجھ سے عادل کوئی نہیں، الٰہی تو میری زندگی بھر مجھ پر احسان کرتا رہا، اب احسان کو موت کے بعد مجھ سے قطع نہ فرمانا اور جو ایام حیات میں مجھ پر احسان کرتا رہا ہے مجھے توقع ہے کہ میرے مرنے کے بعد بھی مجھ پر بخشش کرے گا۔ الٰہی اگر میرے گناہوں نے مجھ کو ڈرایا ہے تو جو محبت مجھ کو تجھ سے ہے اس نے اطمینان دلایا ہے، پس میرے معاملے کو

اپنی شان کے مطابق بھگتانا۔الٰہی اگر تجھ کو میری رسوائی منظور ہوتی تو تو مجھ کو ہدایت نہ فرماتا اور مجھے نصیحت مقصود ہوتی تو پردہ پوشی کیوں کرتا۔الٰہی مجھے گمان نہیں کہ جس مطلب میں، میں نے اپنی عمر کاٹی ہے اس کو تو نامنظور فرما کر مجھے ہٹا دے،الٰہی اگر میں نے گناہ نہ کیا ہوتا تو پھر تیرے عذاب سے کیوں ڈرتی اور اگر تیرا کرم نہ پہچانتی تو تیرے ثواب کی توقع کیوں رکھتی"؟۔

3-ایک عورت:-حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ "ایک رات میں وادی کنعان سے نکلا تو ایک کالی چیز اپنے طرف کو آتی معلوم ہوئی،قریب آنے پر معلوم ہوا کہ ایک عورت ہے،صوف کا جبہ پہنے ہوئے ہے اور ہاتھ میں ڈولچی لیے ہوئے ہے اس نے کہا کہ "تُو کون ہے؟ جو خدا تعالیٰ سے فارغ ہو کر اوروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے"، میں نے کہا کہ "ایک مرد مسافر ہوں"،اس نے کہا کہ "تعجب ہے خدا تعالیٰ کے ہوتے ہوئے غربت اور سفر کے کیا معنیٰ"؟اس کے اس کہنے سے میں رو پڑا۔اس نے کہا" تو کیوں رویا" میں نے کہا کہ "دوا ایسے درد پر پڑی کہ زخم ہو گیا تھا اور دوا سے اچھا ہونے لگا"۔اس نے کہا" تو سچا ہے تو کیوں روتا ہے"؟، میں نے کہا کہ "سچے کیا رویا نہیں کرتے"؟۔اس نے کہا" نہیں"، میں نے پوچھا" کیوں"،اس نے جواب دیا" رونا دل کی راحت ہوتا ہے"، میں اس بات کو سن کر تعجب کرتا رہ گیا اور کچھ نہ کہا۔

4- حضرت غفیرہؒ:-احمد بن علیؒ کہتے ہیں کہ ہم نے غفیرہؒ کے پاس جانے کی اجازت چاہی،انہوں نے ہم کو اجازت نہ دی۔ہم دروازے پر ہی پڑے رہے اور کہیں نہ ہلے، جب ان کو معلوم ہوا تو دروازہ کھولنے کو کھڑی ہوئیں اور یہ کہہ کر دروازہ کھولا''الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں اس شخص سے جو مجھ کو تیرے ذکر سے روکے''،ہم اندر آ گئے اور ان سے کہا کہ ہمارے لیے دعا کریں انہوں نے فرمایا کہ''اللہ تعالیٰ تیری ضیافت میرے گھر میں یوں کرے کہ تمہاری مغفرت فرما دے''۔

5-حضرت رابعہ بصریؒ:-حضرت ابوسلمان درانیؒ فرماتے ہیں کہ "میں ایک رات حضرت رابعہؒ کے ہاں رہا وہ اپنی محراب میں کھڑی رہیں اور میں مکان کے ایک گوشے میں، جب صبح ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ "جس ہستی نے ہمیں رات کے قیام کی قوت عطا فرمائی،اس کی اس عنایت کا شکر یہ کیا ہے"؟،حضرت رابعہؒ نے فرمایا کہ "اس کا شکریہ یہ ہے کہ دن کو تو اس کے واسطے روزہ رکھے"۔

پس کسی کو اگر اپنے نفس کی نگہداشت اور حفاظت منظور ہے تو ان مردوں اور عورتوں کا حال دیکھے،جنہوں نے مجاہدہ کیا تا کہ تم کو بھی کچھ سرور ابھرے اور حرص مجاہدہ زیادہ ہو،اگر نفس باز نہ آئے تو تم بھی اس کو ملامت کرنے اور جھڑکنے سے باز نہ آؤ اور اس کو بتاتے رہو کہ یہ نافرمانی تیرے حق میں بری ہے،پس کیا عجب ہے کہ وہ ان باتوں کے باعث اپنی سرکشی سے باز رہے۔

راہ فقر میں سب سے بڑا اصول محبت ہے۔پھر آداب گفتگو پھر عاجزی اور انکساری----اِس راہ میں منزل کیسے طے ہوتی ہے؟مختصر ترین الفاظ میں یہ ہے کہ کسی اللہ کے دوست نے دیکھ لیا تو ابتدا ہو گئی اور دل میں رکھ لیا تو انتہا ہو گئی۔اَب دیکھنے سے دل میں رکھنے کا یہ فاصلہ خواہ ایک آن واحد میں طے ہو جائے یا زندگی بھر طے نہ ہو۔

جو اولیاءاللہ سے محبت کرتا ہے۔اُن کی صحبت اختیار کرتا ہے۔جو صحبت میں رہتا ہے۔نظر میں رہتا ہے۔جو نظر میں رہتا ہے۔خیال میں رہتا ہے۔جو خیال میں رہتا ہے تو اولیاءاللہ کا خیال تو ناسوت سے لاہوت تک سفر کرتا ہے۔اِس لیئے اہل دل کی محبت ناسوتی ہے جو زبان پر بولتی ہے۔اولیاءاللہ کی محبت اللہ کی محبت ہے جو دلوں میں گھس کر بولتی ہے۔جِس محبت میں سلیقہ اور ضبط نہیں وہ جنون ہے۔جِس محبت میں سلیقہ اور ضبط ہے وہ منزل ہے۔

جو بقا کا متلاشی ہو اور "فنا" (دنیا) کی طرف رجوع بھی رہے تو راہ فقر میں اُسے منافق کہتے ہیں۔راہ فقر میں اپنی باگ دوڑ شیخ کے ہاتھ میں دینی پڑتی ہے۔خود سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔اِس کے ساتھ ساتھ صبر و شکر کا توشہ بھی ساتھ لینا ہوتا ہے تب کہیں جا کر منزل طے ہوتی ہے۔

****

ایک صوفی کے ذکر کرنے کا طریقہ

ایک صوفی کے ذکر کرنے کا طریقہ اور ایک عام آدمی کے ذکر کرنے کے طریقے میں فرق ہوتا ہے۔اس لئے عام آدمی ذکر سے وہ فائدہ نہیں اٹھاتا جو ایک صوفی حاصل کرتا ہے۔ذکر میں ہر اسم داخل ہے۔اللہ تعالی کا ایک ذاتی نام اور 99 صفاتی نام ہیں۔اس کے علاوہ ہر حرف قرآنی نورانی ہے۔یہ حروف نورانی بڑی تاثیر رکھتے ہیں بشرطیکہ ہم ان کو صحیح طریقے سے پڑھیں۔

روحانیت میں ذکر کس طرح کیا جاتا ہے:- ذکر اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔اللہ تعالی تک پہنچنے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔ذکر میں ہر اسم شامل ہے چاہے وہ درود شریف ہو، لا الہ الا اللہ یا آیت الکرسی کا ورد ہو۔بہت سے لوگ اللہ تک پہنچنے کے لیے درود شریف پڑھتے ہیں۔

ہم یہاں پر صرف درود شریف ہی کی مثال لیتے ہیں۔انسان کے درجات اللہ تعالی کے ہاں الگ الگ ہیں۔اسی طرح سے انسان جو ذکر کرتا ہے اور ذکر کا درجہ بھی ہر انسان کا ایک جیسا نہیں ہے۔اگر دو بندے ذکر کر رہے ہیں اور دونوں اپنی اپنی زبان سے دور شریف پڑھ رہے ہیں لیکن دونوں بندوں کی زبان سے نکلے ہوئے درود پاک کا اثر الگ الگ ہوگا۔یہ اس لیے کہ بندوں کے اخلاص الگ الگ ہوتے ہیں۔اسی نسبت سے (یعنی اسی طرح) بندوں کے درجات بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔تو جو یہ ذکر کرنے کے درجات ہیں یہیں سے انسان الگ الگ ہوجاتے ہیں۔

ذکر ہی سے انسان ترقی کرتا ہے۔۔۔ذکر کرنے کے درجات ہیں اور پھر ذکر کرتے کرتے ایک درجہ ایسا آتا ہے کہ ذکر جسم کے اندر اور جسم ذکر کے اندر پیوست ہوجاتا ہے۔اس طرح ہر اسم یا درود پاک اپنی پوری طاقت کے ساتھ ہمارے جسم میں پیوست ہوجاتا ہے۔ہماری روح میں اتر جاتا ہے۔

ذکر اس وقت تک اثر نہیں کرتا جب تک وہ کسی وجود میں جگہ نہیں بناتا۔ہر اسم، ہر ذکر ہر انسان کو سوٹ نہیں کرتا۔یہ ذکر انسان کی ذات کو اگر سوٹ کرے تو بات بن جاتی ہے یعنی کسی کی ذات کو لا الہ الا اللہ سوٹ کرتا ہے۔۔۔کسی کو درود شریف۔۔۔کسی کو تلاوت قرآن پاک۔۔۔کسی کو استغفر اللہ۔۔۔کسی کو آیت الکرسی۔۔۔**یہ انسان کی روح کے پسندیدہ اسم ہوتے ہیں** جو اس کو سوٹ کرتے ہیں۔**تو اسم جسم اور جسم اسم کے اندر پیوست ہونا ضروری ہوتا ہے۔** جب اسم جسم کے اندر پیوست ہوتا ہے تو اپنی تاثیر ضرور دکھاتا ہے اور وہ یہ کہ انسان کو اللہ تعالی کی ذات سے ملا دیتا ہے۔انسان دنیا کی ہر چیز سے منہ موڑ لیتا ہے۔ ہر اسم کے اندر انسان کو اللہ تعالی کی ذات سے ملا دینے کی طاقت موجود ہوتی ہے۔

ہمارا ذکر ہمیں اللہ تعالی سے کیوں نہیں ملاتا؟؟

اس لئے کہ ہم ذکر شروع کر کے اس کے پہلے اور ادنٰی ترین درجے سے ہی پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔اس سے آگے اس کو جانے ہی نہیں دیتے۔اس کا ادنٰی درجہ کیا ہے کہ ہم زبان کی نوک پر اسم کو، کوئی بھی اسم مثلاً درود شریف کو رکھ لیتے ہیں، رکھ لیا اور اس کو پہاڑے کی طرح پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔۔۔ایک طوطے کی طرح رٹنا شروع کر دیا۔۔۔تسبیح پر تسبیح گھمانی شروع کر دی۔اس کا اثر ہمارے وجود پر ہوتا ہی نہیں ہے۔بس زبان کی حد تک محدود رہتا ہے۔ہمارے قلب کو خبر ہی نہیں ہوتی۔۔۔دل بالکل اس کی لذت سے خالی ہوتا ہے۔۔۔ہمارے دماغ میں اس کی کوئی برقی رو پیوست ہی نہیں ہوتی۔۔۔ہماری آنکھوں کے اندر کبھی اس کا نور پڑا ہی نہیں ہے۔۔۔ہمارے کانوں میں کبھی اس کی سماعت آئی ہی نہیں ہے یعنی بالکل اثر نہیں ہو رہا۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ ہماری روح اس سے واقف ہی نہیں ہوئی۔نہ اس نے کبھی feel کیا۔نہ کبھی اس کو اپنی ذات کے اندر اترنے دیا۔نہ ہمارے دل کے اندر، نہ ہمارے جسم کے اندر، نہ ہماری آنتوں کے اندر سے اس درود پاک کی کوئی آواز آتی ہے۔نہ ہم نے اس کی تاثیر کو کبھی محسوس کیا۔یہ بالکل ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے (انسان کا وجود) ایک بہت بڑا پہاڑ ہے۔(انسان کا وجود) اس کے پہاڑ کے ایک کونے پر ہم اپنے درود پاک کے ذرے کو رکھ دیں۔باقی پورے کا پورا پہاڑ یعنی پورا وجود ہمارے درود پاک کی موجودگی سے لاعلم ہے۔کسی کو کچھ خبر نہ ہو-صرف زبان کی نوک کے ایک کونے پر رکھا درود پاک چل رہا ہے---لیکن پھر بھی یہ ذکر ہے۔یہ انسان کے **ذکر کا ادنٰی ترین اور پہلا درجہ ہے۔** فقہ کے حساب سے یہ ذکر ہو گیا، اس کا ثواب مل جائے گا۔لیکن اس درجے پر آکر جو لوگ اس بات کو سوچنے لگتے ہیں کہ ہمارے درود پاک پڑھنے میں کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔وہ جان لیں کہ درود پاک نے ابھی اپنا اثر دکھایا ہی نہیں ہے۔کیونکہ درود شریف کو ہم نے ابھی اپنی زبان سے نیچے اترنے ہی نہیں دیا ہے۔جب یہ زبان سے نیچے جائے گا تو کچھ اثر کرے گا یعنی روح تک پہنچے گا تو کچھ اثر دکھائے گا۔

یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیے کہ ہم نے اللہ تعالی سے کچھ لینے کی کوشش کی، اللہ تعالی کی ذات کو راضی کرنے کی خواہش کی درود پاک کے ذریعے اور روحانیت کا ایک دروازہ کھولا، لیکن اس کے ساتھ ہی اس دروازے کو بند کر دیا۔ اگر دروازہ کھولا ہے تو توجہ اللہ کی طرف ہو۔۔۔ اللہ کی ذات کو محسوس کریں۔۔۔ آنسو بہائیں۔ اُس کے ساتھ باتیں کریں۔۔۔ نمازیں پڑھیں۔۔۔ ذکر کرتے ہوئے دھیان اللہ کی طرف لگائیں۔

یہ روحانیت کا سفر ہے---اگر ہم اس روحانیت کے دروازے کو کھولتے ہی بند کر دیں اور پھر گلہ کریں کہ اللہ تعالی نے مجھے تو کچھ عطا ہی نہیں کیا۔ پہلے درجے پر ہی دروازہ بند کر دیا جائے تو اس میں غلطی خدانخواستہ نہ اللہ تعالی کی ذات کی ہے، نہ غلطی ذکر کی۔۔۔ بلکہ ہماری ذات کی غلطی ہے۔ ہماری ذات کے اندر بہت سی خامیاں موجود ہیں جس میں سے سب سے بڑی یہ ہے کہ ہم نے ذکر کو صرف اپنی زبان کی نوک پر سجا کر رکھا ہوا ہے، دل و دماغ پر اس کا کوئی اثر نہیں۔۔۔۔ **یہ ہے ذکر کا پہلا درجہ۔**

اس کے بعد اس کا دوسرا درجہ ہے۔ دوسرے درجے پر کیا ہوتا ہے؟ کوئی بھی اسم لیں۔ اس اسم سے انسان کی روح واقف ہے۔ چاہے درود شریف ہے۔۔۔ کلمہ شریف ہے۔۔۔ تلاوت قرآن پاک ہے۔۔۔ کوئی بھی اسم چاہے الٓمٓ ہے۔ اس اسم سے ہماری روح واقف ہے۔ آیت الکرسی کا ہر حرف نورانی ہوتا ہے اور نور اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ہماری روح بھی اللہ تعالی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ جو ذکر ہمیں پسند آتا ہے وہ دراصل ہماری روح کا پسندیدہ ہوتا ہے۔ ہر بندہ اپنی روح کے پسندیدہ ذکر کو ہی اختیار کرتا ہے۔ یہاں پر یہ ہوتا ہے کہ جب زبان سے ہم بار بار درود پاک کو دہرائیں اور توجہ اللہ پر رکھیں تو ہماری روح اس درود پاک کو اپنانا شروع کر دے گی۔ اس کو ہماری ذات کے اندر اتارنا شروع کر دے گی۔ انسان کے اندر ایک روانگی پیدا ہو جائے گی۔ بغیر تھکے، بغیر مشقت کیے، بغیر سوچے سمجھے انسان لاشعوری طور پر درود پاک پڑھتا رہے گا- پھر ایسی کیفیت انسان پر طاری ہو جاتی کہ رات کو سوتے ہوئے انسان پڑھتے پڑھتے ذکر کرتے کرتے سوجاتا ہے اور جب اٹھتا ہے تو ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ یہ ہے کہ دل کے اندر--- **"صدائے یار"** ---اس کے اثر سے حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) سے محبت ہو جائے گی۔ اتباع رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی تمنا جاگ اٹھے گی۔ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی جالیوں سے لپٹ جانے کو دل چاہے گا۔ کیونکہ اس درجے پر جا کر درود پاک اپنی تاثیر چھوڑنا شروع کر دے گا۔ انسان کی ذات اسے محسوس کرے گی۔۔۔ انسان کے دماغ میں چلتے ہوئے گندے خیالات کو درود پاک صاف کرنا شروع کر دے گا اور زندگی میں موجود Negative لوگوں کو اس انسان سے دور کرنا شروع کر دے گا۔ **یہ ہے ذکر کا دوسرا درجہ۔**

پھر ذکر کرنے کا تیسرا درجہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں پر ذکر نفس امارہ کو نفس لوامہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اب درود پاک کو ہماری روح اپنا لیتی ہے--- اس درجے پر پہنچتے ہی ہمارے سارے کام ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ذات بدلنا شروع ہو جاتی ہے اور پھر اس درود پاک کے اثر سے ہماری دعائیں قبول ہونا شروع ہو جاتیں ہیں۔ **یہ ذکر کا تیسرا درجہ ہے۔**

اس کے بعد ذکر درود پاک کا چوتھا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر درود پاک ہمارے جسم کے اندر جڑ بنا لیتا ہے۔ یہ جگہ کیسے بنتی ہے جب ہم درود پاک کو الگ تھلگ بیٹھ کر توجہ کے ساتھ پڑھیں گے--- خاموشی سے پڑھیں گے--- یہ درود پاک ہی ہم سے کہے گا کہ----" تنہائی، اکیلے اور خاموشی میں جا کر پڑھ"۔ پہلے ہر کیفیت میں درود پاک پڑھ لیتے تھے۔ کھانا کھایا ہوا ہے۔۔۔ پیٹ بھرا ہوا ہے۔۔۔ یاد رہے کہ ہر جگہ درود پاک فائدہ نہیں دیتا- اب ہمیں معلوم ہونے لگتا ہے کہ خالی پیٹ پڑھنے سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ ایک خاص وقت میں، خاص جگہ میں، تنہائی میں، توجہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی حالت میں، اس طرح درود پاک ہماری ذات کے اندر جگہ بناتا ہے اور جب جسم میں جگہ بن جاتی ہے تو اسم جسم اور جسم اسم کے اندر پیوست ہو جاتا ہے۔ اس درجے پر جا کر انسان جو دعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ اب ذکر درود پاک نے ہمارے وجود کو بنا ہی ایسا دیا ہے کہ ہمارے لیے یہ ذکر لازمی ہو گیا ہے۔ اب ہم درود پاک کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، اور درود پاک ہمارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اب دونوں ایک دوسرے کے اندر پیوست ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہمیں مانگنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ بس جیسا بندہ گمان کرتا ہے ویسا ہی اللہ کی ذات عطا کر دیتی ہے۔ **اور یہ ذکر درود پاک کا چوتھا درجہ ہے-**

اللہ تعالی کا تعلق اپنے اسم کے ساتھ ہے اور اسم کا تعلق ہماری ذات اور روح کے ساتھ ہے۔ اس طرح ہر اسم کے درجات ہیں۔ بات تب بنتی ہے جب اسم ہماری روح کے اندر اتر جاتا ہے۔ روح کے اندر اتر گیا تو پھر یہ ذکر اللہ کے ساتھ جڑ گیا۔ جسم اور اسم ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تو کام بن گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خانقاہی نظام

خانقاہیں رشد و ہدایت کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ یہاں شیخ یا پیر کی صحبت میں رہ کر مریدین تربیت پاتے ہیں۔لیکن فی زمانہ خانقاہی نظام بالکل بے اثر ہوگیا ہے۔ یہ اس لیے غیر موثر ہوگیا ہے کہ اس کو چلانے والے چلے گئے۔ ہمارے ہاں خانقاہوں کا تصور اب یہ رہ گیا ہے کہ جیسے افسر کا انتقال ہوجائے تو اُس کی پنشن اُس کے گھر والے لینے لگیں۔ جب یہ نظام پنشن میں تبدیل ہوجائے تو خیر کی توقع کیوں رکھی جاسکتی ہے؟ جنہیں وراثت میں پیری مل جائے انہیں اپنے بزرگوں کا نام کیش کرانے اور خاندان میں سجادہ نشین ہونے والے دعویداروں سے لڑنے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔کم از کم اتباع رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تو ہو۔

آج کل خانقاہوں سے رشد و ہدایت کا سلسلہ اِس لیے بند ہوگیا ہے۔ کہ پیر کے انتقال کے بعد اُس کے بیٹے کی دستار بندی کر دی جاتی ہے۔ نہ علم، نہ نماز، نہ داڑھی نہ تقویٰ نہ شریعت نہ راہ سلوک اور نہ تصوف یا راہ طریقت کی منازل۔

ظاہر ہے ایسا شیخ مریدوں کی تربیت نہیں کرتا بلکہ مرید اُس کی پرورش کرتے ہیں۔ایک دور تھا کہ مرید شیخ کے جتنا قریب ہوتا تھا اتنا ہی شیخ کے اوصاف اُس پر واضح ہوتے جاتے تھے۔یعنی شیخ تہجد گزار ہے، شب بیدار ہے، باعمل اور ریاضت اور مجاہدہ کرتا ہے۔اِس سے اُس مرید کے دل میں اپنے شیخ کے لیے عقیدت اور محبت راسخ ہوتی جاتی تھی۔آج مرید شیخ کے جتنا قریب ہوگا اتنا ہی اُس کے عیب زیادہ کھلتے ہیں۔اور اتنا ہی اس نظام سے اور اپنے شیخ سے متنفر ہوتا چلا جاتا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ جب خانقاہی نظام کھانے اور کمانے کا دھندا بن جائیں تو پھر اصلاح کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ نیک اور مخلص لوگ بھی ہیں۔لیکن بُرے لوگوں کی کثرت نے خانقاہی نظام کو تباہ اور برباد کر کے رکھ دیا ہے۔سیدنا غوث اعظمؒ فرماتے ہیں۔

'پہلے اپنے نفس کو نصیحت کر پھر غیر کو جب تک تجھے خود اصلاح کی حاجت ہو تو غیر کی طرف متوجہ نہ ہو'

افسوس جو خود نابینا ہے وہ دوسروں کو کیا راہ دکھائے گا؟۔ڈوبتے ہوئے کو دریا سے وہی بچا سکتا ہے جو خود اچھا تیرنے والا ہو۔رب تعالیٰ کی طرف بندوں کی رہنمائی وہی کرسکتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہو۔شیخ دوسروں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کی تعلیم دیتا ہے۔اور خود اس کا عملی ثبوت دیتا ہے۔ پہلے مشائخ خدمت کیا کرتے تھے اور اُن کی ضروریات دست غیب سے پوری ہوتی رہتیں تھیں۔ کیونکہ وہ قناعت پسند اور متوکل تھے۔اور اُن کی ضرورتیں محدود تھیں لیکن آج کل قناعت اور توکل نہ ہونے اور مال و دولت جمع کرنے کی ہوس بڑھ گئی ہے۔اِس لیے برکت بھی ختم ہوگئی ہے۔اور سکونِ قلب بھی جاتا رہا ہے۔پھر مریدین کے پاس روحانیت کہاں سے آئے گی؟ یہی وجہ ہے کہ خانقاہی نظام آہستہ آہستہ ختم ہورہا ہے۔

اہل طریقت کا پہلا قدم ایثار ہوتا ہے۔دوسرا محبت، تیسرا مشاہدہ۔ چوتھا فنا اور پانچواں مقام بقا ہے۔خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں ایثار کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ جو ایثار کے مالک ہیں درحقیقت وہی اہل محبت ہیں۔اہل محبت راز داں ہوتے ہیں۔انہیں مشاہدہ غیبی حاصل ہوتا ہے۔وہ حق الیقینی کا مالک ہوتا ہے۔اور وہی مقام "فنا" میں قدم رکھ سکتا ہے۔جس نے "فنا" کی لذت چکھی وہی بقا کا مالک ہوا۔

خانقاہی نظام میں مرشد حضرات کا سب سے بڑا کام مردہ قلوب کو زندہ کر کے حیات ابدی دلانا ہوتا ہے۔جو شخص خود کو مریض سمجھتا ہے۔وہ طبیب کا متلاشی ہوتا ہے۔اور ایسے شخص کو طبیب مل جاتا ہے۔جو خود کو تندرست سمجھتا ہے تو طبیب بھی اُس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔جو خود کو سقراط سمجھے اُس کو کون پڑھائے گا؟ فی زمانہ سارے ہی سقراط بنے بیٹھے ہیں۔ اولیاء اللہ کی صحبتیں چند ماہ کی ہوتی ہیں۔لیکن یہ انسان کو بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ان کی محفل میں توجہ نا سوتی سے باتوں ہی باتوں میں قلب کی صفائی کر دی جاتی ہے۔ ہر شے کا نعم البدل ہے لیکن اولیاء اللہ کی صحبت کا کوئی نعم البدل نہیں اور اِس سے آسان کوئی مجاہدہ نہیں۔ساری عمر کے آرام کے لیئے چند برسوں کی سختی اچھی ہے۔منزل میں دیر کیوں لگتی ہے؟ **منزل کا دارومدار فنا فی الشیخ ہونے پر ہے۔ جو جتنی دیر سے یہ منزل طے کرے گا اتنی ہی دیر سے اپنی مراد کو پہنچے گا۔**

****

قرب خداوندی کیسے حاصل کیا جائے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت اور اپنا عرفان حاصل کرنے کے لئے قوانین اور ضابطے بنائے ہیں۔ جو لوگ ان قوانین اور ضابطوں پر عمل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دوستی حاصل کرنے کے لئے قرآن پاک نے جس پروگرام کا تذکرہ کیا ہے۔ اس میں دو باتیں بہت اہم اور ضروری ہیں۔

1۔ قائم کرو صلوٰۃ اور 2۔ ادا کرو زکواۃ

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: (قائم کرو صلوٰۃ)

''جب تم نماز میں مشغول ہو تو محسوس کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں یا یہ محسوس کرو کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اس ارشاد کی تفصیل کے مطابق یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ نماز میں وظیفہ اعضاء کی حرکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع رہنے کی عادت ہونی چاہیے۔ وظیفہ روح ذہن کی حرکت کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جبکہ اعضاء کا حرکت میں رہنا جسم کا وظیفہ ہے۔ قیام صلوٰۃ کے ذریعے کوئی بندہ اس بات کا عادی ہو سکتا ہے کہ اس کے زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کا عمل جاری و ساری رہے۔ نماز میں حضور قلب کے لئے ضروری ہے سیدنا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کیا جائے۔ جس حد تک حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر کسی اُمتی کا عمل ہوگا اس مناسبت سے نماز میں حضوری نصیب ہو جائے گی۔ قلب میں جلاِ (روشنی) پیدا کرنے کے لئے ان چیزوں سے دوری پیدا کرنی ہوگی جو ہمیں پاکیزگی، صفائی اور نورانیت سے دور کرتی ہیں۔ ہمیں اپنے اندر نافرمانی کے دماغ کو رد کرنا ہوگا۔ اس دماغ سے روشنی حاصل کرنی ہوگی جو جنت کا دماغ ہے۔ یہ دماغ روح کا دماغ ہے''۔

آسان لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب تک کوئی بندہ اپنی روح سے واقفیت حاصل نہیں کرتا۔ اس وقت تک نماز میں حضور قلب نصیب نہیں ہو سکتا۔ ''قانون روح'' سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا کی دلچسپیاں کم کر کے زیادہ سے زیادہ وقت ذہن کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا جائے۔ جب بندے کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر سے مفروضہ حواس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے تو وہ مراقبہ کی کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ **مراقبہ ایسے عمل کا نام ہے جس میں بندہ بیداری کی حالت میں رہ کر بھی اس عالم میں سفر کرنے لگتا ہے۔ جس کو ہم روحانی دنیا کہتے ہیں۔ روحانی دنیا میں داخل ہونے کے بعد بندہ اس خصوصی تعلق سے واقف ہو جاتا ہے۔ جو اللہ اور بندے کے درمیان بحیثیت خالق اور مخلوق ہر لمحہ اور ہر آن موجود ہے۔**

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے نبوت کے اعلان سے پہلے دنیاوی دلچسپیوں سے عارضی طور پر تعلق ختم کر کے بستی سے باہر دور دراز میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ غار حرا میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں کو ایک نقطہ پر مرکوز فرمایا۔ جس کے نتیجہ میں روح سے واقفیت حاصل ہوئی۔ پھر آپ نے اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف اتنی زیادہ مرکوز فرمائی کہ قربت سے سرفراز کئے گئے اور معراج میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''ہم نے بندے سے جو دل چاہا باتیں کیں اور جو دل نے دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا''۔ سورۃ نجم، آیت نمبر 11-10

پانچ وقت نماز ادا کرنے سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھ کر ''مراقبہ میں'' یہ تصور قائم کیا جائے کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے۔ آہستہ آہستہ اتنا گہرا ہوتا جاتا ہے۔ کہ آدمی اپنی زندگی کے ہر عمل اور ہر حرکت میں یہ دیکھنے اور محسوس کرنے لگتا ہے کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مراقبہ کیا ہے؟

بیداری کے حواس میں اس طرح کسی چیز کو دیکھنا کہ وہ یاد بھی رہے اور اس کے معنی اور مفہوم بھی ذہن نشین ہو جائیں۔ جسمانی وجود کا احساس بھی باقی رہے اور وقت اور جگہ (ٹائم اینڈ سپیس) کی گرفت بھی ٹوٹ جائے اس کیفیت کا نام مراقبہ ہے۔ ''مراقبہ دراصل بندے کا اپنے پروردگار کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے''۔ گویا بیداری کی حالت میں تمام لوگوں کی موجودگی میں یا تنہائی میں خالق پر نظر اس طرح پڑے کہ مخلوق پر نظر پڑے ہی نا۔ اب مراقبے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں

1۔ ظاہری 2۔ باطنی

دونوں مراقبوں کا مطلب یہ ہے کہ قلب کا خوف دور ہو جائے اور اس کی جگہ سکون لے لے۔ کیونکہ مراقبہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ تمام اطراف سے ذہن ہٹا کر ایک

طرف اپنی توجہ مرکوز کرنا۔یعنی ایک مرکز پر نگاہ جمالینا۔اور یہ مرکزیت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔مراقبے کا مطلب دل کی نگہبانی ہے۔یعنی دل کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ اس میں سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر خیال نکل جائے۔مراقبے کی یہ کیفیت ہی مرتبہ احسان کا درجہ ہے، جب کوئی بندہ اس کیفیت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے۔تو اس کے اوپر غیب کی دنیا کے دروازے کھل جاتے ہیں پھر وہ بتدریج ترقی کرتا رہتا ہے۔اور فرشتے اس سے ہم کلام ہونے لگتے ہیں۔

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ مراقبے کی علامت یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کو پسند کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔ان چیزوں کی تعظیم کرے جن کی اللہ تعالیٰ نے تعظیم کی۔اور ان چیزوں کو حقیر جانے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حقیر جانا۔ابن عطارؒ سے پوچھا گیا افضل ترین عبادت کونسی ہے؟ فرمایا: ''ہر دم اللہ تعالیٰ کو نگاہ میں رکھنا''۔

حضرت جریریؒ کا ایک قول ہے: ''جس شخص نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تقویٰ اور مراقبہ کو مضبوط نہیں کیا وہ شخص کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا''۔

مراقبہ کیسے کیا جائے؟

دنیاوی معاملات سے عارضی طور پر رشتہ منقطع کر کے یکسوئی کے ساتھ گوشے میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔صاحب مراقبہ کے لئے ضروری ہے کہ جس جگہ مراقبہ کیا جائے وہاں شور نہ ہو۔تیز روشنی نہ ہو،جتنی دیر اس جگہ پر رہیں، ذہن اللہ کی طرف متوجہ کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔اگر کھلی آنکھوں سے یہ تصور نہ بن سکے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو آنکھیں بند کر لیں۔آہستہ آہستہ یہ پریکٹس کریں۔وقت اپنے حساب سے متعین کریں۔پہلے کم وقت، پھر زیادہ، پھر کچھ اور زیادہ، آہستہ آہستہ یہ تصور اتنا گہرا ہوتا جائے کہ آدمی اپنی زندگی کی ہر حرکت میں یہ دیکھنے لگے کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے۔

حضرت یوسف اسباطؒ کا ارشاد ہے کہ مراقبہ کی 6 علامتیں ہیں

1۔　اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو مرغوب رکھنا　　2۔　اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھنا

3۔　قلت اور کثرت کو من جانب اللہ تصور کرنا　　4۔　اللہ تعالیٰ کے ساتھ راحت اور سکون حاصل کرنا

5۔　مخلوق کے میل جول سے بچنا　　6۔　اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا

اللہ تعالیٰ نے ورۃ البقرہ۔آیت نمبر 31 فرمایا: ''ہم نے آدم کو علم الاسماء سکھادیئے''۔

جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو علم الاسماء سکھائے اس وقت حضرت آدمؑ کے سامنے تین چیزیں تھیں

1۔　خود آگاہی　　2۔　فرشتے　　3۔　وہ ذات حق جس نے علم سکھایا

قرآن پاک کے مطابق نیند رات ہے اور بیداری دن ہے گویا ہماری زندگی دو حواسوں میں کام کرتی ہے۔ایک حواس کا نام ''دن'' (بیداری) ہے اور ایک حواس کا نام ''رات'' (نیند)

دن کے حواس:۔۔دن کے حواس میں ہمارے اوپر زماں و مکاں کی جکڑ بندیاں مسلط ہیں۔

رات کے حواس:۔۔رات کے حواس میں ہم زماں اور مکاں کی قید سے آزاد ہیں۔روحانیت کی بنیاد اس حقیقت پر قائم ہے کہ انسان کے اندر دو حواس، دو زندگیاں یا دو دماغ سرگرم عمل ہیں۔ان میں سے ایک کا نام پابندی اور دوسری کا نام آزادی ہے۔

پابند زندگی دن، بیداری اور شعور ہے اور آزاد زندگی رات، راحت، سکون، اطمینان، قلب اور لاشعور ہے۔ راحت، سکون، اور غیب کی دنیا میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے اندر اس دنیا کی موجودگی کا یقین ہو۔یقین ہونا اس لئے ضروری ہے کہ بغیر یقین کے ہم کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔زندگی کا محاسبہ کیا جائے تو زندگی کے کسی بھی عمل میں ہم اللہ تعالیٰ کی موجودگی اور ربوبیت کا انکار نہیں کر سکتے۔روحانیت کی ضرورت صرف اس لئے پیش آتی ہے کہ روحانیت کے علاوہ کوئی ایسا راستہ ہی نہیں ہے جو انسان کو ازل میں لکھی ہوئی کتاب (لوح محفوظ) سے متعارف کروا سکے۔مراقبہ اسی عمل اور کوشش کا نام ہے جس سے انسان کے اندر یقین کی وہ دنیا روشن ہوتی ہے۔جس پر غیب کی دنیا سے متعارف ہونے کا دارومدار ہے۔مراقبہ وہ پہلی سنت ہے جس کے نتیجہ میں قرآن نازل ہوا۔اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر پوری فرمائیں۔اللہ یکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کو سچا ماننے والا جب کوئی بندہ مراقبہ کی کیفیات میں نماز قائم کرتا ہے تو پھر غیب اس کے اوپر منکشف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ دن کی نسبت رات کو عبادت اور مراقبہ کرنے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے؟ ایسا کیوں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی ایک مخصوص فکر کام کرتی ہے۔یہ فکر اس شے کی حکمت ہے جس کی بنیاد پر اسے پیدا کیا گیا ہے۔رات کے اندر اللہ تعالیٰ کا یہ تفکر کام کر رہا ہے کہ رات مخلوق کے آرام کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔مخلوق کے لئے رات کو آرام کا حکم اللہ تعالیٰ کی فکر کا ایک رخ ہے۔یہ رخ تمام مخلوق اور خصوصاً

''عوام الناس'' کے لئے ہے۔یعنی عوام الناس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک جنرل حکم ہے کہ اس کے بندے رات کو آرام کریں۔مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو دو رخ پر بنایا ہے۔اس لئے اگر فکر کا ایک رخ عوام الناس کے لئے ہوگا تو فکر کا دوسرا رخ لازمی طور پر خواص الناس کے لئے ہوگا۔تو دوسرے فکر میں خواص الناس کے لئے یہ حکم ہے کہ رات کو جاگ کر عبادت کرو۔

چونکہ اس حکم میں خواص کے لئے ہدایت ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے محبوب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو رات کو جاگ کر عبادت تلاوت اور نماز کا حکم فرمایا۔اور خواص الخواص ہونے کے ناطے تہجد کی نماز آپ خاتم النبیین ﷺ پر فرض ہوئی۔خواص الناس کے لئے رات کی عبادت فرض نہیں کی گئی بہر حال انہیں رات کو جاگ کر عبادت کا حکم فرمایا گیا۔چنانچہ ان خاص بندوں پر ان کی اس عبادت اور خلوص اور ان کی سکت کے مطابق انعام بھی اتارا جاتا ہے۔اور یہ انعام مشاہدات کی صورت میں ہوتا ہے۔

ایمان کے بعد اخلاص ایک ایسا جوہر ہے۔جس کی چاشنی اور حلاوت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہے۔مگر یہ حلاوت اور چاشنی صرف اور صرف اسی بندے کو حاصل ہوتی ہے جو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ کو محبوب رکھتا ہے۔اس لئے ہمیں فطرت کے حسن سے متاثر ہونے کی بجائے فطرت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اس صورت میں ہمیں وہاں بھی پھول نظر آجائیں گے۔جہاں بظاہر پھول نہیں ہیں۔دل تو خانہ خدا ہے۔اس میں کسی دوسرے کو ہرگز جگہ نہ دو۔جو آنکھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کو نہ دیکھ سکے اس کا اندھا ہو جانا بہتر ہے۔جو کان حق بات نہ سنیں ان کا بہرہ ہو جانا اچھا ہے۔اور جو زبان ذکر حق میں مصروف نہ رہے اس کا گنگ ہو جانا ہی اچھا ہے۔اور جو بدن اپنے معبود کی اطاعت میں نہ لگا رہے اس کا ختم ہو جانا سب سے اچھا ہے۔

امام غزالی قُربِ حق کے متعلق فرماتے ہیں'' مجھے اصحاب تصوف سے راہ سلوک (طریقت) میں جو کچھ حاصل ہوا اس کی تفصیل تو بیان کرنا ممکن نہیں لیکن عوام الناس اور خواص الناس کے نفع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر یہ معلوم ہو گیا ہے کہ صوفیا ہی اللہ کے راستے کے وہ سالک ہیں جنہیں قُربِ حق حاصل ہے۔ان کی سیرت بہترین سیرت ہے۔ان کا طریقہ سب سے زیادہ مضبوط اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔اگر عقل مندوں کی عقل،حکما کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت اور اخلاق سے بہتر لانا چاہیں تو ممکن نہیں۔ان کی تمام ظاہری اور باطنی سکنات مشکواۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نُورِ نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نُور نہیں،جس سے روشنی حاصل کی جائے''۔

مراقبے کے لئے آیات:

1۔	اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط	مراقبہ نور
2۔	اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْط'' ۞	مراقبہ قدرت (اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے)
3۔	وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر'' ۞	اللہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے (مراقبہ قدرت)
4۔	وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا ؗ وَّ کَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا ۞	اور اللہ بہت اچھا رفیق اور بہت اچھا مددگار ہے (مراقبہ رفاقت وحمایت)
5۔	وَ کَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا ۞	اور اللہ کافی جاننے والا ہے (مراقبہ علیمت)
6۔	وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلاً ۞	اور اللہ کافی کارساز ہے (مراقبہ توکل)

مراقبہ کے لئے پرہیز اور احتیاط:

1۔میٹھا کم سے کم استعمال کریں   2۔کسی قسم کا نشہ نہ کریں   3۔کھانا آدھا پیٹ کھائیں

4۔صرف ضرورت کے وقت بات کی جائے   5۔صرف ضرورت کے لئے نیند کی جائے زیادہ جاگا جائے

6۔جھوٹ کو زندگی سے خارج کر دیا جائے   7۔مراقبہ کے وقت کمر سیدھی رکھی جائے

8۔ریڑھ کی ہڈی میں تناؤ نہ ہو   9۔کانوں میں روئی دے لی جائے

10۔مراقبہ میں سانس آہستہ آہستہ لیا جائے،ناک کے نتھنوں سے سانس لی جائے اور سینے میں روکے بغیر باہر خارج کر دی جائے۔

11۔مراقبہ میں تصور اللہ تعالیٰ کی ذات پر مرکوز کی جائے۔

****

تقدیر کے بدلنے کا طریقہ

تقدیروں کے بدلنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی کشتیءحیات کو کسی ماہر کشتی بان کے سپرد کر دیا جائے- یعنی خود کو کسی کامل شیخ کے سپرد کر دے-

آسان راستہ، اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ ہے۔ قرآن پاک ہمارے پاس علمی شکل میں اور تفسیر قرآن عملی شکل میں موجود ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ قرآن پاک کی عملی تفسیر ہیں۔ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ترجمہ: ''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی''- (سورہ النساء، آیت نمبر 59)

یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول کے پیچھے پیچھے چلنا جو آپ خاتم النبیین ﷺ نے کیا ہے جس طرح کیا ہے اسی طرح اُسی درجے میں ادا کرنا۔ اس طرح کرنے اور اپنی زندگی کو سنت رسول خاتم النبیین ﷺ کے طریقے پر گزارنے کی کوشش میں لگے رہنا-

جو مرید اپنے آپ کو مکمل طور پر پیر کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس کی رضا پر راضی رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی ہر مراد کو پورا کر دیتے ہیں جیسا کہ قرآن میں رسول (خاتم النبیین ﷺ) کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: (سورہ آل عمران، آیت نمبر 31)

ترجمہ: ''اے ایمان والو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) کی تابعداری کرو- پھر اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنائے گا''۔

شیخ کی محبت اور تابعداری رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) کی محبت اور تابعداری کے مترادف ہے اور دونوں کی تابعداری میں خدا کی رضا محصور ہے۔ کسی شیخ کی صحبت میں آنے کے بعد مرید کا طرز عبادت، اخلاق، روحانی کیفیات اور مکمل طرز زندگی ہی بدل جاتا ہے۔ طریقت، زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جس سے بندہ واصل بحق ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی کے تمام دکھ درد کافور ہو جاتے ہیں اور اس کی تمام مشکلات کا ایسا حل تجویز کرتا ہے کہ جس سے اس کی زندگی میں دنیاوی پریشانیاں غائب ہو جائیں۔ یعنی وہ صراط مستقیم پر چل پڑتا ہے اور صراط مستقیم کا حصول ہی اصل کامیابی ہے-

کوفہ کے کچھ لڑکوں نے ایک شرارت کی چند نوجوانوں نے ایک لڑکے کو مردہ ظاہر کر کے جنازہ حضرت علیؓ کے پاس لائے کہ حضور اس کا نماز جنازہ پڑھا دیں اور اس لڑکے کو بتا دیا کہ جب حضرت علیؓ نماز جنازہ شروع کریں گے تو ہم ایک کنکری تجھ پر گرائیں گے تو اٹھ کھڑا ہونا۔ ہم ان کا مذاق اڑائیں گے۔ کہتے ہیں کہ میں علم کا دروازہ ہوں اور یہ پتہ نہیں ہے کہ آگے رکھی ہوئی چار پائی پر مردہ ہے یا زندہ ہے؟ وہ جنازہ حضرت علیؓ کے پاس لائے اور جنازہ پڑھانے کو کہا تو حضرت علیؓ نے پوچھا ''میت کا وارث کون ہے''؟ ایک شخص نے کہا ''میں اس کا والد ہوں''۔ آپؓ نے ان سے اجازت مانگی ''اگر اجازت ہو تو میں نماز جنازہ پڑھاؤں''؟ وہ والد بھی اس شرارتی ٹولے میں شامل تھا۔ اس نے کہا ''ہاں ہاں ضرور پڑھائیں''۔ حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھانی شروع کی۔ سکیم کے تحت جنازہ پر کنکر مارا گیا لیکن وہ لڑکا نہ اٹھا، کئی مرتبہ کنکر پھینکے گئے لیکن وہ لڑکا نہ اٹھا، نماز جنازہ ختم ہوئی۔ لوگوں نے جلدی سے چہرہ سے چادر اٹھائی تو وہ حقیقت میں فوت ہو چکا تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ''یہ میرے نماز جنازہ پڑھانے سے فوت ہوا ہے۔ اب قیامت میں بھی میری اجازت سے ہی اٹھے گا''۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

کہتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ کے پاس ایک دہریہ آیا اور خدا کی ذات کے انکار میں تین دن تک بحث کرتا رہا۔ آخر علامہؒ نے فرمایا کہ چلو آج میں تمہیں کسی مرد قلندر کے پاس لے جاتا ہوں۔ شاید وہ تقدیر بدل دے، چنانچہ وہ اس دہریے کو میاں شیر محمد شرقپوریؒ کی بارگاہ میں لے گئے جونہی وہ دہریہ حضرت میاں صاحبؒ کے دربار میں پہنچا تو میاں صاحب نے اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور کہا ''کیوں بھئی بیلیا رب ہے کہ نہیں'' یہ سنتے ہی اس دہریے نے بغیر کسی کلام کے تسلیم کر لیا کہ واقعی ایک خدا موجود ہے۔

تقدیر بدلنے کا ایک اور طریقہ:- اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کو مکمل کرنے کے لیے ایک طریقہ مقرر کیا گیا ہے جو بلا تمیز مومن و کافر ہر ایک کے لیے یکساں ہے۔ وہ مقرر کردہ طریقہ عالم اسباب کا مہیا کرنا اور اپنے حقوق کا ادا کرنا ہے۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو شخص کسی کام کی تکمیل کے لیے اسباب پیدا کرے تو عموماً وہ کام ہو جاتا ہے۔ فقراء کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جن کا تعلق خدا کے ساتھ استوار ہو جاتا ہے اور دنیاوی امور میں بھی ان کی نظر اسباب سے اٹھ کر مسبب الاسباب پر آٹھہرتی ہے اور وہ اسباب کی

پابندی سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔مثلاً بزرگ کا بغیر کشتی کے دریا پار کر جانا یا بغیر کسی سواری کے کسی جگہ پہنچ جانا یا ایسی چیزوں کا حاضر ہو جانا جس کے لیے بظاہر کوئی ایسے اسباب موجود نہ ہوں یہ سب باتیں اس قسم سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ عام انسانوں کے لیے اسباب کے مہیا کرنے کے بغیر کسی کام کا پورا کرنا ممکن نہیں۔

اس زمانے کے مسلمانوں میں جو ایک نہایت مایوس کن بات نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہر کام کو بغیر اسباب کے مہیا کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں عاملوں اور پیروں کے پاس جا کر ایسے تعویزات طلب کرتے ہیں جس سے ان کا مقصود حاصل ہو جائے۔دوسرے لفظوں میں یہ بات اس طرح کہی جا سکتی ہے کہ آج کے بیشتر مسلمان بغیر اسباب مہیا کئے اور بغیر عمل کی تکلیف اٹھانے کے یہ چاہتے ہیں کہ ان کا کام فوراً ہو جائے۔مسلمانوں کی یہی عادت ان کی تباہی کا باعث بنی اور اگر ان کا کام نہ ہو تو ایسے مسلمان اپنی تقدیر اور پیروں کو کوسنے لگتے ہیں۔روایات میں آتا ہے کہ ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی فلاں کام کو اس طرح کر دے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جواب میں یہ کہا گیا کہ **''خبردار کہ آئندہ ہماری سنت کو تبدیل کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہماری سنت یہ ہے کہ اسباب کے بغیر کوئی چیز ہم سے طلب نہ کی جائے''۔**

علامہ اقبالؒ نے تقدیر کے مسئلے کو نہایت خوبی کے ساتھ سلجھایا ہے۔آپ کا فرمان ہے کہ انسان اپنی تقدیر کو اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیشانی کو اس لیے خالی رکھا ہے کہ اس پر اپنی تقدیر کا فیصلہ خود لکھ دے۔آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''ایک لمحہ میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر''۔

تقدیر کیا ہے؟:- اگر سب کچھ پہلے سے ہی لکھا ہوا ہے تو ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار کس طرح ہوئے؟ پھر ہم اعمال پر جزا اور سزا کو کیسے تصور کریں؟ اور پھر اعمال پر جنت اور دوزخ کے کیا معنی سمجھیں؟ وضاحت فرمائیں۔

عربی زبان میں دینی کتب میں ایک لفظ لکھا جاتا ہے "عَلِیمُ اللهِ سَابِق" اللہ کا علم جو پہلے سے اُسے حاصل ہے-اِسے ہم باری تعالی کا ادراک بھی کہہ سکتے ہیں۔اللہ تعالی کو معلوم ہے کہ میں آج اتنے بجے، اتنے منٹ پر اپنی مرضی، اپنے ارادے، آزادی فکر اور آزادی عمل سے کام لیتے ہوئے یہ کام کروں گا۔اب یہ کام میں اپنی مرضی سے کر رہا ہوں۔اللہ تعالیٰ علیمٌ بذاتِ الصدور ہے۔ یعنی سینوں میں جو کچھ ہے وہ جانتا ہے۔اس نے ہمیں بنایا ہے۔وہ ہماری ایک ایک اندرونی حرکت اور ارادے سے پہلے ہی واقف ہے۔اس بات کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ہم لوگ اکثر قیافہ شناس اور نجومیوں کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔

تمثیل:- ایک نجومی نے اپنا فالنامہ کھولا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ "تم میں سے کوئی بھی اس فال نامہ کے خانوں میں سے کوئی عدد چن کر اپنے کاغذ پر لکھ لے یا اپنے دل میں رکھ لے۔میں آپ لوگوں کے سامنے اس کے لکھنے سے پہلے اس کاغذ پر وہ لکھ دوں گا جو یہ شخص بعد میں لکھے گا"۔

لوگوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ایک شخص نے کہا "میں ان خانوں کا ایک عدد اپنے دل میں رکھوں گا"۔نجومی نے اس کو دیکھا اور فوراً ہی اپنی پنسل سے ایک عدد چپکے سے لکھ کر کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کے حوالے کر دیا۔اب جس شخص نے نجومی کے خانوں میں سے کوئی عدد منتخب کرنا تھا اس نے ان اعداد پر نظر ڈالنی شروع کی۔وہ کبھی کسی عدد پر اپنی نظریں مرکوز کرتا اور کبھی کوئی اور عدد دیکھتا آخر کار کچھ دیر کے بعد اس نے ایک عدد منتخب کیا کاغذ پر لکھا اور کسی اور شخص کے حوالے کر دیا۔ نجومی نے کہا کہ "اب میرا کاغذ کھولا جائے"-جس شخص کے پاس نجومی کا کاغذ تھا اس نے فوراً کاغذ کھول دیا سب لوگوں نے اس کا عدد پڑھ لیا۔اب نجومی نے کہا کہ "اس شخص کا کاغذ کھولا جائے"۔دوسرے شخص کا کاغذ کھولا گیا۔اس پر وہی عدد لکھا ہوا تھا جو نجومی نے پہلے ہی لکھ دیا تھا۔اب اس میں سوچنے اور غور کرنے کے بات یہ ہے کہ نجومی کا علم بھی اللہ تعالی ہی کا دیا ہوا ہے چاہے وہ فلکیات سے تعلق رکھتا ہو یا علم قیافہ ہو۔

جب باری تعالی ایک عام انسان کو یہ علم دے سکتا ہے کہ وہ پہلے---- وقوع سے پہلے کی بات کو جان سکتا ہے-تو کیا وہ خود یہ طاقت اور یہ علم نہیں رکھتا کہ وہ واقعہ ہونے سے پہلے ہی کسی چیز کو لکھ دے؟ یعنی اگر ایک محدود علم والا آئندہ ہونے والے عمل کو پہلے ہی لکھ کر رکھ سکتا ہے؟ اگر ایک انسان اب کر سکتا ہے؟ تو پھر لامحدود علم رکھنے والی ہستی اللہ تعالی رحیم ورحمان ایسا کیوں نہیں کر سکتا؟

باری تعالی نے ہمارے وہ تمام اعمال جو ہم آگے چل کر کرنے والے ہیں وہ سارے کے سارے اعمال اپنے پاس لکھ کر رکھے ہوئے ہیں۔وہ ہمارا خالق ہے اس نے آئندہ ہونے والے تمام واقعات، ہماری زندگی، ہماری موت، ہماری قبر۔غرض ہر انسان کا پورا پورا ڈیٹا اس کے پاس لکھا ہوا محفوظ ہے یہ کہ ہم اپنی زندگی میں اپنی مرضی، اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے کیا کیا کریں گے؟ اس نے اپنے ادراک، اپنے ازلی علم سے جانا اور لوح محفوظ پر لکھوا دیا۔یہ اچھی طرح جان لیں کہ اس کے لکھے ہوئے نے

یہی مجبور نہیں کیا۔ ہم نے جو کچھ کیا اور کرتے ہیں اپنے مرضی، ارادہ اور اختیار سے کرتے ہیں۔ ہم ان اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ انہیں کیے ہوئے اعمال پر ہمیں جزا ملے گی یا خدانخواستہ سزا ملے گی؟ جنت ملے گی یا پھر دوزخ؟ تو جو کچھ انسان اپنی پوری زندگی میں کرتا ہے تو وہ اس نے اپنے ہاں پہلے ہی سے لکھا ہوا ہے۔

وَعِندَهٗ عِلمُ الکِتَاب وہ کتاب میں ہے یعنی جو کچھ ہم کرتے ہیں اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں اور اس کے ہم ذمہ دار ہیں۔

علامہؒ کے درج ذیل شعر میں بھی اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر تقدیر بدلنا چاہتے ہو تو خود کو بدلو۔ یعنی اپنے رویے اور طریقے کو بدلو۔ جب یہ بدل جائے تو تمہاری تقدیر بھی بدل جائے گی۔

اسباب کے ساتھ دعاؤں کا لشکر :- اسباب کے ساتھ دعاؤں کا لشکر کام کرتا ہے- زندہ قوموں کی یہی علامت ہے کہ کسی کام کی تکمیل کے لیے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ البتہ اسباب مہیا کرنے کے بعد دعا بھی اثر کرتی ہے۔ اسباب کا لشکر مہیا کرنے کے بعد دعاؤں کا لشکر کام کرتا حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شہنشاہ جہانگیر کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ **''فوجوں کے لشکر کے ساتھ ساتھ دعاؤں کے لشکر کا موجود ہونا بہت ضروری امر ہے''**۔ احادیث میں ہے کہ ایسی دعا قضا کو بدل دیتی ہے اور اس کے علاوہ نیک اعمال اور صدقات بھی تقدیر کو بدلنے میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ معلوم کرنے کے بعد ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ عمل اور اسباب کے پہلو کو ہاتھ سے جانے نہ دے اور قسمت کو سنوارنے کے لیے مذکورہ بالا تجاویز سے کام لے، یعنی اسباب کو مہیا کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے رابطہ عبادت کو بھی قائم رکھیں۔

بزرگوں کی زندگی بھی اتباع کے قابل ہے- کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اتباع صرف تبع تابعین تک فائز ہے۔ اگر ہم طریقت کے راہنماؤں کی طرف نظر دوڑا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ان کی کامیاب زندگیوں کی کڑیاں اوج ثریا تک پہنچ چکی ہیں۔ ان سب کا یہی قول ہے کہ بغیر بیعت کے زندگی گزارنا ایسے ہے جیسے کوئی بے مقصد سفر پہ چلا جا رہا ہو۔ اگر چہ کسی کے پاس ڈھیروں مال بھی میسر ہو جائے تو بھی اس کی بے دین زندگی قطعاً بے سود ثابت ہوتی ہے۔ ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ہم سے پہلے جو جلیل القدر اولیاء کرام گزر چکے ہیں (بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، معین الدین چشتیؒ وغیرہ) تو انہوں نے اپنی کتب تصوف میں کیسی زندگی بسر کرنے کا سبق دیا ہے۔ ان کی روش کس قدر درست اور عین شریعت کے مطابق تھی۔ دین و دنیا کے متعلق وہ کیا نظریہ رکھتے تھے؟ کیا وہ دین کو سمجھنے کے لیے بہترین فقہا میں سے نہ تھے؟ کیا وجہ ہے کہ ان کے نام آج تک زندہ ہیں۔ ہمیں ان کے نقش قدم کو معیار زندگی کیوں نہیں بنانا چاہیے؟ زندگی تو جانوروں کی طرح بھی گزر سکتی ہے جس میں سوائے خورد و نوش اور نفسانی خواہشات کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ایسی بے دین زندگی سے بچنا چاہیے اور ایسا نہ ہو کہ ہمیں بھی ان جانوروں کی طرح شمار کیا جائے۔ دیکھنا چاہیے کہ طرز زندگی کس نہج سے گزارنا خدا کی رضا کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرامؒ کی زندگیوں کو ہمارے لیے نعمت سے کم نہیں بنایا۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

صِرَاطَ الَّذِينَ اَنعَمتَ عَلَيهِم اگر اَنعَمتَ عَلَيهِم کا اشارہ صرف صحابہ کرامؓ سے لے کر تبع تابعین تک ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے بعد اسلام میں اب ہدایت کا راستہ ختم ہو گیا۔ (نعوذ باللہ)

مندرجہ بالا تمام امور بجالانے کے بعد اللہ تعالیٰ بندے کو کچھ راز عطا کر دیتا ہے۔ یہ راز چار قسم کے ہوتے ہیں۔

1۔الہامی راز 2۔معرفتی راز 3۔توحیدی راز 4۔نوری راز

ان چاروں قسموں والا فنا فی اللہ، مشاہدہ ذات اور قرب حضوری میں ہوتا ہے۔

1۔راز الہامی کا مقام دل ہے اس پر ایک آواز قلب سے معلوم ہوتی ہے۔

2۔راز معرفتی کا مقام ہے سر دماغ ہے اس کو آواز حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے نور سے آتی ہے جس شخص نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رفاقت اختیار کی اللہ کو پا لیا۔

3۔راز توحیدی کا مقام وجود کا ہر ایک ذرہ ہے اس کی آواز لامکاں اور قرب الٰہی سے آتی ہے۔

4۔راز نوری کو حق اور حضور حق سے آواز آتی ہے اور اس قسم کے راز کو جمعیت کل کہتے ہیں۔

جب یہ تمام راز اکھٹے ہو جائیں تو جمعیت اور فنا فی اللہ اور غرق حضور خاتم النبیین ﷺ حاصل ہو جاتے ہیں اور اسے آواز واجب الوجود سے آتی ہے۔ اس کو فنا فی اللہ بھی کہتے ہیں ایسے شخص کی آنکھ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں واضح روشن رہتی ہے اور وہ ہمیشہ دیدار الٰہی کرتا رہتا ہے۔ جو شخص اس مقام پر پہنچتا ہے تو دونوں

جہاں اس کے فرمانبردار اور غلام بن جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال کے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نفس کا قیدی

ہمیں جو انسان چلتا پھرتا نظر آتا ہے درحقیقت یہ اس کے اصل حقیقت نہیں ہے۔ یہ ایک مہمان ہے جو زمین پر گھوم رہا ہے۔ یہ ایک قید میں ہے۔ یہ کس کی قید میں ہے؟؟؟ نفس کی قید میں۔۔۔ نفس کا مقابلہ کرنے کے لیے۔۔۔ بلکہ نفس سے جنگ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات نے انسان کو اس دنیا میں نفس کا قیدی بنا کر بھیجا ہے۔ اب ہمارا مقابلہ اس دنیا میں نفس سے ہے۔

اس دنیا میں چونکہ ہم آزمائش کے طور پر آئے ہیں اس لیے یہ دنیا ہمارے لیے دارالامتحان ہے۔ نفس چونکہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے اس لیے اس کی پوری پوری کوشش ہوتی ہے کہ یہ ہمیں اس دنیا کی طرف ہی مائل رکھے تاکہ ہم اپنی منزل کے متعلق سوچ ہی نہ سکیں۔ یہ دنیا ہماری منزل نہیں ہے۔ ہماری منزل آخرت کی ابدی منزل ہے۔

ہمارے تین دشمن ہیں:

1۔ نفس 2۔ ابلیس 3۔ یہ دنیا

ان تینوں دشمنوں میں نفس بادشاہ ہے، ابلیس وزیر ہے اور یہ دنیا لونڈی ہے۔ بدن مرنے کے بعد مٹی میں چلا جاتا ہے۔ یہ مٹی کا تھا، مٹی میں ہی چلا گیا۔ روح اوپر چلی گئی۔ وہ اوپر کی چیز تھی اور اوپر چلی گئی کیونکہ جو شے جہاں سے آتی ہے وہ وہیں واپس چلی جاتی ہے۔ ہر چیز اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے۔ جسم مٹی کا مٹی کی طرف لوٹ گیا۔ روح اوپر سے آئی تھی اور اوپر چلی گئی۔ عالم ارواح میں چلی گئی۔ بدن تو روح کا لباس تھا۔ روح اپنی منزل کی طرف چلی گئی۔ اب صرف بدن رہ گیا۔

اب موت بدن کو نہیں آئی۔۔۔ بدن تو ہمارے سامنے موجود ہے، جسم موجود ہے، آنکھیں ہیں دیکھ نہیں سکتا۔۔۔ کان ہیں سن نہیں سکتا۔۔۔ زبان ہے بول نہیں سکتا۔ لیکن بدن تو موجود ہے موت تو پھر بدن کو نہیں آئی۔۔ کیونکہ دیکھنا، سننا اور چلنا یہ سب روح کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وہ تو پرواز کر گئی۔

روح اوپر چلی گئی۔ موت روح کو بھی نہیں آئی وہ تو عالم ارواح میں یا برزخ میں چلی گئی۔ اب موت کسے آئی ہے؟ جسم بھی موجود ہے۔۔۔ روح بھی اوپر چلی گئی۔ تو موت تو نہ جسم کو آئی کیونکہ وہ تو روح سے زندہ تھا۔۔۔ روح کی وجہ سے کام کر رہا تھا۔ جب وہ نہ رہی تو جسم بیکار ہو گیا۔ اس کا کام رک گیا۔ تو اب موت کسے آئی؟ جسم کو نہیں آئی وہ تو ہمارے سامنے بستر پر موجود ہے۔۔۔ موت تو روح کو بھی نہیں آئی۔ پھر موت کس کو آئی ہے؟ اللہ تعالیٰ سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 57۔۔۔ سورہ آل عمران، آیت نمبر 185 میں فرماتا ہے: كُلُّ نَفسٍ ذَائِقَةُ المَوتِ ترجمہ: "ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے"۔

موت نفس کو آئی ہے۔ اُس کو موت آئی ہے جو خواہشات پیدا کرتا ہے۔ بڑے گھر میں رہنا بدن کی خواہش نہیں ہے۔ بدن کو سونے کے لیے اتنی ہی جگہ چاہیے جس میں بدن سما جائے۔ بڑے گھر کی خواہش نفس کی خواہش ہے۔ جتنا سٹیٹس بلند کرنا۔۔۔ اکاؤنٹ میں بہت زیادہ پیسہ ہونا۔۔ یہ بدن کی خواہش نہیں یہ نفس کی خواہش ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "انسان کی موت یہاں پر ہے" (یعنی بالکل سر کے اوپر) پھر آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے اپنے اسی ہاتھ کو سر سے ایک فٹ اوپر کر کے فرمایا "اور اس کی خواہشات یہاں پر" (جامع ترمذی)

نفس وہ سوار ہے جو بدن کے گھوڑے پر بیٹھ کر اس کو خواہش کے تازیانے سے دوڑاتا ہے۔ جسم نفس کی خواہشات پوری کرتے کرتے تھک جاتا ہے کیونکہ نفس بادشاہ ہے۔ یہ حکم کرتا ہے۔ حرام کا حکم کرتا ہے۔۔۔۔ ناپسندیدہ چیزوں کا حکم کرتا ہے۔۔۔ مال کا تمام برے کاموں کی اور مال کو بڑھانے کی ترغیب کرتا رہتا ہے۔۔۔۔ اور خواہشوں کی مشین اتنی تیز کر دیتا ہے کہ آخر بدن تھک کر بیمار ہو جاتا ہے۔ وہ تمام عمر خواہشات ہی کو پورا کرتا رہتا ہے۔ اپنا حال دیکھ لیں خواہشات ہی پورا کرتے کرتے انسان تھک جاتا ہے۔

اب دیکھیے دیارِ غیر میں بیٹھنے والے لوگوں سے معلوم کر لیں کتنے لوگ ہیں تقریباً 99 لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ بس یہ والا کام ہو جائے تو ہم واپس چلے جائیں گے۔ اب یہ یہ کام ہو جائے گا تو واپس چلے جائیں گے۔۔۔ لیکن خواہشات کا انبار ختم ہی نہیں ہوتا اور آخر وقت گزرتا رہتا ہے، جب طاقت ختم ہو جاتی ہے، کام کرنے کی ہمت نہیں رہتی تو اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔ آخرت کے لیے کیا کمایا؟؟؟؟ خواہشات نے تو نہ نمازیں پوری پڑھنے دیں اور نہ قرآن پاک کی تلاوت

کی طرف توجہ دی گئی۔حرم میں ہوتے ہوئے نمازیں چھوڑ دیتے تھے-کام میں مصروفیت کی وجہ سے نماز کا وقت ہی نہیں ملتا تھا-

یاد رکھیں! خواہش ایک ایسی ماں ہے جس کے بدن سے پہلے چھوٹے چھوٹے اور پھر بڑے بڑے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ایک گھر کی خواہش تھی۔۔۔پھر پلاٹس کی ہوگی۔۔۔چھوٹی گاڑی کی خواہش تھی وہ مل گئی اب بچے بڑے ہوگئے اب بڑی گاڑی کی خواہش ہوگی۔۔۔۔چھوٹی دکان سے بڑی دکان۔۔۔چھوٹے بزنس سے بڑا بزنس۔۔۔کرتے کرتے۔۔۔۔آخر ہوتا یہ ہے کہ جو خواہشات پوری کرتا تھا، جو خواہشات پوری کر کے بدن کو تھکا تا تھا، وہ تھک ہار کر--- بیمار ہو کر---خواہشات کو پورا کرتے کرتے چور ہو چکا ہوتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔جونہی وہ مرا، جو بدن ساری عمر گھر والوں کی خواہشات پوری کرتے کرتے مر گیا اس بدن کو اٹھا کر گھر سے قبرستان منتقل کرنے کے لیے جس چار پائی کا استعمال ہوا وہ بھی مسجد میں خیرات میں دی گئی تھی۔

یہ ہے نتیجہ خواہش کے پیچھے بھاگنے کا۔۔۔۔انسان سوچتا ہی نہیں کہ آخر میں اس دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے؟ انسان یہاں روزی کمانے کے لیے نہیں آیا۔روزی کا وعدہ تو اللہ تعالی نے خود فرمایا ہے اور مقدر کی روزی انسان کو ایسے پہنچ کر رہتی ہے جیسے مقدر کی موت۔۔۔۔اللہ تعالی نے انسان کو حسن صورت سے پوری طرح نوازا ہے۔۔۔اب اس کو حسن سیرت مطلوب ہے۔کمائی تو آخرت کی کرنی ہے،توشہ تو اس دنیا سے آخرت کے لیے لینا ہے۔جس مقصد کے لیے ہم اس دنیا میں آئے ہیں۔ قرآن پاک میں واضح طور پر اللہ تعالی نے بتایا ہے کہ (سورہ الحشر،آیت نمبر 18)

وَ لتَنظُر نَفسٌ مَاقَدَّمَت لِغَدٍ ترجمہ:"جلد ہی انسان دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے"۔

آخر یہ نفس ہے کیا؟؟؟

نفس ایک طاقت ہے۔۔۔خواہشات کی طرف ابھارنے والی طاقت۔۔۔۔برے کاموں کی طرف لے جانے والی طاقت۔۔۔۔ناجائز امور کی طرف لے جانے والی طاقت۔۔۔۔لیکن یہ طاقت ایسی طاقت ہے کہ جس کو سدھارا جا سکتا ہے۔

اس لیے نفس کو مارنا نہیں ہے۔کیونکہ نفس کو مارنے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالی کی دی ہوئی ایک طاقت ایک قوت جو اس نے ہمیں سُدھارنے کے لیے دی تھی ہم نے اسے ختم کر دیا۔اس کو اس طرح سمجھیں جیسے کسی نے کسی کو ایک creature سدھارنے کے لیے دیا اور کہا کہ "اس کو اس قدر سدھاریں، اس کو اس لیول پر لے آئیں کہ یہ آپ کے اور آپ کے بچوں کے کام آئے"-اور اگر دینے والا کچھ عرصے کے بعد اس کے بارے میں پوچھے کہ "اس کا کیا کیا"؟ اور ہم کہیں "وہ تو مر گیا"۔تو دینے والے کو کس قدر افسوس اور دکھ ہوگا۔

تو نفس اللہ تعالی کی طرف سے دی گئی ایک قوت ہے۔۔۔جو ہماری آزمائش کے لیے، ہمیں سدھارنے کے لیے دی گئی ہے۔شریعت نے اس کے سدھارنے کے طریقے بھی بتائے ہیں اور یہ طریقے کچھ مشکل نہیں ہیں-اس کے سدھارنے سے نہ صرف ہم بلکہ ہماری اولاد بھی سدھر جائے گی۔نفس کو ہم نے اتنا خوبصورت بنا دینا ہے کہ ہماری موت کے بعد بھی ہمارے لیے صدقہ جاریہ بن جائے۔

یاد رکھیں! ہماری منزل اوپر ہے یعنی آخرت اور جنہیں اپنی پرواز بلند رکھنی ہوتی ہے وہ اپنی کمر پر خواہشات کا بوجھ نہیں رکھتے-

یہ ہے روحانیت کا concept کہ نفس کو اِس level پر لے کر آنا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہو جائے اور جب ہم کوئی غلط کام کریں تو وہ ہمیں روکے اور اس کے کہنے سے ہم مجبور ہو جائیں کہ ہم نے یہ غلط کام نہیں کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نفس

انسان دس عناصر کا مرکب ہے۔ پانچ کا تعلق جسم سے اور پانچ کا تعلق روح سے ہے۔ جسم کثیف اور روح لطیف ہے۔ جسم روح کے اوپر ایک لباس ہے۔ اس دنیا کو جس میں ہم رہتے ہیں یعنی عالم ناسوت یا عالم اجسام بھی کہتے ہیں۔ اس عالم کو عالم شہادت بھی کہا جاتا ہے اس عالم میں رہنے کے لئے یہ جسم پانچ چیزوں کے مرکب سے مل کر بنا ہوا ہے۔ 1- نفس　2- آگ　3- ہوا　4- پانی　5- مٹی

یہ پانچ عناصر جسم کثیف بناتے ہیں۔

اسی طرح روح کے بھی پانچ عناصر ہیں، یہ اس کے اوپر پانچ لباس ہیں۔ 1-قلب　2-روح　3-سِر　4-خفی　5- اخفی

ان کو لطائف بھی کہتے ہیں-

جب نفس انسان کے جسم میں آتا ہے تو اپنے ساتھ پانچ بُرائیاں بھی لے کر آتا ہے اور ان لطائف کے ہمسایہ کر دیتا ہے۔

(i) لطیفہ قلب کے ساتھ شہوت　(ii) لطیفہ روح کے ساتھ غصّہ اور غضب　(iii) لطیفہ سر کے ساتھ حرص

(iv) لطیفہ خفی کے ساتھ حسد وبخل　(v) لطیفہ اخفی کے ساتھ تکبر وفخر

یہ برائیاں انسان کے باطنی لشکر کو گمراہ کر کے اپنے کنٹرول میں کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں جب نفس ناری غذا لے کر قوی ہو جاتا ہے تو برائی کا امر کرتا ہے (حکم دیتا ہے) اِس نفس کو نفسِ امارہ کہتے ہیں۔

قرآن پاک سورۃ یوسف، آیت نمبر 53 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ ترجمہ: "بے شک نفس امارہ برائی کا بڑی شدت سے حکم دیتا ہے"-

گویا نفس ہمارے اندر موجود ایک خود دار آلہ ہے جس کی وجہ سے خواہشات جنم لیتی ہیں- یہ خواہشات مثبت بھی ہوتی ہیں اور منفی بھی- مثبت خواہشات اللہ کے راستے پر آگے بڑھنے کی طرف راغب کرتی ہیں اور منفی خواہشات کا تعلق دنیا اور اُسکی لذتوں سے ہوتا ہے- یعنی نفس کا منفی پہلو پھنساتا ہے- اور اگر مثبت خواہشات غلبہ پاتی رہیں تو ہم نفس کے ہاتھوں مغلوب نہیں ہوتے بلکہ اس پر غلبہ پا کر حق کی راہ پر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں-

سب سے زیادہ گناہوں کی طرف مائل کرنے والا اور دنیا کی لذتوں اور رغبتوں کی جانب کھینچ کر لانے والا یہی نفس ہے۔ فحاشی منکرات، لذات، شہوت اور جملہ بدکاریوں کی طرف یہی نفس راغب کرتا ہے۔

انسان کے اندر ہمیشہ مقابلہ قلب اور نفس کا رہتا ہے-

جب بچہ بڑھتا ہے تو جس طرح اس کے ظاہر جسم کو خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح اس کے باطنی لشکر کو بھی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے-

اگر بچہ نام نہاد مسلمان ہے یعنی بچے کی تربیت میں قرآن، نماز، ذکر وغیرہ کا کوئی دخل نہیں تو ایسے بچے کا نفس قوی ہوتا جائے گا اور باقی اعضاء بھی (سوائے قلب کے) نفس کے محتاج ہو کر ناری غذا لینے لگیں گے- ایسے نفس کو نفس امارہ کہتے ہیں-

لیکن قلب کا تعلق چونکہ فرشتوں سے ہوتا ہے- اس لئے قلب کبھی بھی ناری غذا نہیں لیتا- حتی کہ چالیس سال تک اپنی طاقت سے جیتا ہے اور پھر بھی اگر نوری غذا نہ ملے تو مر جاتا ہے اور دل صرف گوشت کے ایک ٹکڑے کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے-

اس لئے سورہ بقرہ، آیت نمبر 7 میں رشاد الٰہی ہے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ ترجمہ: "اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے"-

نفس بنیادی طور پر برائی کی رغبت دلاتا ہے اور ناری غذا سے پرورش پاتا ہے- نفس اپنی طاقت سے زندہ نہیں رہ سکتا- یہ تھک ہار کر جھک مار کر نوری غذا لینے لگ جاتا ہے- جب نفس نوری غذا لینے لگتا ہے تو سدھرنا شروع ہو جاتا ہے- اور پھر آہستہ آہستہ نوری غذا لینے کی وجہ سے پاک ہونا شروع ہو جاتا ہے- اس طرح سدھرنے کی حالت میں نفس سات اقسام میں تقسیم ہو جاتا ہے:

1-نفسِ امارہ **2-**نفسِ لوامہ **3** -نفسِ مُلْھِمَہ یا نفسِ الہامہ **4** - نفسِ مُطْمَئِنہ **5-** نفسِ رَاضیہ **6** -نفسِ مرضیہ **7-**نفسِ کاملہ

(1) نفسِ امارہ:۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ترجمہ: "بے شک نفس امارہ برائی کا بڑی شدت سے حکم دیتا ہے" (سورۃ یوسف، آیت نمبر 53)

سب سے زیادہ گناہوں کی طرف مائل کرنے والا اور دنیا کی لذتوں اور رغبتوں کی جانب کھینچ کرلانے والا یہی نفس ہے۔فحاشی منکرات،لذات،شہوت اور جملہ بدکاریوں کی طرف یہی نفس راغب کرتا ہے۔

نفس امارہ کی صفات: بخل، کنجوسی، حرص، طمع، لالچ، بدی، شہوت پرستی، بیوقوفی، بغض وکینہ، حسد وعناد۔ جہالت وغفلت، سُستی وکاہلی، غصہ وغضب، غیبت، چغلی، عیب جوئی، ٹوہ، تجسس وغیرہ شامل ہیں۔ان میں سے کسی ایک صفت کا پایا جانا نفسِ امارہ پر دلالت کرتا ہے۔

خواب میں نفسِ امارہ کی مثالی صورتیں:۔ ہر نفس کی حالت سالک کو (یعنی طالبان حق کو) بڑی آسانی سے بذریعہ خواب معلوم ہوسکتی ہے اگر ان مثالی صورتوں کا علم ہو۔ان صورتوں میں خنزیر، کُتا، ہاتھی، سانپ، گدھا، بچھو، چوہا، جوں، چڑیا وغیرہ یا اسی طرح اگر خواب میں بیت الخلائ، اصطبل، شراب، بھنگ، افیون، یا اِس کی مثل کوئی اور شے، جیسے کیچڑ، تالاب، جوہڑ، وغیرہ دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ اِس کے نفسِ امارہ کی خاصیتیں ہیں۔

مذکورہ بالا مثالی صورتوں کی تعبیرات:۔

1۔ خنزیر کا دیکھنا کسی حرام صفت کی طرف اشارہ ہے

2۔ کتے کا دیکھنا غصہ اور غیض وغضب کی خاصیت کی طرف اشارہ ہے

3۔ سانپ کا دیکھنا منافقت کی علامت ہے

4۔ بچھو کا دیکھنا اُس کے لیے عذاب کی تنبیہ ہے

5۔ ہاتھی کا دیکھنا اُس کے تکبر کی طرف اشارہ ہے

6۔ چڑیا، جوئیں مکروہات کے ارتکاب اور ناپسندیدہ عادات کی علامات ہیں

7۔ بیت الخلاء دنیا کی محبت میں غرق ہونے کی طرف اشارہ ہے

8۔ شراب پینا، یا چکھنا حرام کھانے پینے کی طرف اشارہ ہے-

اگر ان چیزوں کو محض دیکھے تو خیالات کا حرام کی طرف مائل ہونے کا اشارہ ہے۔نفسِ امارہ رکھنے والا دل ''حیوانی دل'' کہلاتا ہے۔اِس نفس سے خلاصی پانے کے لیے **لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ** کو ذکر کیا جاتا ہے۔اِس کے ساتھ ساتھ جملہ فرائض، واجبات کی پابندی، احکامِ شریعت کی مکمل پابندیاں اور جملہ نفلی عبادات کی پابندی، توبہ، استغفار، صدقہ خیرات کے معمولات جاری رکھے جائیں۔**اِس نفس میں نیلے رنگ کا نور نظر آتا ہے۔**

(2) نفسِ لوامہ (سخت ملامت کرنے والا)

سورہ القیامہ، آیت نمبر 2-1 میں فرمان الٰہی ہے: لَآ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۱ وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ۲

ترجمہ: "بات یہ نہیں! میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔اور بات یہ نہیں! میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ (ملامت کرنے والا) کی"۔

یہ دوسرا نفس ہے۔انسان جب نفس امارہ کے دائرے سے نکلتا ہے تو لوامہ کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے۔اِس مقام پر دل میں ایک نور پیدا ہوجاتا ہے۔

یہ نور ذکر **لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ** کے کثرت ورد اور فرائض وواجبات کے ادا کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

یہی نور باطنی طور پر ہدایت کا کام کرنے لگتا ہے۔اور جب نفسِ لوامہ کا انسان کسی بُرائی کا ارتکاب کرتا ہے۔تو یہ نور فوری طور پر انسان کو اِس بُرائی کے کرنے پر سخت ملامت کرنے لگتا ہے۔

قرآن پاک میں سورۃ قیامہ میں آیت نمبر (2۔1) میں اللہ تعالیٰ نے اِس نفس کی قسم کھائی ہے

"میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں اور میں نفسِ لوامہ کی قسم کھاتا ہوں"

نفسِ لوامہ کے صفات:۔ حلال کی طرف رغبت، لوگوں کے لیے نفع بخشی کی رغبت لغویات سے گریز اور پسندیدہ اخلاق۔

خواب میں نفسِ لوامہ کی مثالی صورتیں:۔ بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ، مچھلی، کبوتر، بطخ، مرغی، درخت، کھجور، شہد، پکا ہوا کھانا، پھل اور میوے، محلات وعمارات، مکانات وغیرہ

مذکورہ بالاصورتوں کی تعبیرات:۔

1۔ بھیڑ بکری وغیرہ حلال جانور ہیں۔ حلال کی طرف رغبت کی طرف اشارہ ہے

2۔ گائے کی صفت کام کرنا ہے۔ لوگوں کو نفع پہنچانے کے طرف اشارہ ہے

3۔ اونٹ کی صفت بوجھ اُٹھانا ہے اور تکلیف برداشت کرنا ہے دوسروں کے لیے یہ عمل حالت ایمانی پر دلالت کرتا ہے۔

4۔ کھجور، شہد پسندیدہ اخلاق کی طرف اشارہ ہے۔ پھل اور میوے، بے معنی اور لغویات سے پرہیز کی طرف اشارہ ہے

5۔ مکانات۔ محلات اور عمارات نفس کی عیش پرستی پر دلالت کرتے ہیں۔

نفسِ لوامہ رکھنے والا دل ''انسانی دل'' کہلاتا ہے۔

اِس نفس کی مثال ایک سرکش گھوڑے کی سی ہے۔ یہ بنیادی طور پر پلید تو نہیں ہے۔ مگر سرکش ہے۔ اِسے لگام کے ذریعے قابو میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی گھوڑے کو لگام دی تو سوار کی مرضی جدھر جائے اور اگر بے لگام چھوڑا تو گھوڑے کی مرضی جدھر جائے۔ اِس نفس میں ذکر یا اللہ، یا اللہُ، کیا جاتا ہے۔ **اِس نفس کے نور کا رنگ زرد ہے۔**

(3) نفسِ مُلْہِمَہ یا نفسِ الہامہ:۔

یہ دل میں نیکی اور اطاعت کے خیالات ڈالتا ہے۔ یعنی الہام کرتا ہے۔ اِس نیک الہام کے باعث اِسے مُلْہِمَہ کہتے ہیں (مُلْہِم نامی ایک فرشتہ الہام کرتا ہے)۔ طبیعت نیکی سے اس طرح مانوس ہوجاتی ہے کہ نیکی کے ترک کرنے سے طبیعت میں مایوسی اور غم کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ جس کا ازالہ پھر اعمال صالح کے ذریعے ہوتا ہے۔

نفسِ مُلْہِمَہ یا نفسِ الہامہ کی خصوصیات اوران کی مثالی صورتیں

کافر، ملحد، کسی بے دین کا دیکھنا، داڑھی منڈھا ہوا آدمی دیکھنا، لنگڑا، اندھا، بہرا، گونگا، اور بے ریش کا دیکھنا، یا کسی بدعقیدے والے کو دیکھنا۔

1۔ خواب میں کافر، ملحد اور بے دین کا دیکھنا، دین میں نقصان کی علامت ہے

2۔ داڑھی منڈھا ہوا شخص دیکھنا شریعت پر عمل میں نقصان اور کمزوری کی علامت ہے۔

3۔ لنگڑے کو دیکھنا اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دیکھنے والا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے۔ لیکن خود دین پر عمل نہیں کرتا یا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں کرتا۔

4۔ بے ریش وغیرہ کا دیکھنا اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے

5۔ اندھے کا دیکھنا حق اور سچ چھپانے اور بہرے کا دیکھنا حق اور شریعت کی بات نہ سننے اور اِن باتوں پر کان نہ دھرنے کی طرف اشارہ ہے

6۔ گونگے کا دیکھنا سچی بات نہ کہنے پر دلالت کرتا ہے

7۔ کسی بدعقیدے کا دیکھنا مذہب میں خرابی کی دلیل ہے

نفس مُلْہِمَہ سے آگے ترقی کرنے کے لیے ذکر "یا حی یا قیوم" کیا جاتا ہے۔ **اِس نفس کے نور کا رنگ سرخ ہے۔**

(4) نفسِ مُطْمَئِنَہ:۔ یہ چوتھا نفس ہے جو بُری خصوصیات سے بالکل صاف ہوجاتا ہے۔ نیک اور پاکیزہ خصائص کے باعث بارگاہ رب العزت سے اپنا تعلق قائم کر کے حالت اطمینان پر فائز ہوجاتا ہے۔

خواب میں نفسِ مُطْمَئِنَہ کی مثالی صورتیں:۔

قرآن مجید کی زیارت، انبیائکرام کی زیارت، خانہ کعبہ، مدینہ منورہ، جامع مسجد، مدرسہ، جھنڈا، تیر کمان، بندوق یا دیگر اسلحہ وغیرہ کا دیکھنا۔

مثالی صورتوں کی تعبیرات

1۔ قرآن مجید کو خواب میں دیکھنا، صفائے قلب پر دلالت کرتا ہے

2۔ انبیاءکرام کی زیارت، ایمان اور اعمال صالح پر دلالت کرتی ہے

3۔ بادشاہ کا دیکھنا، عبادات اور ریاضت کی طرف رجوع کا اشارہ ہے

4۔　خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کی زیارت دِل کا وسوسوں اور وہموں سے پاک ہونے کو ظاہر کرتا ہے

5۔ جامع مسجد، مدرسہ، جھنڈا، تیر کمان، بندوق اور دیگر اسلحہ وغیرہ حسبِ حال وسوسوں کی موجودگی پر دلالت کرتا ہے اور یہ رہنمائی ہوتی ہے کہ ان کا مزید ازالہ کیا جائے۔

نفس مطمنہ کے مقام پر مؤثر ذکر "یا حق" ہے **اِس نفس کا رنگ سفید ہے۔**

ایک اہم نکتہ:- یہ بات ذہن نشین رہے کہ بعض اوقات مذکورہ بالا اشیاء کے خواب کبھی کسی کو اتفاقیہ طور پر بھی آ جاتے ہیں۔ اُس صورت میں ان کی تعبیرات حسبِ حال الگ الگ ہوں گی۔ اور ان کا مقصد نفس مطمئنہ کا حاصل ہو جانا نہ ہوگا۔ کیونکہ خواب کے ساتھ ساتھ صفاتِ نفس کی طرف بھی دیکھنا ہوتا ہے۔

بنیادی چیز صفات نفس ہے۔ بعض اوقات عام گناہ گار شخص کو بھی کسی خاص وقت یا عمل یا کسی خاص کیفیت کے باعث انبیا علیہ السلام یا صحابہؓ میں سے کسی کی زیارت ہو جاتی ہے۔ اور اِس طرح دیگر مقامات مقدسہ کی بھی، لیکن یہاں اِس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اُسے نفسِ مطمئنہ حاصل ہو گیا ہے۔ بلکہ اِس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اِس شخص کے نفس پر کبھی کسی خاص وقت میں یا کسی خاص سبب سے عارضی طور پر ایسی تجلی وارد ہوتی ہے کہ جو نفسِ مطمنہ کی کیفیات کے ساتھ جزوی اور عارضی مماثلت پیدا کر دیتی ہے۔

مثلاً یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اُس شخص نے کوئی خاص صدقہ یا خیرات کیا۔ کبھی عبادت زیادہ کر لی کبھی ذکر زیادہ کر لیا۔ حج کر لیا یا عمرہ کر لیا، تلاوت قرآن پاک زیادہ کر لی، لیلۃ القدر یا شب برات میں قیام کر لیا، کبھی اپنے گناہوں پر بہت رویا، توبہ اور ندامت گناہوں پر بہت کر لی۔ ماں باپ کی خدمت کی، صلہ رحمی کی، کسی مظلوم کی فریاد رسی کی، والدین کو بہت زیادہ خوش کر دیا، کسی بزرگ یا ولی کی زیارت کی۔ کسی حلقہ ذکر میں شرکت کی، کسی محفل میلاد میں شرکت کی کبھی درود شریف زیادہ پڑھ لیا۔ الغرض اِس سے کوئی ایسا نیک کام شعوری یا لاشعوری طور پر صادر ہو جاتا ہے۔ جس کا نور اس کے نفس اور قلب و باطن پر وارد ہوتا ہے۔ اور اس سے عارضی طور پر اس کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ نفس مطمئنہ کی ملکوتی کیفیت کے ساتھ اُسے عارضی طور پر ایک جزوی سی مناسبت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور اس کا مشاہدہ، وہ نیک خواب کی صورت میں کر لیتا ہے۔ بعد ازاں وہ حالت برقرار نہیں رہتی۔ اِس لیے وہ کیفیت بھی زائل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اُس کا نفس مطمَئنہ نہ تھا امارہ یا مُلْھِمَہ تھا۔ یہ کیفیت جگنو کی چمک یا بادلوں سے پیدا ہونے والی چمک کی مانند ہوتی ہے۔ اور ہر مسلمان پر کبھی نہ کبھی وارد ہوتی رہتی ہے۔ اور اِس کے حسبِ حال آتی جاتی رہتی ہے۔

(5)　<u>نفس رَاضیہ</u>:۔

یہ پانچواں نفس ہے۔ جس میں باری تعالیٰ کے جملہ فیصلوں پر اُس کی مشیت پر اور اُس کے جملہ احکامات پر راضی اور خوش ہونے کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔

بصورت خواب اِس نفس کی مثالی صورتیں:- فرشتوں، حوروں، جنت، براق، غلماں، جنتی زیور، جنتی پوشاک وغیرہ کا دیکھنا، سورج، چاند، تاروں وغیرہ کا دیکھنا۔

ان صورتوں کی تعبیرات

(1)　فرشتوں، حوروں، جنت، براق، غلماں، جنتی زیور، جنتی پوشاک وغیرہ کا دیکھنا اُس کے قربِ الٰہی پر دلالت کرتا ہے۔

(2)　سورج، چاند، تاروں وغیرہ کا دیکھنا معرفتِ الٰہی ملنے کی خوشخبری کی طرف اشارہ ہے کہ انشاءاللہ یہ نعمت اُسے عطا کی جائے گی۔

اس نفس میں موثر ذکر "یا واحد" ہے۔ **اِس نفس کے نور کا رنگ سبز ہے۔**

(6)　<u>نفس مرضیہ</u>:۔

یہ چھٹا نفس ہے۔ یہ نفس کا سب سے کامل درجہ ہے۔ جب نفس انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہنے لگے اور اس کے مقام رضا میں تنزل نہ آئے۔ تو، مقام کی یہ استقامت اُسے مرضیہ کے درجے پر فائز کر دیتی ہے۔ نفس کا اللہ سے راضی ہونا مقام رَاضیہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اِس نفس انسانی سے راضی ہونا مقام مَرضیہ ہے اور یہ دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں۔

<u>بصورت خواب اِس نفس کی مثالی صورتیں</u>:- اس کی صفات میں نرمی، عفو، درگزر، لطف و کرم، جملہ اخلاق حسنہ، قرب الٰہی اور اتباع رسول خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ پچھلے پاکیزہ نفوس کے خواص وصفات جو پہلے حاصل ہوئے تھے وہ اگلے مقام میں نہ صرف برقرار رہیں بلکہ ان میں دوام اور تیزی پیدا ہو جائے۔

اِس مقام کی مثالی صورتوں میں ساتوں آسمان کا دیکھنا زمین، چاند، ستارے، آسمانی بجلی کی کڑک، آگ، جلتی ہوئی شمعیں، روشنی قندیل، روشن چراغ وغیرہ شامل ہیں۔

<u>ان کی تعبیرات</u>

(1)　آسمانوں کا دیکھنا، اس کی نگاہ کا دائماً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی طرف اشارہ ہے

(2) کسی ستارے کا دیکھنا، اس کے نفس کا نور ہے

(3) آگ کا دیکھنا، اِس کے نفس کے فنا ہونے کی طرف اشارہ ہے

(4) چاند کا دیکھنا، قلب کا منور ہونا ثابت کرتا ہے

(5) سورج کا دیکھنا، روح کی تابانی کی طرف اشارہ ہے، یعنی روح منور ہوگئی ہے

(6) بجلی کی چمک کا دیکھنا یا سُننا، اِس کے نفس کی غفلت کی صورت میں تنبیہ کی طرف اشارہ ہے (یعنی توبہ کی توفیق)

(7) شمع اور چراغ کا دیکھنا بھی دل کے نور کی طرف اشارہ ہے۔

نفس مرضیہ میں ذکر "یا اَحد" ہے۔ **اس نفس میں نور کا رنگ سیاہ ہے۔**

(7) <u>نفس کاملہ</u>

یہ ساتواں نفس ہے اور یہ کاملیت کا آخری مقام ہے۔ درج ذیل آیات کریمہ میں اسی مقام نفس کی طرف اشارہ ہے:

يٰاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ۝ (سورۃ الفجر 27 : 89) ترجمہ: ''اے نفس مطمئنہ''

ارۡجِعِيۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً ۝ (سورۃ الفجر 28 : 89) ترجمہ: ''اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ اس حالت میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی''

فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ ۝ (سورۃ الفجر 29 : 89) ترجمہ: ''پھر تو میرے کاملی بندوں میں داخل ہوجا''

وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ ۝ (سورۃ الفجر 30 : 89) ترجمہ: '' اور میری جنت میں داخل ہوجا''

(اے نفس مطمئنہ، اپنے رب کی طرف لوٹ آ، اِس حالت میں کہ تو اِس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پھر تو میرے کامل بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں سیر کر)

<u>نفس کاملہ کی صفات:-</u> گوشہ نشینی، خلوت، عبادت، خاموشی، سچائی، مددگاری، ایفائے عہد، فرمانبرداری، حق اور نسبت عبدیت (بندہ ہونے کے ناطے سے اللہ کے ساتھ تعلق) اور نسبت

محمدیت (امتی ہونے کے ناطے سے محمد خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ تعلق) دونوں میں کمال درجے کا پایا جانا۔

<u>اس نفس کی مثالی صورتیں:-</u> بارش، برف باری، اولے، ندی نالے، چشمے، نہری پانی، دریا، کنویں وغیرہ کا دیکھنا۔

<u>ان کی تعبیرات:-</u> یہ سب چیزیں راہ حق کے کھل جانے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اور کھل جانے کی علامات ہیں۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سورہ العنکبوت، آیت نمبر 69)

"جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں، ہم اُن پر اپنی سب راہیں کھول دیتے ہیں"

بارش رحمت الٰہی پر دلالت کرتی ہے۔ برف باری اور اولے رحمت میں کثرت پر دلالت کرتے ہیں۔

ندی، نہریں، دریا، چشمہ، معرفت الٰہی اور حصول اخلاص پر دلالت کرتے ہیں۔ اِس نفس میں موثر ذکر "یا واحدُ یا احدُ" ہے۔

اِس نفس میں نور کا رنگ سفید (بے رنگ) یا جامنی ہوتا ہے۔

****

اصلاح نفس کے طریقے

اصلاح نفس کے چار طریقے ہیں:-

1- مُشَارَطَہ:- اپنے نفس کے ساتھ شرط لگانا کہ گناہ نہیں کروں گا۔ ہر صبح نفس کے ساتھ شرط لگائی جائے کہ آج دن بھر گناہ نہیں کروں گا۔

2- مُراقَبَہ:- کہ آیا گناہ تو نہیں کیا؟؟؟ دن بھر اپنی نگرانی کرتے رہیئے کہ گناہ نہ ہوجائے۔

3- مُحَاسَبَہ: - کہ اپنا حساب کرے کہ کتنے گناہ کئے اور کتنی نیکیاں کیں۔ رات سونے سے پہلے تنہائی میں دن بھر کا جائزہ لیا جائے کہ کیا کیا غلط ہوا اور کیا اچھا ہوا؟؟

4- مُؤاخَذہ :- کہ نفس نے دن میں جو نافرمانیاں کیں ہیں اس کو سزا دینا اور وہ سزا یہ ہے کہ اس پر عبادت کا بوجھ ڈالے۔ جو غلط ہوا اس پر شرمندگی کے ساتھ استغفار کر لے اور جو اچھا کیا اس پر خوب اللہ رب العزت کا شکر ادا کرے۔

ارکانِ طریقت

ارکانِ طریقت مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ محاسبہ	2۔ مجاہدہ	3۔ مراقبہ	4۔ تواضع	5۔ توکل
6۔ شکر	7۔ صبر	8 ۔ رضا	9۔ صدق	

1۔ محاسبہ:- یعنی ہر وقت یہ معلوم کرتے رہیں کہ گزرا ہو لمحہ حضوری میں گزرا یا غیر حضوری میں

2۔ مجاہدہ :- مجاہدہ کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: (سورۃ العنکبوت، آیت نمبر-69)

ترجمہ: "جو لوگ ہماری راہ میں سعی اور کوشش کرتے ہیں ہم اپنے راستے ان کو خود بتا دیتے ہیں"-

مجاہدے کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔

1۔ شدید بھوک کے بغیر نہ کھائے

2۔ نیند سے مغلوب ہوئے بغیر نہ سوئے

3۔ بے ضرورت نہ بولے

عوام اور خواص کا مجاہدہ

عوام کا مجاہدہ :- عام لوگوں کا مجاہدہ یہ ہے کہ اعمال کو پوری طرح انجام دیں اور احکامات کو بجا لائیں۔

خواص کا مجاہدہ:- واص کا مجاہدہ یہ ہے کہ اپنے احوال کا تصفیہ کریں اور کرتے رہیں ، بھوک اور پیاس برداشت کرنا اور شب بیداری ہلکا مجاہدہ ہے۔ اخلاق کا علاج دشوار اور مشکل مجاہدہ ہے۔ مجاہدہ چار چیزوں کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

1۔ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا　2۔ ابلیس کو اللہ کا دشمن جاننا　3۔ خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرنا　4۔ ہر عمل خاص اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا

3۔ مراقبہ

خالق پر اِس طرح نظر رہے کہ مخلوق پر نظر پڑے ہی نہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے احسان کا مطلب پوچھا تھا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے جواب دیا "احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اِس طرح کرو گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو، اور تم اُس کو نہیں دیکھ رہے تو یہ کیفیت ہی بن جائے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے- "

لہذا مراقبہ یہ ہے کہ ، بندے کی کیفیت یہ ہو جائے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور وہ میرے تمام اعمال پر مطلع ہے اِس احساس کے ہمیشہ باقی رہنے کا نام مراقبہ ہے۔ مراقبہ معرفت خداوندی کی اساس ہے۔ پس جب بندہ یقین راسخ کے ساتھ اِس بات کو اپنے دل میں جما لے گا کہ اُس کے تمام امور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ اور وہ مجھ پر شاہد ہے۔ مجھ سے واقف ہے اور اُس کا علم میرے اوپر محیط ہے۔ اُس وقت اُس کو اپنے اِس محاسبے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے گی۔ پھر بندہ اُس کام کو کرے گا جو اللہ کو پسند ہو۔ یہ مقام اُن لوگوں کو ملتا ہے جو عارف، متقی، زاہد، اور خدا سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ جب یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو بندے کو مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے۔ مشاہدہ دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے " : اپنے پیٹ بھوکے رکھو ، حرص کو چھوڑ دو، جسموں کی زیبائش نہ کرو۔ تمناؤں کو گھٹاؤ ، جگر پیاسے رکھو ، دنیا سے کنارہ کشی کرو، تا کہ تمہارے دل اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کریں-"

4۔ تواضع:- تواضع یہ ہے کہ بندہ جس سے بھی ملے اُس کو اپنے مقابلے میں افضل سمجھے اور یہ خیال کرے کہ ممکن ہے کہ یہ شخص اللہ کے نزدیک مجھ سے ہزار درجے بہتر ہو۔ تواضع اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا دروازہ ہے۔ تواضع رحمت کا دروازہ ہے۔ تکبر کی راہ کو قطع کرنے اور خود پسندیوں کی رسیوں کو کاٹنے کا ذریعہ ہے۔ یہی عبادت کا فخر ہے اور یہی زاہدوں کا شرف۔ بندے کو چاہیے کہ تمام احوال میں اپنے دل سے کینہ ، حسد ، برتری اور تکبر کو نکال دے ، بندے کی زبان ، اس کا کلام ، اس کا ارادہ ، ظاہر

اور باطن میں یکساں ہو وہ تمام مخلوق کا یکساں خیر خواہ ہو۔ جب کسی عالم سے ملے تو یہ خیال کرے کہ اس عالم کو جو چیز ملی ہے وہ مجھے نہیں ملی۔ یہ جانتا ہے اور میں نہیں جانتا۔ اِس لیے مجھ پر اس کی عزت اور قدر واجب ہے۔ جاہل سے ملے تو یہ خیال کرے کہ اِس نے نادانی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔ اگر اِس کو میرے جیسا علم ہوتا تو میرے جیسا عمل بھی کرتا۔

5۔ توکل :- توکل کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔ (سورہ طلاق، آیت نمبر 3) ترجمہ: "جس نے اللہ پر بھروسہ کیا تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے کافی ہے "

توکل کی تعریف:- توکل کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔

توکل کے درجے:- توکل کے تین درجے ہیں 1۔ توکل 2۔ تسلیم 3۔ تفویض

(1) توکل اپنے رب کے وعدے پر مطمئن ہو کر سکون حاصل کر لینا ہے (2) صاحب تسلیم اللہ کے علم کو اپنے لیے کافی سمجھتا ہے

(3) اور صاحب تفویض اللہ کے حکم پر ہر حال میں راضی اور خوش ہوتا ہے

اس کا مطلب یہ ہوا کہ توکل ابتدا ہے تسلیم اس کا درمیانی حصہ اور تفویض اِس کی انتہا۔

پس اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اعتماد کرنا اور لوگوں کی خدمت اور اختیار سے ناامید ہونے کا نام توکل ہے۔

(6) شُکر:- اہلِ تحقیق نے شُکر کی حقیقت میں کہا ہے کہ یہ عاجزانہ طور پر منعم کی نعمت کا اعتراف کرنا ہے۔ بندے کی طرف سے اللہ کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا زبان سے، ، ذکر سے، دل سے اور حال سے شُکر کرے۔

شُکر کی قسمیں:- شُکر کی قسمیں مندرجہ ذیل ہیں

(1) زبان کا شُکر :- زبان کا شُکر یہ ہے کہ عاجزانہ طریقے پر اللہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف اور اقرار بھی کرے۔ ''پس اپنی نعمتوں کو شکر سے قید کر لو''۔

(2) بدن اور اعضا کا شکر :- اللہ تعالیٰ کی وفاداری اور خدمتِ خلق کے ساتھ شکر گزاری ہے۔

(3) آنکھوں کا شکر:- یہ ہے کہ اپنے ساتھی کے عیب کو دیکھ کر اُس سے اغماض کرے اور اُس کی پردہ پوشی کرے۔

(4) کانوں کا شکر :- یہ ہے کہ ساتھی کے عیب کو سُن کر چھپائے اور اچھے انداز میں اُس کو سمجھا دے۔ یاد رہے کہ دین میں تضحیک نہیں ہے تصیح ہے۔

(5) مال کا شکر :- مال کا شکر لوگوں میں مال کو تقسیم کرنا ہے۔

(6) علم کا شکر:- علم کا شکر لوگوں میں علم کو تقسیم کرنا ہے۔

یہ شکر نہیں ہے کہ مال تجوریوں میں بھر کر رکھ لیا جائے ، اور چائے کی پیالی پینے کے بعد الحمد اللہ کہہ لیا جائے۔ موجودہ دور میں لوگوں کا کچھ یہ حال ہو گیا ہے کہ شکر صرف اور صرف مال ہی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ جسمانی نعمتیں نظر نہیں آتیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ: (سورۃ البقرہ، آیت نمبر-152) ترجمہ: "تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اور شکر کرو ناشکری نہ کرو "-

سورۃ النساء، آیت نمبر-147 میں ارشاد ہوتا ہے: ترجمہ: "اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور باایمان رہو" -

(سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر-144 میں ارشادِ ربانی ہے: ترجمہ: "اور ہم بہت جلد شکر ادا کرنے والوں کو اجر دیں گے"-

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ " روزِ قیامت ندا ہو گی کہ بہت حمد کرنے والے کھڑے ہو جائیں چنانچہ ایک گروہ کھڑا ہو گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا"- لوگوں نے عرض کی "یا رسول اللہ بہت حمد کرنے والے کون لوگ ہیں"؟ اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اللہ کا شکر ادا کرنے والے "- (مشکوۃ)

(7) صبر:- اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا : (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر-200) ترجمہ: "اے ایمان والو صبر کرو اور ڈرو اللہ سے تا کہ تم فلاح پاؤ "

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے ہاں بندے کے لیے ضرور ایک ایسا درجہ ہوتا ہے کہ اِس درجے تک وہ اپنے عمل کے ذریعے نہیں پہنچ سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اِس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور بندہ جب اس مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اِس درجے کے قابل ہو جاتا ہے"- (مسند احمد)

صبر کی قسمیں (1) اللہ کے لیے صبر (2) اللہ کی مشیت پر صبر (3) اللہ کے وعدوں پر صبر

بعض اصحاب کا قول ہے کہ صبر کرنے والے تین طرح کے لوگ ہیں:

(1) اول وہ جو تکلف اور جبر کے ساتھ صبر کرنے والے ہیں (2) عام صبر کرنے والے (3) بہت زیادہ صبر کرنے والے

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے "صبر مع اللہ یعنی مشیت الٰہی پر صبر، یعنی مرضی اللہ پر صبر، مشکل ترین صبر ہے"۔ آپؒ نے یہ بھی فرمایا" منہ بگاڑے بغیر کسی کڑوی چیز کا ایک ایک گھونٹ کر کے پینا صبر ہے"۔ بعض کا قول ہے " ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا صبر ہے"۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (سورۃ نحل، آیت نمبر-96) ترجمہ: "صبر کرنے والوں کو ان کا اجر پورا پورا بے حساب دیا جائے گا"

حضرت انسؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: " اللہ تعالیٰ کو بندے کے دو گھونٹ کے علاوہ کوئی گھونٹ محبوب نہیں، ایک غصہ کا گھونٹ کہ حِلم کے باعث پی جائے، اور دوسرا مصیبت کا گھونٹ کہ صبر کے باعث پی جائے۔" (مسند احمد)

<u>(8) **رضا:-**</u> رضا کی اصل اللہ تعالیٰ کی یہ آیت ہے: (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 119۔ سورۃ المجادلہ، آیت نمبر 22، سورۃ البینۃ، آیت نمبر 8)

ترجمہ: "اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔"

"ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضا کی بشارت دیتا ہے"۔ (مفہوم سورۃ الاحقاف آیت نمبر 12)

حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" : اُس شخص نے ایمان کا مزا چکھ لیا، جو اپنے رب کی ربوبیت سے راضی ہو گیا "(صحیح مسلم)

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت علیؓ کو کہا کہ " کُل بھلائی اللہ کے علم پر راضی رہنے میں ہے، پس اگر تم راضی رہ سکو تو بہتر ہے ورنہ صبر کرو "

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سورۃ البقرہ، آیت نمبر-216) ترجمہ: "اور جس چیز کو تم ناگوار سمجھتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو، اور جس چیز کو تم پسند کرتے ہو شاید تمہارے لیے بُری ہو، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے "۔

رضا کی دو قسمیں ہیں: (1) اللہ پر راضی رہنا (2) اللہ سے راضی رہنا

(1) اللہ پر راضی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو صاحبِ تدبیر مانے۔

(2) اللہ سے راضی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم اور صاحب فیصلہ ہونے کی حیثیت سے جو فیصلہ کرتا ہے ان فیصلوں سے راضی رہے۔

پس صاحب رضا وہ بندہ ہے جو تقدیر خداوندی پر اعتراض نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے فرمایا" : اے محمد (خاتم النبیین ﷺ) لوگوں کو جو ہم نے رونق دنیا عطا کر رکھی ہے۔ تم اُس کی طرف نظر نہ اُٹھاؤ "

یعنی ہم نے جو آپ خاتم النبیین ﷺ کو نبوت، ولایت، صبر اور قدرت عطا کی ہے وہ ان چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو ان دنیا والوں کو دی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ خدا کے حضور میں اپنا اختیار ترک کر دینا رضا ہے۔

رضا کا ادنیٰ درجہ:- رضا کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا بندوں سے ہر طرح کی امید کو منقطع کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا بندوں سے آس لگانے کی مذمت کی ہے۔

حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا'' آزمائش جتنی سخت ہوگی اتنا ہی بڑا انعام ملے گا اور اللہ تعالیٰ جب کسی گروہ سے محبت کرتا ہے اور اُن کو مزید نکھارنے اور صاف کرنے کے لیے آزمائشوں میں ڈالتا ہے، اور وہ لوگ اللہ کے فیصلہ پر راضی رہیں اور صبر کریں تو اللہ اُن سے خوش ہوتا ہے اور جو لوگ اِس آزمائش میں اللہ سے ناراض ہوں تو اللہ بھی اُن سے ناراض ہوتا ہے"۔ (بخاری، ترمذی)

<u>(9) **صدق:-**</u> صدق کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: (سورۃ التوبہ، آیت نمبر-119) ترجمہ: "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو"۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ": بندہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کا قصد کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اُسے بارگاہِ الٰہی میں صدیق لکھ دیا جاتا ہے "(صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ ''اے داؤد جو مجھے اپنے دل میں (باطن میں) سچا جانے گا، میں اُس کو مخلوق کے اندر سچا کر دوں گا''۔

صدق نبوت کے دوسرے درجے پر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سورۃ النساء، آیت نمبر-69) ترجمہ: "جو لوگ راست باز ہیں وہ صدیقوں، شہیدوں، اور نیکوکاروں کے ساتھ ہوں گے"۔

"باطن کے موافق زبان سے ادا کرنا صدق ہے۔ **گویا صدق نام ہے ظاہر اور باطن کی یکسانیت کا"۔**

ایک بزرگ نے کہا " جو شخص فرض دوامی (ہمیشہ رہنے والا فرض) ادا نہیں کرتا اُس کا وقتی فرض بھی قبول نہیں ہوتا"۔ کسی نے پوچھا " فرض دوامی کیا ہے" ؟ آپ نے جواب دیا"صدق" پھر فرمایا" جب تُو اللہ سے صدق کے ساتھ طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے ایک آئینہ دے گا جس میں دنیا اور آخرت کے عجائب تجھ پر ظاہر کر

دیئے جائیں گے"۔

تصوف یا روحانیت میں ترقی کے راز

روحانیت میں کامیابیاں حاصل کرنے کیلئے ایسے راز ہیں جو عموماً اہل طریقت پر بہت مدت کے بعد کھلتے ہیں۔ یہ راز اگر طریقت پر چلنے والوں پر ان کے اولین ایام میں کھول دیئے جائیں تو ان کی آخری منزل کی بلندیوں میں بہت نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے۔ صرف وہی شیخ قابل اقتداء ہے جو رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی شان میں زبان درازی اور گستاخی کرنے والا نہ ہو اور اس کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے مطابق ہو۔ جو شخص حضرات اہلسنت والجماعت (مثلاً داتا گنج بخشؒ، مجدد الف ثانیؒ معین الدین چشتیؒ، مولانا محمد قاسم موہڑوی، پیر مہر علی شاہ صاحب اور میاں شیر محمد شرقپوریؒ یا ایسے دیگر اولیا کو ممتاز بزرگ اور قابل اتباع نہ جانتا ہو اس کی بیعت سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

1۔ سب سے بڑا راز اولیاء کے ساتھ ہمہ وقت ربط رکھنا: - یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ روحانیت صرف بزرگوں سے ربط رکھنے کا نام ہے۔ مرید کو اپنا دلی لگاؤ ہر وقت مشائخ سلسلہ کے ساتھ منسلک رکھنا چاہیے اور اپنی زندگی کو ان کی زندگیوں کے مطابق ڈھالنے کی زبردست آرزو رکھے۔ مرید خود کو ان کا ساتھی اور شریک کار سمجھے۔ ان سے روحانی عقیدت اور محبت رکھے اور ہر وقت خود کو ان کے راستے پر چلنے والا اور ایک ہی روحانی لڑی میں پیوستہ تصور کرے۔ جب کسی بزرگ سے اس قدر ربط پیدا ہو جائے تو اس بزرگ کی صفات بھی مرید کے باطن میں ظہور پذیر ہونا شروع ہو جائیں گے۔ ایسا مرید اپنے شیخ کا رنگ روپ اپنے اندر جذب کر لے گا۔ دل میں یہ احساس قائم رکھنے سے کہ میں اسی راہ کا مسافر ہوں جس راہ کے مسافر حضرت بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ اور حضرت باقی باللہ وغیرہ تھے۔ اس سے مرید کی روحانیت کو تقویت ملتی ہے۔ جناب علامہ بدرالدین سرہندیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ بارہ سال کی عمر میں تھے کہ عشاء کی نماز خرقان میں جماعت کے ساتھ پڑھ کر حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار پر انوار پر جا کر کھڑے ہو جاتے تھے اور آپ کی روح پر فتوح سے برکات کے منتظر و مراقب رہتے اور کہتے کہ " خدایا جو تونے بایزیدؒ کو دیا ہے ابوالحسنؒ کو بھی عنایت فرما" ۔ اس کے بعد آپؒ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز خرقان میں واپس آ کر پڑھ لیتے۔

بایزیدؒ کے ساتھ عقیدت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بایزیدؒ ہم میں ایسے ہیں جس طرح فرشتوں میں جبرائیل علیہ السلام ہیں" ۔ عقیدت جس قدر ہوگی مقام کا تعین بھی اسی کے مطابق ہوگا۔ اگر عقیدت میں کمی ہو تو فیوضات میں ترقی کا سوچنا بھی خطا ہے۔

روحانیت کے دیگر کلیدی نکات: - بزرگوں کے ساتھ ربط و عقیدت کے علاوہ حسب ذیل نکات پر عمل پیرا ہونے سے بہت اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ سالک کو چاہیے کہ ان نکات کو اہم تصور کرے۔

(i) پابندی شریعت اور شیخ سے محبت: - جو لوگ نماز و روزہ اور دیگر ضروری احکام کو نظر انداز کر دیتے ہیں وہ روحانیت میں کچھ مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ انکو عملیات کے شغل کے ذریعے اگر کچھ مل جائے تو اور بات ہے۔ حضرت مجدد الرحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر دو چیزوں میں فطور نہ ہو تو غم کی ضرورت نہیں۔ ایک اتباع شریعت اور دوسرے اپنے شیخ سے محبت اور اخلاص ان دو چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں طاری ہو جائیں تب بھی ڈر کی بات نہیں۔ اگر خدانخواستہ دونوں میں سے کسی ایک میں نقصان پیدا ہو گیا تو خرابی ہی خرابی ہے۔ اللہ کے آگے آہ زاری کر کے ان دونوں پر استقامت کی دعا کرتے رہیں۔ یاد رہے کہ مرید اگر پیر کی ذات سے محبت نہیں کرتا تو اس کے لیے کمالات کا حاصل ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ پیر اگرچہ مرید سے محبت بھی کرتا ہو مگر جب تک مرید کو شیخ سے محبت نہ ہوگی تو روحانیت والی بات ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ اگر مرید کے تمام مشکل کام درست ہو جائیں تو مرید کا اعتقاد درست ہوتا ہے اور جونہی کوئی کام مرضی کے مطابق نہ ہو تو مرید صاحب اپنے پیر سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ ایسا خیال کرنا مرید کیلئے زہر قاتل ہے۔ اگر ایک سو میں سے پانچ کام نہ بھی ہوئے تو کیا ہوا۔ تمام بزرگ ہمیشہ مشکلات میں گرفتار رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے طویل مدت تک مصائب میں مبتلا رکھا اور تمام انبیاء مشکلات کے ساتھ جہاد کرتے رہے۔ اگر مرید کا کوئی کام رک گیا تو کیا مصیبت ٹوٹ پڑی؟۔ بیعت تو وصل الٰہی کیلئے ہوتی ہے نہ کہ دنیاوی کاموں کو درست کرنے کیلئے اگر کسی بات پر مرید کے دل میں ذرہ برابر بھی میل آ گیا تو روحانی ترقی کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ شیخ کے ساتھ کامل محبت ہو تو دینی مراحل طے ہونے کے ساتھ ساتھ دنیاوی مرادیں بھی بر آتی ہیں اور اگر کوئی مشکل کام رہ بھی جائے تو اس میں کچھ مرید کی بہتری کا سامان ضرور ہوتا ہے۔

باطنی ترقی شریعت کی بجا آوری سے وابستہ ہے مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کا خیال دور کرنا طریقت اور حقیقت ہے۔ اگر جھوٹ کی نفی مشقت و تکلیف سے ہے تو یہ طریقت ہے اور بغیر تکلیف کے جھوٹ نہ بولے تو اسے حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ شریعت سے اجتناب

کرتے ہیں اور نماز و روزہ کی پابندی سے بھی محروم ہیں تو ایسے جھوٹے پیر بزرگی کے پاس بھی نہ پھٹک سکیں گے۔ البتہ عملیات کے بل بوتے پر کچھ کمالات پیدا کر سکیں تو یہ اور بات ہے ایسے لوگ بزرگی کی حقیقت سے خالی رہتے ہیں۔

2۔ دائمی حضوری :- دائمی حضوری کو قائم رکھنا روحانی درجات حاصل کرنے کی ضرورت میں سے ہے۔ بار بار حضور قلب کی مشق ہو تو بالآخر دائمی حضوری میسر ہو جاتی ہے۔

3۔ عشق رسول خاتم النبیین ﷺ اور عشق اولیاء :- جو لوگ حضور خاتم النبیین ﷺ کی شان میں گستاخی نہیں کرتے بلکہ ان کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کی محبت ہی اہل طریقت کو نفع بخشتی ہے۔

4 ۔ اورادو وظائف کی پابندی:- مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی ہدایت کی مطابق اوراد و وظائف کی کثرت کرے اور ان کی پابندی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اگر کثرت سے اوراد و وظائف کی پابندی نہیں ہوگی تو روحانیت کا پیدا ہونا بہت دور کی بات ہوگی۔

5۔ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھنا :- جب تک ذکر کی گرمی کافی مقدار میں نہ پہنچائی جائے تو روحانیت کا چراغ کبھی بھڑک نہیں سکے گا۔

6۔ صحبت اولیائے کرام :- صحبت سے جو بات میسر ہوتی ہے وہی بات عملی کیفیات پیدا کرتی ہے لیکن صحبت ایسے شخص کی نہ ہو جو محض عالم ہو اور بزرگی سے تہی دامن ہو۔

7۔ مطالعہ کتب روحانی :- روحانی کتب کا مطالعہ ہو تو سالک کے دل میں روحانی امور سے آگہی پیدا ہوتی ہے اور پھر ان پر عمل کرنے سے روحانیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم تو بذات خود عمل اور خدا کی معرفت پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔ آج تک کوئی ایسا بزرگ نہیں گزرا جو بزرگ ہو مگر عالم نہ ہو ، علامہ اقبالؒ اپنی آخری عمر میں مطالعہ کے ترک کرنے پر بھی قرآن اور مثنوی مولانا رومؒ کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان کے پڑھنے سے گرمئ شوق پیدا ہوجاتی تھی۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہ گرمی پیدا ہوجائے تو اور کیا چاہیے؟۔ یہی شوق خود مرشد کا کام دیتا ہے۔ ایک خط میں آپ نے محمد حسین عرشیؒ کو بھی یہی تلقین فرمائی کہ مثنوی کا مطالعہ جاری رکھیں اور مجھ سے کبھی کبھی ملتے رہیں۔ کیونکہ صحبت کبھی ایسے نتائج پیدا کر دیتی ہے جو کسی خواب و خیال میں بھی نہیں آتے۔ جوانی کے دنوں میں آپ جب رات کو مطالعہ کرنے بیٹھتے تو اکثر اوقات صبح کی اذان ہو جاتی ہے۔ یاد رکھیں جو لوگ مطالعہ نہیں کرتے اور خوش گپیوں میں وقت ضائع کرتے ہیں ان کا روحانی معیار بلند نہیں ہوسکتا۔

8۔ مراقبہ اور رفتگان کا حضور:- حضور قلب کے ذریعہ بزرگان اسلاف سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ سیکھا جائے اور عملی طور پر مراقبہ اور حضوری کو حاصل کریں۔ روزانہ عشاء اور فجر کے وظائف میں ذکر کے بعد مراقبہ کرنا اور اس کے بعد حضور حق یا حضور اولیاء میں بیٹھنا بزرگوں کا شعار رہا ہے۔

9۔ امتحان خویش کرنا (اپنا امتحان لیتے رہنا):- اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا اندازہ لگا کر ان کا علاج کریں۔ اپنی کوتاہیوں کا علاج اپنے شیخ کے مشورے سے کریں۔

10۔ قوت مشاہدہ کی صحت :- جب درج بالا تمام معاملات کیطرف توجہ دی جائے تو روحانی کیفیات ، کمالات اور تصرفات پیدا ہو جانا معمول کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر ان میں کمی ہو تو اپنے شیخ سے اس کے متعلق استفسار کرے اور مطلوبہ کمال کے معیار تک خود کو پہنچائے۔

11۔ سلسلہ رشد و ہدایت کو جاری کرے :- درج بالا کیفیات اور احوال کے حاصل کرنے کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ دین سے دور لوگوں میں اپنا فیض اور ہدایت کا نور تقسیم کیا جائے۔ اس مقام پر پہنچ کر لوگوں کی اصلاح کا کام نہایت زور و شور سے شروع کرنا چاہیے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ لوگوں کی اصلاح کا اہتمام کرے گا۔ اس کے روحانی درجات بھی اسی کے مطابق بلند کئے جاتے ہیں۔ یاد رکھیں ایک شخص جو رشد و ہدایت کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک سو عابدوں اور بعض روایت میں ایک ہزار یا ایک لاکھ عابدوں سے بہتر ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے تمام مصائب بھی دور ہو جاتے ہیں اور اس کی دعاؤں میں قبولیت کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ مخلوق خدا ایسے لوگوں کے پاس آتی ہے اور منہ مانگی مرادیں پاتی ہے۔

12۔ درویشوں کا سا اسلوب :- مطالعہ کتب اور صحبت اولیاء اختیار کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ دنیا کی زندگی میں درویشوں کا کیا اسلوب رہا ہے۔ لہٰذا اس اسلوب کو عملی طور پر بھی اپنائے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا طالب رہے اور کبھی زمانے کے حوادثات کو برا نہ جانے اگر اللہ کی طرف سے کوئی مراد پوری ہوتی ہوئی نہ دیکھے تو دل برا نہ کرے۔ بلکہ اس کو خدا کی تسلیم و رضا خیال کرتے ہوئے اپنے دل میں کسی قسم کا خیال نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ اپنے بندوں سے جو چاہیے کرنے کا حقدار ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کوئی غلطی کرے تو اس کی سزا کے طور پر کوئی سختی رونما ہو جاتی ہے۔ جسے انسان پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔

13۔ سنت الٰہی کو توڑنے کی کوشش نہ کرے :- دنیاوی کاموں میں خوب محنت کرو۔ محض دعاؤں پر انحصار نہ کرو بلکہ عملی طور پر کسی چیز کیلئے کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی مہربانی کی امید رکھو اور بزرگوں سے بھی دعا کرواؤ۔ اگر پھر بھی مراد نہ ملے تو دل برداشتہ نہ ہو جاؤ بلکہ اس کو خدا کی رضا کے مطابق سمجھو۔ البتہ اپنی کوششوں میں کمی نہ کرو۔ **سنت الٰہی اس بات پر قائم ہے کہ جو چیز خدا سے طلب کی جائے اس کے لیے کوشش بھی کرنا ضروری ہے۔** ہر کام میں اسباب مہیا کرئے ، ھادی یا رہبر یا شیخ طریقت

کو ضرور پکڑے۔

وہ لوگ جن کا احترام فرشتے بھی کرتے ہیں۔

روحانیت کے مقام پر ایک ایسا مقام بھی آتا ہے کہ فرشتے انسان کا ادب کرنے لگتے ہیں۔

اللہ تعالی نے انسان کو بہت ہی محبت اور پیار سے پیدا کیا ہے اور پھر اس میں ایسے اوصاف پیدا کیے کہ فرشتے بھی انسان کا احترام کرنے لگتے ہیں۔ (امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

قران پاک سورہ النازعات میں اللہ تعالی انسانوں کی ارواح قبض کرنے کے لیے جو فرشتے بھیجتا ہے ان کی کیفیات بتاتا ہے کہ نیک انسان کی روح کس آسانی سے نکالی جاتی ہے اور برے انسانوں کی روح کس سختی سے نکالی جاتی ہے۔ ظاہری جسم سے روح کو الگ کیا جاتا ہے یعنی موت کے وقت انسان سے روح کو ضرور الگ کرنا ہوتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ فرشتے دو طرح کے ہیں: 1- بے دردی سے سلوک کرنے والے 2- انتہائی ادب کے ساتھ سلوک کرنے والے

یہ اس بات پر منحصر ہے کہ مرتے وقت ہماری ظاہری صورت کیا ہے کیونکہ جو ہمیں اب نظر آرہا ہے یہ ہماری اصل صورت نہیں ہے۔ یہ حقیقی صورت نہیں ہے- اس صورت کے پیچھے چھپی ہوئی صورت اصل صورت ہے۔ جس صورت میں ہمیں موت آئے گی۔ جس صورت میں ہم محشر والے دن اٹھائے جائیں گے۔

انسان کی مثالیں صورت اگر انسان اس وقت نفس امارہ کا قیدی ہے تو وہ صورت ایک جانور جیسی ہوگی، ایک بد مانس جیسی، ایک بھیڑ جیسی، ایک لومڑی جیسی، ایک بندر جیسی۔۔۔ اگر وہ نفس امارہ کا قیدی ہے تو ایسی صورت کو ڈیل کرنے کے لیے پھر ایسے ہی فرشتے آئیں گے جو خطرناک طریقے سے سلوک کریں گے---لیکن اس کے برعکس اگر ہماری روحانی صورت بہتر ہو، ایک انسان جیسی ہو یا اس سے بھی بہتر ایک نور جیسی صورت ہو یا ایک فرشتہ جیسی تو پھر اس صورت میں اس انسان کے ساتھ ایک الگ طرح کا سلوک کیا جائے گا- یہ اللہ تعالی کی ذات نے ایک اشارہ دیا ہے کہ دو طرح کے فرشتے ہوتے ہیں اور دو مختلف طرح سے انسانوں کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔

ہمارے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کی مثال ہے کہ اللہ تعالی نے جب حضرت آدم علیہ السلام میں اپنی روح کو پھونکا تھا تو وہاں موجود سب لوگوں کو حکم دیا کہ "سب آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو"۔ سب نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہیں کیا- وہاں پر بھی اللہ تعالی کی طرف سے ایک اشارہ ہے کہ اچھے انسانوں کا فرشتے ادب کرتے ہیں کیونکہ فرشتے فوراً سجدے میں گر گئے تھے۔ وہ اللہ تعالی کے حکم کو بجالائے۔

دیکھنا یہ ہے کہ عام انسان جب اپنا روحانی سفر شروع کرتا ہے تو وہ کس درجے تک پہنچتا ہے کہ فرشتے اس کا ادب کرنا شروع کر دیتے ہیں؟

اس بات کو امام غزالیؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ "انسان میں مختلف قسم کے اوصاف ہوتے ہیں۔۔۔ مختلف قسم کی صفتیں پائی جاتی ہیں۔۔۔ کون سی صفات؟ حیوانیوں کی۔۔۔۔ درندوں کی۔۔۔۔ چوپائیوں کی۔۔۔ شیطانوں کی۔۔۔۔ اور فرشتوں کی۔ یہ پانچوں صفتیں انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔

اگر ہم حیوانوں پر غور کریں ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ حیوان۔۔۔ کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے، مباشرت کرتا ہے۔ یہی صفت انسان کے اندر بھی موجود ہے۔ ہم کھاتے ہیں، پیتے ہیں، سوتے ہیں اور مباشرت بھی کرتے ہیں بلکہ اگر ہم چیک کریں تو حیوانات ہم سے زیادہ طاقتور ہیں وہ کھاتے زیادہ ہیں، پیتے زیادہ ہیں، سوتے زیادہ ہیں اور مباشرت کی قوت بھی ان میں انسانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس حساب سے تو حیوان بہتر ہو گئے---عشق سے خالی انسان بھی حیوان ہوتا ہے-

دوسرا نمبر درندوں کا ہے۔۔۔ درندے چیر پھاڑ کرتے ہیں، جنگ و جدل، چھینا جھپٹی کرتے ہیں۔ درندوں کی غذا ہی یہی ہے اس لیے درندے چیر پھاڑ کرتے ہیں ۔۔ جنگ و جدل کرتے ہیں۔ یہ وصف بھی انسان کی ذات کے اندر موجود ہے، جانور تو اپنی ضروریات کے لیے چیر پھاڑ کرتا ہے۔ انسان تو ناحق دوسروں پر ظلم کرتا ہے- اس لحاظ سے انسان سب سے زیادہ ظالم ہے۔ یہ درندگی میں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ یہ جب درندگی پر آتا ہے تو ایک ہی بم پھوڑ کر لاکھوں انسانوں کو ختم اور محتاج بنا دیتا ہے۔ بے رحمی سے ناحق قتل کرتا ہے۔

اس کے بعد شیطان کا نمبر ہے۔۔۔۔ شیطان کی صفت دھوکہ، جھوٹ، فریب، مکاری، لڑائی، جھگڑا، چالاکیاں، مکاریاں، فریب کے تمام تر اوصاف شیطان میں موجود ہوتے ہیں اور اس طرح انسانوں میں بھی شیطان کے یہ تمام اوصاف کام کرتے رہتے ہیں۔ فریب دینے کی طاقت اور بے رحمی موجود ہے۔ دھوکا اور منافقت موجود ہے- گویا ان تمام صفات میں انسان، حیوان، درندے، چوپائے اور شیطان برابر ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ پھر وہ کون سے انسان ہیں جن کا ادب فرشتے کرتے ہیں؟

وہ ہے انسان کے اندر جو عقل سلیم موجود ہے۔ اس عقل سلیم کی وجہ سے فرشتے انسان کا ادب کرتے ہیں۔ کچھ انسان اسی عقل اور اللہ تعالی کی ذات کے دیے ہوئے علم اور

اس کے احکامات کو مانتے ہوئے اپنے آپ کو عام انسانوں کے درجے سے اوپر لے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انسان پر ایک خاص انعام ہے کہ اس نے انسان کو عقل سلیم عطا فرمائی ہے۔۔ یہ عقل سلیم تمام انسانوں کو دی گئی ہے- یہ صرف انسان کو دی ہے اور یہ اس لیے دی گئی ہے کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنی ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ہمیں حیوانوں، درندوں، چوپایوں اور شیطانوں جیسا ہی رہنے دیتا یعنی اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اس لیے عطا کی ہے کہ ہم اپنی حیوانوں، درندوں، چوپایوں اور شیطانوں کی صفات کو نیچے کر دیں اور فرشتوں کی صفات کو اوپر لے کر آئیں کیونکہ پانچوں صفات ہمارے اندر موجود ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "جب عقل سلیم کا استعمال کرتے ہوئے ہم اپنے اندر موجود درندگی کو، حیوانیت کو، چوپائیت کو اور شیطانیت کو ختم کرتے ہیں تو انسان کے اندر ایک وصف پیدا ہو جاتا ہے جو فرشتوں میں ہوتا ہے اور وہ یہ کہ انسان یاد الٰہی میں مصروف رہنا شروع ہو جاتا ہے۔ یاد الٰہی میں ہر طرح کا ذکر شامل ہے۔۔۔ یعنی عقائد کے بعد فرائض، واجبات، سنت اور مستحب کے بعد حرام کاموں سے بچنا اور پاک روزی استعمال کرنا اس طرح تمام خراب اوصاف حیوانیت، شیطانیت والے اوصاف نیچے آ جائیں گے اور فرشتوں والے اوصاف اوپر آ جائیں گے اور ایک وقت اس یاد الٰہی کو کرتے کرتے ایسا آئے گا کہ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جڑ جائے گا اور یہی وہ چیز ہے جو حقیقت میں انسان کو اشرف المخلوقات کی جانب لے کر جاتی ہے۔ یہ پہلا موڑ ہے جب انسان عقل سلیم استعمال کرتا ہے اور تمام بری صفات کو پیچھے چھوڑ کر یاد الٰہی میں غرق ہو جاتا ہے یعنی **یہ انسان کا پہلا قدم ہے کہ جب انسان عقل سلیم استعمال کرتا ہے**۔ زیادہ تر انسان یہاں پر آ کر رک جاتے ہیں۔ وہ اسی کو کافی سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں! کہ یہاں پر انسان کا رتبہ ختم نہیں ہوتا۔ وہ آگے بہت آگے اور بہت آگے جانے کی اہلیت رکھتا ہے اور بہت آگے جا سکتا ہے"۔ طلب صادق والے اس راہ پر چلتے رہتے ہیں- تربیت پا کر فطرت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے، پھر ماضی اور مستقبل کو یہ راہ ایک نقطے پر مرکوز کر کے ایک ذات واحد میں ضم کر دیتی ہے- لیکن یہ راہ سلوک ہے جو عشق سے خالی انسان کو نظر نہیں آتی-

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ " پھر انسان ذکر الٰہی سے آگے جاتا رہتا ہے اور آخر انسان اس حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ انسان پر دو طرح سے کرم ہوتا ہے یعنی دو صورتیں نازل ہوتی ہیں:

1- پہلی صورت یہ ہوتی ہے کہ رحمت الٰہی جوش مارتی ہے اور انسان کے حواس خمسہ (کھانے، پینے، سونے، سونگنے اور چکھنے کی حس کو حواس خمسہ کہتے ہیں)، انسان کا دل اور عالم ملکوت سب جڑ جاتے ہیں۔

2- اور پھر دوسری حالت یہ ہوتی ہے کہ پھر جو حواس خمسہ ہوتے ہیں انسان میں یہ عام نہیں رہتے بلکہ ان حواس خمسہ میں ایک نور شامل ہو جاتا ہے۔ پھر ایسے انسان کے دل پر تجلی الٰہی نازل ہوتی ہے۔۔۔ صفائی ہوتی ہے۔(یہ مقام عالم ملکوت کا مقام ہے) جب انسان کا دل صاف ہوتا رہتا ہے تو جیسے جیسے دل صاف ہوتا رہتا ہے ویسے ویسے عالم ملکوت کی صورتیں جھلکیاں انسان پر نمایاں ہوتی رہتی ہیں۔۔۔ پھر تجلی آتی ہے جو دل کا آئینہ ہے۔۔۔ وہ dependent ہے۔۔۔ دل کی دنیا عکس لے رہی ہے عالم ملکوت سے اور عالم ملکوت کا آئینہ دل کی دنیا پر کرم کا عکس ڈال رہا ہوتا ہے۔ پھر ایک اور رحمت کی صورت نازل ہوتی ہے۔ جیسے جیسے دل صاف ہوتا ہے ویسے ویسے ملکوت سے (یا لوحِ محفوظ سے) جھلکیاں اس انسان کو ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ انسان الہامی طور پر ان کو دیکھتا ہے یعنی سوتے میں، خواب میں اور کبھی کبھی اسے صرف آنکھیں بند کرنے کے بعد ہی ملکوت کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔ یہاں ایسے انسانوں کے، خوابوں کے سگنل، انسان کے دل کی دنیا سے آتے ہیں اور دل کی دنیا کو سگنل عالم ملکوت سے آ رہا ہوتا ہے۔

تو یہ وہ حالت ہوتی ہے کہ انسان مستقبل میں آنے والی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے۔ فرشتوں اور جنات کو دیکھ لیتا ہے۔ جس وقت انسان پر ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی اسماء الٰہی کی جھلکیاں دیکھتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اس کے بعد حواس خمسہ والا سسٹم بند ہو جاتا ہے۔ اب انسان اس حواس خمسہ پر depend نہیں کرتا یعنی یہ تینوں جڑے ہوئے ہوتے ہیں (یعنی انسان کے حواس خمسہ، انسان کا دل اور عالم ملکوت) لیکن اب اس حواس خمسہ کا سسٹم بند ہو جاتا ہے کیونکہ پھر انسان اپنے دل کی دنیا میں ایسا غوطہ لگاتا ہے کہ اس کو اپنا ہوش و حواس رہتا ہی نہیں ہے۔ انسان اپنے دل کی دنیا میں ہی مگن ہو جاتا ہے جسے عالم مثال کہتے ہیں۔ اس حالت پر پہنچ کر انسان ملکوتی گوہر بن جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے اِسماء کا علم (لوح محفوظ سے) یا عالم ملکوت سے انسان کے دل میں محفوظ ہونے لگتا ہے پھر انسان کا دل۔۔۔ یہ دل ہی نہیں رہتا۔ انسان اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے (وجدانی آنکھ کھل جاتی ہے)۔ اس وقت انسان کی ذات حقیقی گوہر نایاب بن جاتی ہے۔ یہ وہ ذات ہے جس کے لیے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ " ایسے انسان کا ادب فرشتے بھی کرتے ہیں "۔ اس لیے کہ اب ایسے لوگوں کے دل ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔ ایسے ہی لوگوں کو درویش، فقیر یا صوفی کہا جاتا ہے۔ یہی لوگ **"اولیاء اللہ"** کہلاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایسے لوگ جن کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں شروع ہو جاتی ہے۔

مرتبہ احسان پر پہنچ کر جب انسان کم از کم یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے تو وہ ایک خاص قسم کی کیفیت اپنے اندر محسوس کرتا ہے- اندرونی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے نورالہی اس پر پڑتا رہتا ہے اور اسرار ربانی اس پر واضح ہوتے رہتے ہیں۔ پس اس کائنات کی سب سے خوبصورت چیز یہ احساس ہے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے- اللہ ہمیں سن رہا ہے- وہ خاموش تو ہے لیکن ہماری تمام فیلنگز کو فیل کر رہا ہے---وہ ہماری ذات کو باہر سے بھی دیکھ رہا ہے---اور ہماری ذات کو اندر سے بھی دیکھ رہا ہے۔

اس لیے کہ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی بندہ ہمیں کوئی تکلیف پہنچاتا ہے تو اللہ دیکھ رہا ہے اور اس وقت جو ہمیں تکلیف پہنچ رہی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے- کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر رہ کر، ہمارے اندر سے اٹھنے والی ہر آہ کو، ہماری ذات سے اٹھنے والی ہر خوشی کی لہر کو دیکھتا ہے--- ہمارے اندر اٹھنے والے ہر اچھے اور برے ارادے کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے- اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی باریک بین ہے کہ دل کے اندر کیا ہونے والا ہے یہ خیال بھی وہ پڑھ لیتا ہے-

اللہ تعالیٰ قرآن پاک، سورہ المجادلہ، آیت نمبر 7 میں فرماتا ہے---ترجمہ: " تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں"-

اس قدر اللہ کی ذات نے ہماری ذات کو اپنے اندر، اپنی نظر اور اپنے گھیرے میں رکھا ہوا ہے اور وہ اتنا مہربان ہے کہ وہ ہمارے ساتھ بھی ہے اور ہماری فیلنگ کو محسوس کرتا ہے اور پھر اس کا پورا پورا ہمارے ساتھ وعدہ ہے کہ اگر کوئی ہمارے اوپر ظلم کرے گا تو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا-

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری کوئی بھی نیکی ایسی نہیں ہوگی جس کو میں نکال کر نہ لاؤں گا-

(سورہ الزلزال، آیت نمبر 7) فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ترجمہ: " تو جو ایک ذرّہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا"۔

اور اس کا بھی میں نے بدلہ عطا کرنا ہے اور اگر اسی طرح کوئی بھی گناہ چھپا ہوا نہیں رہے گا- اس کی پوری پوری چھان بین کی جائے گی اور اس کی سزا دی جائے گی-

(سورہ الزلزال، آیت نمبر 8) وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ترجمہ: "اور جو ایک ذرّہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا"۔

ایسے بندوں کے دلوں سے یہ بات ختم ہو جاتی ہے کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے باہر ہے- وہ اللہ تعالیٰ کی طاقت، حکمت، عظمت، محبت، رحم دلی اور شفقت کو دیکھنے اور سمجھنے لگتا ہے- اور اگر ہم میں سے کوئی یہ خیال کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی پکڑ سے باہر ہے تو یہ اس کی ناسمجھی، جہالت اور بے وقوفی ہے اور یہ اس لیے ہے کہ اس نے پیغام الٰہی کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ اس نے قرآن پاک کو ترجمے سے پڑھا ہی نہیں ہے۔ ایسا شخص مرتبہ احسان تک نہیں پہنچا ورنہ وہ جان لیتا کہ اللہ تعالیٰ کے انصاف سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اس نے کہا ہے کہ (سورہ الزلزال، آیت نمبر 8-7) ترجمہ: " اگر کوئی ذرا برابر نیکی کرے گا تو اس کو بھی دیکھ لے گا اور اگر کوئی ذرا برابر برائی کرے گا تو اس کو بھی دیکھ لے گا"۔

مرتبہ احسان پر پہنچا ہوا انسان اس بات سے پوری طرح آگاہ ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے انصاف سے ہی کانپ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات نسلوں تک جزا یا سزا کا سلسلہ جاری رکھتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات انصاف ضرور کرتی ہے۔ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا " تیرا رب بھولنے والا نہیں"- (سورہ مریم، آیت نمبر 64)

نمبر 2 یہ کہ اگر ہم اس دنیا میں کسی کو نقصان پہنچاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یا تو اس دنیا میں ہی اس کا بدلہ ہم سے لے لیں گے یا پھر آخرت کے لئے مؤخر کر دیں گے لیکن بدلہ لیا ضرور جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے:

حضرت داؤد علیہ السلام وقت کے قاضی لوگ فیصلہ کروانے کے لیے آپؑ کے پاس جایا کرتے تھے تو اس کرسی پر یا اس تخت پر بیٹھنے سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "اے اللہ! مجھے وہ طاقت اور عقل دے کہ میں ویسے فیصلے کروں جیسے آپ قیامت کے دن کریں گے۔ ویسے فیصلے کروں جیسا کہ آپ نے قیامت کے دن کرنا ہے۔ میں ویسے ہی لوگوں کا بدلہ دوں جیسا کہ آپ نے قیامت کے دن لوگوں کو دینا ہے"۔

تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی جانب سے فرشتہ وحی لے کر اترا کہ "اے داؤد! جو لوگ گواہ ہوں، ان کی گواہی کو دیکھیں، ثبوت کو دیکھیں، اپنی عقل کو استعمال کریں اور فیصلہ دے دیں۔ جو فیصلے اللہ نے محشر کے دن کرنے ہیں وہ صرف ایک وہی کر سکتا ہے اور کوئی ویسا فیصلہ نہیں کر سکتا"۔ حضرت داؤدؑ نے کہا "الٰہی حق کا فیصلہ ہے میں کوشش کروں گا۔ اصرار کیا حضرت داؤد علیہ السلام نے کہ میں تیری طرح انصاف اور تیری طرف فیصلہ کرنا چاہتا ہوں"۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ " ٹھیک ہے اب جب کوئی مقدمہ

آئے تو دیکھ لیں گے"۔

اب واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک نامی گرامی چور تھا جو لوگوں کے گھروں میں، لوگوں کی دکانوں اور لوگوں کے کاروبار یا اداروں میں جا گھستا اور چوری کرتا۔ ایک دن وہ چور ایسی جگہ بلکہ ایسے باغ میں داخل ہوا جہاں پر پہرا تھا کیونکہ باغ کے مالک کو معلوم تھا کہ چور یہاں پر آئے گا۔ اس لیے وہاں پر اس نے پہرا لگایا ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ چور اس باغ میں داخل ہوا ان پہرے داروں نے بڑی ہی مشکل سے اس کو پکڑ لیا۔ اب وہ چور نامی گرامی تھا اور پورا علاقہ جانتا تھا کہ بندہ چور ہے کہ پھلوں کی چوری بھی کرتا ہے۔ باغیچوں میں گھس جاتا ہے۔ تو آج وہ چور آخر پکڑا گیا۔ لوگ وہیں پر اس کو سزا دینے لگے کہ سب جانتے ہیں کہ یہ پکا چور ہے۔ زمانہ گواہ ہے کہ یہ چور ہے، اس کو یہاں پر ہی ختم کردو۔ اس کا سر قلم کردو۔ کوئی کہتا ہے اس کے ہاتھ کاٹ دو وغیرہ وغیرہ۔ لیکن باغ کے مالک نے کہا" نہیں ہم ایک دفعہ حضرت داؤدؑ سے ضرور پوچھ لیتے ہیں"۔ معاملہ حضرت داؤدؑ کے پاس آتا ہے۔ حضرت داؤدؑ لوگوں کی ساری باتیں سنتے ہیں، ساری کاروائی اس کی سنتے ہیں، سارے گواہوں پر نظر ڈالتے ہیں اور پھر حضرت داؤدؑ بھی یہ سوچتے ہیں کہ یہ واقعی چور ہے۔ اتنے اس کے گواہ ہیں بڑی مشکل سے اس کو قید کیا ہے۔ سارے لوگ وہاں موجود ہیں لیکن فیصلہ دینے سے پہلے حضرت داؤدؑ کے دل میں خیال آیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس معاملے کے بارے میں رائے لے لیتا ہوں۔ یہ سوچ کر انہوں نے لوگوں سے کہا کہ " کل آنا۔ اس مقدمے کا فیصلہ کل سنایا جائے گا"۔

لوگ بڑے پریشان ہوئے کہ معاملات سامنے ہیں۔۔۔ چور بھی ہے۔۔۔۔ گواہ بھی ہے۔۔۔ چور رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔۔۔ نامی گرامی چور ہے۔۔۔ کل آنے میں کیا مصلحت ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی کہ "اس معاملے میں کیا فیصلہ کیا جائے اور سارا واقعہ اور معاملہ بھی سنا دیا"۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ وحی لے کر آتا ہے اور کہتا ہے کہ " جو باغ کا مالک ہے اس سے باغ لے لو اور چور کو دے دو اور باغ کے مالک کا سر قلم کردو"۔ حضرت داؤد علیہ السلام پریشان ہو گئے۔ فرشتہ وحی فیصلہ سنا کر چلے گئے۔ اب حضرت داؤد علیہ السلام کی پریشانی بڑھتی گئی کہ فیصلہ میں نے اللہ تعالیٰ سے لیا۔ اللہ کا فیصلہ ہی ٹھیک ہوگا لیکن میں لوگوں کو سناؤں گا کیسے؟ خیر اگلے دن تمام لوگ جمع ہو گئے اور فیصلہ سننے کے منتظر تھے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ سنا دیا کہ "باغ کے مالک کا سر قلم کر دیا جائے اور باغ چور کو دے دیا جائے"۔ ایک شور برپا ہو گیا۔ ہر طرف سے لوگ حضرت داؤدؑ کو ہی الزام دینے لگے کہ "یہ کیا فیصلہ کیا ہے"؟ وہاں بغاوت ہوگئی۔ ہر جانب سے گروپ کے گروپ آتے رہے، مختلف جگہوں سے ٹولیاں جمع ہو گئیں اور ہر طرف ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا کہ داؤدؑ نے ایک نامی گرامی چور کو رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے باوجود اور اس کی گزشتہ چوریوں کے بارے میں سننے کے باوجود ایک معصوم باغ کے مالک کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور پھر یہ بھی کہ اس مالک کا باغ بھی اس نامی گرامی چور کے حوالے کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت داؤدؑ اس کے بعد بہت بہت پریشان ہوئے۔ اب لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام پر مقدمہ کروا دیا کہ "یہ حضرت داؤد علیہ السلام نے غلط فیصلہ دیا ہے۔ انہوں نے اپنے تخت کا غلط استعمال کیا ہے۔ اپنے عہدے کا غلط استعمال کیا ہے۔ یہ سزا کے مستحق ہیں"۔ حضرت داؤدؑ کو یقین کامل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بالکل ٹھیک فیصلہ مجھے بتایا ہے لیکن حضرت داؤد علیہ السلام بہت ہی پریشان ہوئے۔ پریشانی کے عالم میں پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں اور کہتے ہیں "یا مالک یہ کیا ہوا؟ میں نے کیا کیا؟ میں نے کیا سنا دیا؟ میں نے وہ فیصلہ سنایا جو تو نے مجھے بتایا تھا حالانکہ میرے سامنے حقائق واضح تھے لیکن جیسے یقین کامل ہے کہ تیرا فیصلہ بھی بالکل ٹھیک ہوگا۔ میں اب اس معاملے میں کیا کروں"؟ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا "اے داؤد! کیا میں نے تجھے بتایا نہیں تھا کہ جو فیصلے میں محشر کے دن کروں گا وہ تم نہ کرسکو گے۔ یہ صرف اور صرف میری ہی بساط ہے کہ میں اس دن انصاف کروں گا"۔

اس پر حضرت داؤد علیہ السلام بہت پشیمان ہوئے۔ حضرت داؤدؑ کی پریشانی دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات نے حضرت داؤدؑ کی مدد کی۔ حضرت داؤدؑ کو حکم دیا کہ "جو لوگ تم پر کیس کررہے ہیں ان کو، ان کی قبیلوں کو، اس چور کو اور اس باغ کے مالک کو بھی اور باقی تمام لوگ جو وہاں موجود تھے سب کو اکٹھا کرلو"۔ حضرت داؤدؑ نے صبح ہر طرف یہ پیغام بھیج دیا کہ سب لوگ اکٹھے ہو جائیں۔ جب مجمع حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جمع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اس چور کو، اس مجمع کو اور جو باغ کا مالک ہے باغ میں لے کر جاؤ حضرت داؤد علیہ السلام سب کو لے کر باغ میں گئے۔ جب باغ میں گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ وحی کے ذریعے یہ پیغام بھیجا" فلاں درخت کو نیچے تک سے کھود ڈالو"۔ تو جب اس درخت کو کھودا گیا تو اس کے نیچے چور کے دادا کی لاش نکلی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات نے یہ حکم جاری کیا کہ "چونکہ اس چور کے دادا کو اس باغ کے مالک کے دادا نے قتل کیا تھا تو آج قتل کے بدلے قتل کا بدلہ پورا ہو گیا۔ اب خون کا بدلہ خون بھی پورا ہو گیا اور اس کو اس کا حق بھی مل گیا۔ کیونکہ چور کے دادا کا باغ تھا اس لیے آج اس کے وراثت اس تک منتقل بھی ہوگئی یعنی اللہ تعالیٰ نے پچھلی نسلوں سے اس بات کو لکھا ہوا، دیکھا ہوا تھا اور آج اس کا فیصلہ کر دیا"۔۔۔۔۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا

ترجمہ: "تیرا رب بھولنے والا نہیں"۔

اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام اس فیصلے سے بری ہو گئے اور پھر اللہ تعالی سے معافی مانگی اور کہا "الٰہی جو انصاف تو کر سکتا ہے وہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔۔۔۔ جو بدلہ تو لے سکتا ہے وہ کوئی اور نہیں لے سکتا"۔

اس طرح سے اللہ تعالی کی ذات بدلہ لیتی ہے لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی بستے ہیں کہ اگر لوگوں میں سے کوئی ان کو تکلیف پہنچاتا ہے تو اللہ تعالی پھر محشر کے دن کا انتظار نہیں کرتا بلکہ اس کی سزا یہاں اس دنیا میں میں ہی اس کو دے دی جاتی ہے اور آخرت میں بھی سزا ملے گی یعنی ان کی تکلیف اس دنیا سے شروع ہو جائے گی۔ اگر اللہ تعالی کے پسندیدہ بندے میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے گی تو پھر اللہ تعالی انتظار نہیں کرے گا۔ ایسے پسندیدہ لوگ کون سے ہیں؟؟؟

ان کی چار اقسام ہیں: 1- مظلوم پر ظلم کرنے والا 2- توکل کرنے والوں پر زیادتی کرنے والا 3- کمزور جو جابر کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ 4- عاشقین حضرات

1- مظلوم پر ظلم کرنے والا:- اللہ تعالی نے سورہ الحجرات، آیت نمبر 18 میں فرمایا: ترجمہ: "تم چپ چاپ جو برداشت کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے"۔

مظلوم بے شک بعض اوقات بظاہر ظلم پر آنسو نہیں نکال رہا ہوتا لیکن اس کا دل رو رہا ہوتا ہے اور دل کا یہ رونا اللہ تعالی کی ذات سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔ مظلوم ظالم کو اس وقت کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ ظالم بہت طاقتور ہوتا ہے لیکن مظلوم کے اندر کے آنسوؤں کی انرجی ظالم کو بھسم کر کے رکھ دیتی ہے کیونکہ اس انرجی کی پہچان کرنے والی ذات ذات باری تعالی ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ "مظلوم کی بددعا سے بچو کہ اس کے اور اللہ تعالی کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا"۔

مظلوم گو اس وقت کچھ نہیں کر سکتا لیکن اس کی ذات کی یہ انرجی ظالم کے سکون کو ختم کر دیتی ہے۔ اللہ تعالی ظالم کو اس دنیا میں بندر تو نہیں بنائے گا لیکن اللہ تعالی اس ظالم کے دل سے سکون کو چھین لے گا۔ اللہ تعالی بہت رحم دل ہے، وہ رحم دل انسانوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ ظالم کا سکون برباد کر دیتا ہے۔ وہ آگ کا الاؤ جو مظلوم کی ذات کے اندر سے اٹھنے والی آہ کا ہو گا ظالم کو کہیں سکون سے نہیں رہنے دے گا۔ ایسا شخص کتنا ہی مسکراتا نظر آئے لیکن اس کے اندر کی مثبت انرجی ایک آہ کی انرجی مکمل طور پر ظالم کو تباہ کر دیتی ہے۔ اس آہ نے اس شخص کے قلبی سکون کو چھین لینا ہے۔ ایسے ظالم شخص کا قیامت تک انتظار نہیں کیا جاتا ہے۔ ایسا ظالم بندہ کسی بھی طرح اللہ تعالی کی مناجات نہیں کر پائے گا کیونکہ اللہ تعالی پھر ایسے شخص کو بھول جاتا ہے۔ وہ اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ وہ ظالم کی طرف پھر نظر التفات نہیں فرماتا۔ جب تک انسان ندامت اور توبہ پر نہیں آ جاتا۔

2- دوسرے توکل کرنے والے لوگ:- جن لوگوں کے پاس نہ کھانے پینے کو زیادہ۔۔۔۔ نہ رہنے کی جگہ۔۔۔۔ نہ پہننے کو اچھے کپڑے۔۔۔ بس گزارا کر رہے ہوتے ہیں۔ صبح کھا لیا شام کا پتہ نہیں۔۔۔ گھر میں آٹا نہیں۔۔۔ گھر میں دو تین بیٹیاں ہیں ان کی فکر الگ ہے۔۔۔ ایک سفید پوشی میں توکل اللہ جو لوگ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں، اللہ تعالی ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالی کی ذات پر توکل کرتے ہیں۔ اللہ تعالی پھر ہر کام میں ان کا مددگار رہتا ہے اور ان کا بہت خیال رکھتا ہے۔ اللہ کبھی بھی ان کی عزت نفس مجروح نہیں ہونے دیتا۔ ان کے لیے اسباب پیدا کرتا ہے۔ پھر ایسے گھرانوں کے ساتھ یا سے بندوں کے ساتھ اگر کوئی زیادتی کرے گا جو توکل اللہ رکھنے والے لوگ ہیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ کی گئی زیادتی یا ظلم کا انتقام بھی اللہ تعالی اسی دنیا میں لیتا ہے۔ وہ قیامت کے دن کا انتظار نہیں کرتا۔ تو ایسے لوگ جن کے لئے اللہ تعالی غیب سے اسباب پیدا کر رہا ہے اس کو اگر کوئی تکلیف پہنچائے گا تو اللہ تعالی اس کا بدلہ بھی خود ہی لے گا۔

3- ایسے لوگ جو بادشاہ لوگ ہوتے ہیں:- یہ محبت کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، عاشق مزاج لوگ ہوتے ہیں۔۔۔ یہ ایسے لوگ جن کی روح معصوم ہوتی ہے۔۔۔ جن کی آنکھوں میں چمک ہوتی ہے۔۔۔ چہرہ کھلا ہوا ہوتا ہے۔۔۔ ہر وقت مسکراہٹ ان کے چہروں پر رہتی ہے۔۔۔ دل کے صاف۔۔۔ ان کے دل آئینے کی طرح صاف ہوتے ہیں۔۔۔ بے شک وہ اللہ تعالی کے ولی نہیں ہوں گے۔۔۔ وہ عشق کے راستے پر نہیں چل رہے ہوتے۔۔۔ لیکن ان کی روح ویسے ہی پاک ہوتی ہے، صاف ہوتی ہے۔۔۔ وہ کبھی کسی کا برا نہیں سوچتے۔۔۔ کسی کے لیے برا نہیں کرتے۔۔۔ وہ ہمیشہ ہنس کر بات کرتے ہیں۔۔۔ دوسروں کی مدد کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔۔۔ ہمیشہ گلے لگا کر ملتے ہیں۔۔۔ جہاں بیٹھ جاتے ہیں لوگوں کے دلوں میں لگاؤ پیدا کر لیتے ہیں۔۔۔ اگر کوئی ایسے لوگوں کو نقصان پہنچائے گا تو اس کا بدلہ بھی اللہ تعالی اس دنیا میں لے گا۔ وہ قیامت کے دن کا انتظار نہیں کرے گا کیونکہ یہ معصوم اور بھولے بھالے لوگ ہیں۔ یہ نہ خود بولیں گے نہ کسی کا برا کریں گے اور نہ ہی کسی کے بارے میں برا خیال دل میں لائیں گے۔

4- چوتھے وہ لوگ ہیں جو عشق الٰہی کی گرمی میں ہر وقت تپتے رہتے ہیں۔۔۔ ایسے بندے جو "لا الہ الا اللہ" کو اپنی ذات میں سماتے ہیں۔۔ ایسے بندے جنہوں نے اپنے وجود کو ختم کر دیا ہے۔۔۔ ایسے بندے جو اپنی ذات کو ختم کیے ہوئے ہوتے ہیں، اپنی انا کو ختم کرنے والے لوگ، جو اپنے وجود میں خود نہیں رہ رہے ہوتے بلکہ

ان کے وجود کے اندر اب اللہ تعالی کی ذات کے نور کا بسیرا ہوتا ہے۔ایسے لوگوں کو چھیڑ کر بندہ بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ایسے لوگوں کو اگر کسی نے تنگ کر دیا تو اس پر اللہ کا غضب شروع ہوجاتا ہے۔

یہ عشق کے جلے ہوئے لوگ ہوتے ہیں جو واقعی اللہ کے ولی۔۔۔اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔تو ایسے لوگوں کے پاس آ کر اگر کوئی شخص ان کو خوشی دیتا ہے تو اس شخص کی سات نسلیں سنور جاتی ہیں لیکن اگر ایسے بندوں کے پاس آ کر ان کو کوئی تکلیف دیتا ہے۔۔۔ان کو دھوکہ دیتا ہے۔۔۔فراڈ کرتا ہے تو سات نسل تک اللہ تعالی کی ذات اپنے غضب کو ان پر انڈیل دے گی۔اتنی نفرت ان کی نسلوں میں پیدا کرے گی کہ آنے والی یہ نسلیں تباہی ہوتی چلی جائیں گی۔

ایسے بندے جنھوں نے اپنے وجود کو "لا الہ الا اللہ" کے اندر فنا کر دیا ہے۔۔۔۔ان کی دعائیں نسلوں کو سنوار دیتی ہیں اور ان کی بد دعائیں آنے والی نسلوں کو تباہی میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ایسے لوگوں کو جہاں دیکھو سلام کرو، دعا لو اور واپس چلے جاؤ۔ایسے بندوں کو ستانے والے کو اللہ تعالی نہ اِس دنیا میں چھوڑتا ہے اور نہ اُس دنیا میں چھوڑے گا۔

حدیث قدسی:- اللہ تعالی فرماتا ہے "جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی (اس کے ساتھ) میری طرف سے اعلان جنگ ہے"۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر 6502)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تصوف میں ترقی اور تنزلی

جب سالک سیر الی للہ (اللہ کی طرف سیر) کے بعد اپنے وجود اور اللہ تعالٰی کے سوا ہر شے کو فراموش کر کے (سیر فی اللہ) میں فنا ہوجاتا ہے تو اسے ترقی کہتے ہیں اور اس طرح کے سالک کو کامل کہا جاتا ہے۔ایسے سالک دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے پھر اگر اللہ تعالی کی عنایت سالک کی طرف متوجہ ہوجائے تو پھر وہ ترقی سے تنزلی کی طرف آتا ہے۔تاکہ وہ دوسروں کو پستی سے بلندی کی طرف لائے اس کے لیے سالک کو پھر ماسوائے اللہ کے شعور اور خود اُس کے وجود کا شعور عطا کیا جاتا ہے اور پھر اُسے مقامِ لاہوت سے مقامِ ناسوت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔لیکن اس تنزلی کی وجہ سے اِس کی سابقہ ترقی میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ایسے سالک کو مکمل کہا جاتا ہے۔اِس لیے کہا جاتا ہے کہ تنزلی ناسوتی ،تنزلی ملکوتی سے بہتر ہوتی ہے۔کیونکہ اصل مقصد کرامات اور خرق عادات کا حصول نہیں ہوتا جو کہ تنزلی ملکوتی میں سالک پالیتا ہے۔اصل مقصد تو ناقصوں کی تکمیل کرنا ہے جو کہ تنزلی ناسوتی کے بغیر ممکن نہیں۔کیونکہ ہدایت کے محتاج تو ناسوتی ہیں، ملکوتی نہیں۔

مجدد دین وملت نے سورۃ النازعات کی ابتدائی آیات کے تحت ایک مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالٰی ارواح اولیاء کرام کا ذکر فرماتا ہے کہ جب وہ مبارک جسموں سے انتقال فرماتی ہیں تو جسم سے بقوت تمام جُدا ہو کر عالم بالا کی طرف سبک خرامی اور دریائے ملکوت میں غوطہ زنی کرتے ہوئے بارگاہ اقدس کے مخصوص مقامات (مظاہر القدس) تک جلد رسائی پاتی ہیں۔اور پھر وہ اپنی بزرگی اور طاقت کے باعث کاروبار عالم کی تدبیر کرنے والوں میں سے ہوجاتی ہیں۔یہ تمام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔انہیں اصطلاح صوفیا میں رجال الغیب یا مردانِ غیب کہتے ہیں۔

****

راہ طریقت (تصوف) میں مرشد کی ضرورت

طریقت کا راستہ عقل سے طے نہیں ہوتا۔ یہ محبت اور اطاعتِ شیخ سے طے ہوتا ہے۔ اِس راہ میں کامیابی اُس وقت نصیب ہوتی ہے۔ جب کوئی نفس کے منہ سے لقمے چھین کر اللہ کی راہ میں لگائے۔ جنگل میں تنہا جانے میں خطرہ ہوتا ہے۔ ہاں محبوب کی باتیں کرتے کرتے سفر کٹ جاتا ہے۔

مرید ہونا پہلا قدم ہے۔ یہ ایک حال ہے جو طالب نے اللہ کی راہ میں اختیار کیا ہے اِس راہ کا پہلا ادب یہ ہے کہ غور کرے کہ اِس راہ کو میں نے کیوں اختیار کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ پھر اِس کے مطابق اپنی طلب کو صحیح کرے۔ جب تک اِس راہ میں (راہ طریقت میں) بالغ نہ ہو ماسوائے اپنے پیر و مرشد کے کسی کی صحبت میں نہ بیٹھے۔ ورنہ بگڑنے کا اندیشہ ہے۔ بچہ سیر کرنا چاہے تو کسی بڑے کی انگلی پکڑ کر نکلے۔

آؤ تمہیں بتائیں کے راہِ طریقت میں منزل کیسے طے ہوتی ہے؟ کسی اللہ کے دوست نے دیکھ لیا تو ابتدا ہو گئی۔ اور دل میں رکھ لیا تو انتہا ہو گئی۔ مرید (طالبان حق) سب سے پہلے اپنے شیخ کی توجہ میں آتے ہیں پھر توجہ غوث پاک میں آتے ہیں۔ پھر غریب نواز کی توجہ میں آتے ہیں پھر امام الفقراء حضرت علی کرم اللہ وجہہ ؓ شیر خدا کی نگاہ میں آتے ہیں۔ جب یہاں سے پاس ہو جاتے ہیں تو توجہ " اِلاّ اللہ " میں آتے ہیں۔ پھر قلب میں ماسوائے رب کی یاد اور پکار کے کچھ نہیں رہتا۔

"فنافی الشیخ" سے مراد اپنا ارادہ شیخ کے ارادے میں فنا کرنا ہے اور فنافی اللہ سے مراد اپنا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں فنا کرنا ہے۔ جب شیخ (مرشد) اپنے طالب کو "توجہ بالرّوح" دیتا ہے تو طالب کی سیر کُھل جاتی ہے۔ خواب دیکھنے لگتا ہے۔ پھر اس عالم ارواح میں (خواب میں) اپنے شیخ کی زیارت کرتا ہے۔ اور اُس کی ہدایات سے فیض یاب ہوتا رہتا ہے۔

جس کے دل میں مرشد کا احترام ہوگا۔ وہ مغفور ہو کر رہے گا اور عافیت کے قلعہ میں رَہے گا۔ اولیاء اللہ زندگی میں کسی پر ایک نظر بھی ڈال دیں تو کافی ہے۔ **سب سے زیادہ گھاٹے میں وہ رہتا ہے۔ جو بظاہر مؤدب ہوا اور باطن میں بے ادب یا وہ جو خود کو اپنے مرشد سے اچھا جانے کیونکہ ظاہری ادب سے باطنی ادب زیادہ مقبول بارگاہ ہوتا ہے۔**

شیخ کی محبت میں دوام حاصل کرو۔ ذکر میں دوام حاصل کرو۔ ایک دن اللہ تعالیٰ خود ہی پکار لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ذکر کی توفیق عطا فرما دیں گے تو یہ اُن کا کرم ہو گا۔ اِس کو اپنا عمل نہ سمجھا جائے۔ مرشد محبت والوں کو دعا بھی دیتا ہے نظر بھی دیتا ہے۔ اہل نفرت کو دعا دیتا ہے۔ خالی انہیں بھی نہیں لوٹاتا **مرشد کی نگاہ میں ایک جہاں بستا ہے۔ لیکن دل میں کوئی کوئی بستا ہے۔ جو دل میں بَس گیا۔ اُس کا کام بن گیا۔ محبت حاصل کرنے کے لیے بڑی خدمت ، ایثار اور وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔**

اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی تو اپنی مخلوق کی رہبری کا سامان بھی پیدا فرمایا۔ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ انسان میں ایک ذات ہے اور ایک صفت ہے۔ دونوں کی رہبری ذات رسول خاتم النبیین ﷺ میں قائم فرما دی جنہوں نے صفات کی وادی میں منزلیں طے کیں۔ اُن کی رہبر صفات محمد خاتم النبیین ﷺ ہوگی۔ جنہوں نے فنا کی منزلیں طے کیں اُن کا رہبر جمال مصطفی خاتم النبیین ﷺ ہو گیا۔ **جنہوں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی صفات سے رہبری حاصل کی وہ اہل ظاہر ہوئے۔ اور جنہوں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے رہبری حاصل کی وہ اہل باطن ہیں۔ ذات کی حدود میں صفات ہیں۔ لیکن ذات صفات کی حدود سے باہر ہے۔ اس لیے اہل باطن تو اہل ظاہر کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں لیکن اہل ظاہر اہل باطن کو نہیں سمجھ سکتے۔**

مرشد کی صحبت میں اُس کی محبت میں قلب کو شگفتہ رکھو۔ یہ وقت باطنی نعمت کے حصّول کا ہوتا ہے۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں جو مجاہدے اور تزکیہ سے نہیں ملتی ہیں۔ یہ دین کے حصّول کا بڑا اچھا وقت ہوتا ہے۔ اس محفل میں ادب کا بہت زیادہ خیال رکھو۔ سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ اپنے بالمقابل کے مقام کو پہچانے۔ اِس محفل میں طلب دنیا بے ادبی ہے اور لب گویائی بے ادبی ہے۔ یہ صحبت بہت کارآمد ہوتی ہے۔ جو اپنی اصل سے جُدا رہتا ہے وہ آوارہ گرد کہلاتا ہے۔ طریقت کی راہ میں آوارہ گرد وہ ہے جو اپنے مرشد سے دوُر دوُر رہے۔ اور زمانے بھر کے بزرگوں کے پاس جاتا رہے۔ ایسا انسان (مرید) نہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا۔

راہ طریقت کا سب سے بڑا اُصول محبت ہے۔ جہاں اہل محبت کا اجتماع ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نُزول ہوتا ہے۔

جہاں نفاق (منافقت) ہوتا ہے وہ مجلس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محروم رہتی ہے۔ **راہِ طریقت کا دوسرا بڑا اصول آداب گفتگو ہے۔** ہر شخص کو اپنے مقام کے مطابق ہی گفتگو کرنی چاہیے۔ محبت کے اِرتقا کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ اُس کے اسباب خود پیدا فرما دیتے ہیں۔

مرشد کا کام کیا ہے؟ مرشد اللہ تعالیٰ کی محبت کی چنگاری قلب میں رکھ دیتے ہیں۔ جِس سے فاسد مادے جل جاتے ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ماسوائے ذات باری تعالیٰ کے قلب میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

دنیا کا سفر عقل اور قدم سے طے ہوتا ہے۔ آخرت کا سفر دل اور روح سے طے ہوتا ہے۔ دل اور روح کے مقامات تو اہلِ دل ہی طے کرا سکتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہیں جو نہ پڑھے جاتے ہیں اور نہ ہی پڑھائے جاتے ہیں بلکہ یہ دیکھے جاتے ہیں اور دیکھائے جاتے ہیں۔ جن کے دِلوں کو نور مل گیا۔ اُن کی روح کی راہیں روشن ہو گئیں۔ روشن راہوں کے قدموں میں اعتماد ہوتا ہے۔ سفر کم وقت میں طے ہو جاتا ہے۔

ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک صفت عطا فرمائی ہے۔ اہلِ دل اِس صِفت کی تکمیل کرواتے ہیں۔ چونکہ ہر شخص کی صفت الگ الگ ہوتی ہے۔ اِس لیے مرشد کا ہر شخص سے سلوک بھی الگ الگ ہوتا ہے) بعض مرید اِس بات سے بدگمان ہو جاتے ہیں کہ فلاں کو ترجیح دی فلاں کو مجھ سے اچھا جانا وغیرہ وغیرہ (یاد رکھیں کہ باغبان ہر پودے کی نشوونما کا انتظام اُس کی خاصیت کی مطابق کرتا ہے۔ یہ اولیاءاللہ بھی دِلوں کے باغبان ہوتے ہیں۔ ہر طالب کی منزل الگ ہوتی ہے۔ اِس لیے ہر طالب کا سبق بھی الگ ہوتا ہے۔ ایک طالب داد دینے سے (تعریف سے) بیدار ہو جاتا ہے۔ ایک داد سے بگڑتا ہے (تکبُر میں مبتلا ہو جاتا ہے)۔

مرشد کی چاہت میں فرق نہیں ہوتا بلکہ ہر طالب کی تعلیم کے تقاضوں کے تحت ان سے مختلف سلوک کرنا پڑتا ہے۔ ایک بچے کو باپ اپنے کندھوں پر سوار کر کے بازار لے کر جاتا ہے۔ ایک بچے کی انگلی پکڑ کر بازار لے کر جاتا ہے اور ایک بچے کو پیسے دے کر بازار بھیج دیتا ہے کہ جاؤ خود ہی بازار سے سامان لے آؤ۔ یہ سب فیصلے عمر، وقت اور حالات کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ پس مرشد کی محبت میں قلب کو یکسو رکھو تو بات بن جاتی ہے۔ **علم شریعت ہر انسان کا حق ہے جو پوچھے اُسے بتا دو۔ لیکن علم طریقت کسی کا حق نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ یہ اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اولیاءاللہ کو راضی کر لیتے ہیں۔ راضی ہونے کے بعد اولیاءاللہ پر کوئی حد نہیں کہ کِسی کو کتنا عطا کریں۔ کتنا نہ کریں۔** راہِ طریقت میں مرید کو یہ حق نہیں کہ مرشد کی کسی بات پر اعتراض کرے یہ ایسا ہے کہ سخی کے معاملے میں اعتراض کرے۔ مثال کے طور پر گدا کو یہ حق نہیں کہ سخی سے یہ کہے کہ آپ کا مکان گندا ہے۔ یا آپ کا لباس پھٹا ہوا کیوں ہے؟ اِس پر سخی ناراض ہو کر اُسے گھر سے نکال سکتا ہے۔ جس سے مانگنے جا رہے ہو پہلے اُس کی رضا میں راضی ہو جاؤ۔ پھر وہ عطا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاتے ہیں تو پہلے اُس کی حمد و ثنا کرتے ہیں کہ " اے اللہ آپ رحیم و کریم ہیں۔ آپ کی نعمتیں اور عطائیں بے شمار ہیں۔ ہم آپ کی نعمتوں کا نہ تو شمار کر سکتے ہیں اور نہ ہی شکرانہ ادا کر سکتے ہیں"۔ پھر عطا کے دروازے کھلتے ہیں۔ اگر اللہ کہہ دے کہ یہ جو سانس لیتے ہو اس کی قیمت ادا کرو تو ہمارے پاس دینے کے لیے ہے کیا؟ ہمیں تو بس مانگنے کا حق ادا کرنا ہے۔ دینے والا داتا ہے۔ جو کچھ ہم مانگتے ہیں دیتا ہے۔

جس دینے والے کی عطا قیمت کی حد سے نکل جائے اُس کی عطا یا بھیک میں ملتی ہے یا دوستی میں۔ دوست کے اُوپر نوازشات اور قسم کی ہوتی ہیں کیونکہ تعلق ہے۔ (دوستی کا تعلق) اور بغیر تعلق والے پر عطا اور قسم کی ہوتی ہے۔

دوست (محبت والے) جب ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُن کی تواضع پہلے نُور سے کرتا ہے۔ یعنی اُن کے قلوب پر انوارات کا نُزول ہوتا ہے اس نور کی برکت سے اولیاءاللہ کے ہم جلیسوں کے قُلوب بھی نرم ہونے لگتے ہیں۔ جب تک یہ اولیاءاللہ مانگتے رہتے ہیں۔ عرش سے لے کر اُن کے ہاتھ تک نُور کی بارش ہوتی ہے۔ جب تعلق والا مانگتا ہے تو روکنے کا امکان نہیں ہوتا۔

جِس کی ظاہری آنکھ نہیں اُس کے لیے دنیا مشکل ہے اور جس کی باطنی آنکھ نہیں اُس کی آخرت مشکل ہے۔ نابینا کے لیے آنکھوں والوں کا سہارا ضروری ہوتا ہے۔ مرشد اللہ تعالیٰ کے حبیب خاتم النبیین ﷺ کی محبت کا مظہر ہوتا ہے۔ اِس کے سینے میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے نور کی شعاع ہوتی ہے۔ اِس لیے مرشد کامل اگر کسی کو ایک نظر محبت سے دیکھ لے تو عادت بدل دیتا ہے۔ خصلت بدل دیتا ہے۔ ماہیت بدل دیتا ہے۔ جب کوئی دریا میں پاک ہونے کی نیت سے گُودتا ہے تو دریا اُس سے یہ نہیں پوچھتا کہ تو ناپاک کیوں ہوا تھا؟ یا تیری ناپاکی کس قسم کی ہے؟۔ اُس کا کام تو بس پاک کر دینا ہوتا ہے۔ اِس لیے باطن کو پاک کرنے کے

لیے توبہ کے دریا میں کُود جانا چاہیے۔ اِس طرح پاک ہو کر نکل آئیں گے جس طرح ناپاک جسم دریا میں نہانے کے بعد پاک صاف ہو جاتا ہے۔

راہ طریقت میں مرید کو اختیار اُس وقت تک رہتا ہے۔ جب تک شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا تھا۔ جب ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تو سودا کر لیا اَب انتظار کرو، ہو سکتا ہے کہ شیخ تیرے قلب کو آئینہ بنانے میں مصروف ہو اور تو خود ہی اُس آئینے کو توڑ رہا ہو۔ اِس حالت میں اگر کوئی مشورہ دے کہ لوٹ جاؤ۔ تو اُسے جواب دو کہ لوٹ کر کہاں جاؤں گا؟ لوٹنے میں بھی تو اتنے ہی قدم اٹھانے ہوں گے۔ جتنے آگے جانے میں۔ ہو سکتا ہے کہ اُتنے قدم آگے بڑھاؤں تو منزل آ جائے یہ اِس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ فضل فرمانے لگتے ہیں تو بڑے وسوسے آتے ہیں۔ بڑی اُلجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ جو اِس حالت میں ثابت قدم رہتے ہیں وہ بامراد ہو جاتے ہیں۔

آج کل کے مرید اپنے شیخ کے سامنے بولتے رہتے ہیں۔ پہلے ذاتِ محبوب میں فنا تو ہو جاؤ۔ پھر تجھ میں کلامِ محبوب بولے گا **مرشد جب بیان کرتا ہے تو اُس کا قلب اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہوتا ہے اگر کوئی بیچ میں بولتا ہے تو فیضان کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اِس لیے اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو بعد میں پوچھیں بیچ میں نہ ٹوکیں۔** مرشد کا ادب سب سے پہلی بات ہے۔ مرشد کی خدمت بِلا کسی لالچ کے کرو گے تو فائدہ کثیر کما لو گے۔ یہ جان لو کہ جو خیر بھی مرید کو پہنچتی ہے۔ وہ شیخ کے واسطے اور وسیلے سے مرید تک پہنچتی ہے۔

ایمان دو محبتوں کا امتزاج ہوتا ہے محبت باری تعالیٰ اور محبت رسول خاتم النبیین ﷺ۔ اِس لیے فیضان رسول خاتم النبیین ﷺ پانے کے لیے ضروری ہے کہ دل میں دو نور ہوں یعنی طالب (مرید) کا نور اور مطلوب (مرشد) کا نور۔ کیونکہ کوئی نور اکیلا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ آنکھ کا نور بھی اُس وقت کام دیتا ہے جب روشنی ہو۔ صرف اور صرف باری تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ بغیر کِسی کی معاونت کے مشاہدہ فرماتے ہیں۔ قلب میں ذکر اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب شیخ سے نور عطا ہوتا ہے۔ پھر وہ نور اپنے کُل کو پکارتا ہے ذکر میں دراصل اللہ تعالیٰ خود کو خود ہی آواز دیتا ہے۔ ورنہ انسان کی کیا طاقت کہ وہ معبود کو پکار سکے۔

اللہ تعالیٰ نور ہی نور ہیں اور ایک ایسی لطافت کے مالک ہیں کہ اِس کو جاننے کے لیے فکر انسانی عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت ظاہر کی تو ذات مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ کو بنایا۔ ذات مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ نے اپنی محبت کا اظہار فرمایا تو آفتاب ولایت قائم ہوا۔ جو حضرت علیؓ شیرِ خدا کی ذات اقدس ہے۔ طالب کا دل اپنے شیخ کے ہاتھ میں ایک پتنگ کی مانند ہوتا ہے۔ نسبت رسول خاتم النبیین ﷺ اِس پتنگ کی ڈور ہے اہل محبت کی نظر کا ایک جھٹکا اِس پتنگ کو فرش سے عرش تک پہنچا دیتا ہے۔

راہ طریقت میں جب کرم ہوتا ہے تو **پہلا قدم** " بصر " ہے بَصر اُسے کہتے ہیں کہ آنکھ عالم محسوسات کی لذت تو محسوس کرتی ہے لیکن دیکھتی نہیں ہے۔ اِس میں مدہوشی ہے ایک لذت ہے۔ جس میں فنا ہونا چاہتا ہے۔ **دوسرا قدم** بصیرت ہے۔ بصیرت اُسے کہتے ہیں کہ جو محسُوس کرتا ہے اُسے چشم قلب سے دیکھتا بھی ہے۔ اِس میں ہوش ہوتا ہے۔ جب اِس دید کے معنی قلب پر وارد ہوتے ہیں تو اُسے محاصرہ کہتے ہیں۔ **تیسرا قدم** "روح" ہے جب چشم روح سے اسرار خداوندی کو دیکھتا ہے تو اُسے مکاشفہ کہتے ہیں۔ تو روح میں مکاشفہ اور مشاہدہ ہے۔ **چوتھا قدم** "فکر" ہے۔ اِس میں عبادت ہے فکر سے نفس کی قوت ختم ہوتی ہے۔ پھر عاجزی اور انکساری پیدا ہوتی ہے۔ پھر اِس عجز اور انکساری سے مقام بندگی کا احساس ہوتا ہے۔ اِس مقام پر بندہ خود کو پہچانتا ہے۔ پھر معبود کی ہیبت اور اُنس طاری ہو جاتی ہے۔ اور بندے کو محویت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر اِس محویت سے حضوری کا دروازہ کھلتا ہے اِس کو حضوری قلب کہتے ہیں۔ حضوری کی عبادت مقبول بارگاہ ہوتی ہے۔ " فکر" اُنس اور ہیبت کے درمیان ایک مقام ہے۔ اگر اُنس غالب آ جاتا ہے تو محبت کا غلبہ ہو گا اور اگر ہیبت غالب آ گئی تو خوف طاری ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان دونوں غلبوں کے بین بین ہو تو محبت ہے۔ اور پھر اِس کا فِکر ہوتا ہے۔

راہ طریقت کا ہر حال جدا ہے اس لیے ہر حال کا ادب الفاظ میں بیاں نہیں کر سکتے۔ اِس لیے اِس حال کا ادب خاموشی ہے۔ " مقام بصیرت" میں قلب میں نکات پیدا ہوتے ہیں۔ اِس پر غور کرے۔ بیان کرے۔ خاموش نہ رہنا اِس حال کا ادب ہے۔ " مقام رُوح" میں اسرار خداوندی کھلتے ہیں۔ اور اسرار کھولنا بے ادبی ہے اِس لیے اِس حال کا ادب" اخفائ" ہے۔

جب تک نفس زندہ ہے اُس وقت تک ذکر " مقام تکبر" ہے۔ یہ عشق مولا نہیں ہے۔ یہ طلب مولیٰ نہیں ہے۔ یہ دنیا ہے۔ ذکر میں جب نفس ترک ہوتا ہے تو پھر اِیسے دل کو " قلب سلیم" کہتے ہیں " ۔ قلب سلیم" ہی بندے کو اللہ تعالیٰ کے احسانات گنواتا ہے۔ اِس کے بعد یہی قلب سلیم شکر کی رغبت دلاتا ہے۔ جب تک مقام شکر پیدا نہیں ہوتا اُس وقت تک ذکر تکبر ہے ریا کاری ہے۔

حضوری دوام روح کو حاصل ہوتی ہے۔ روحیں دو ہیں۔ ایک حلول کئے ہوئے ہوتی ہے ایک محیط کئے ہوئے ہوتی ہے خواب میں "محیط روح" جیسے سیلانی روح بھی کہتے ہیں سیر کرتی اور مشاہدہ کرتی ہے مقامی روح جو حلول کئے ہوئے ہوتی ہے۔ اگر قوی ہو تو۔ سیلانی روح جو بھی مشاہدہ کرتی ہے اُس کا راز اِس مقامی روح سے بانٹ لیتی ہے

اور قلب پر واردات ہوجاتی ہے۔ بیداری میں سیلانی روح ہر آفت سے آڑ بن جاتی ہے۔ جب یہ سیلانی روح جسم سے الگ ہوتی ہے تو جسم حرکت نہیں کرسکتا۔ یہ روح جسم سے محبت کرتی ہے اِس لیے زیادہ عرصے کے لیے جسم کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر تو اِس روح کو متجلی کرے (ذکر سے) تو پھر یہ روح سوتے جاگتے کام کرتی ہے۔

جب مرید تصورِ شیخ میں بیٹھتا ہے تو شیخ کی سیلانی روح محیط ہوجاتی ہے اور واردات شروع ہوجاتی ہے۔ اولیاءاللہ کی روح حضوری میں رہتی ہے۔ روح اگر ایک مرتبہ شیخ کے کرم سے دربارِ رسالت میں پہنچ جائے تو پھر وہیں رہتی ہے۔ واپس نہیں آتی۔ جب نکلتی ہے تو " داتا" بن کے نکلتی ہے " حاکم" بن کے نکلتی ہے۔ جسم ہر وقت ولی نہیں ہوتا۔ روح ہر وقت ولی ہوتی ہے۔ پھر جب یہ روح جسم میں آتی ہے۔ تو ہر چیز ولی ہوجاتی ہے۔ اُس وقت معلوم ہوجاتا ہے کہ روح کی وادی میں گناہ و ثواب نہیں بس حضوری اور رضا ہے۔ ایسی روح جب جسم پر غلبہ کرتی ہے تو جسم کے بھیس میں " تجلی حق" کا غلبہ ہوتا ہے۔ اِس تجلی کا نزول ہر وقت نہیں ہوتا بلکہ گاہے بگاہے ہوتا ہے۔ یعنی جب ذات حق خوش ہوتی ہے تو نعمت عطا فرماتے ہیں۔ یہ معبود ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس کے حق میں کونسی نعمت بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو سنوارنے کے لیے " غم" عطا فرماتے ہیں اور کسی کو شکر کرنے کے لیے " سکون" عطا فرماتے ہیں۔

اولیاءاللہ کا اپنے پاس بیٹھا لینا قرب نہیں ہے۔ کسی کا تحفہ قبول کر لینا قُرب نہیں ہے۔ قُرب اُس کو کہتے ہیں کہ ولی کسی کا فکر پال لے۔ کسی کو دل میں رکھ لے پھر جسے کوئی ولی اپنے دل میں رکھ لے۔ وہ مقرب ہے۔ پھر اُس کی ذات اور صفات سے قرب کا پتہ چلتا ہے۔ اور جب اللہ کا ولی کسی کو چھوڑتا ہے تو اپنے پاس آنے سے منع نہیں کرتا۔ بس اُس کو اپنے دل سے نکال دیتا ہے اور جس کو اپنے دل سے نکالتا ہے۔ اُس کے ناک کان کم نہیں ہوتے اُس کی صفات بدل جاتی ہیں۔ خوش گمانی ، بدگمانی سے بدل جاتی ہے۔

اِس لیے ولی یا مرشد کامل تجھے مقبول بارگاہ کرا سکتا ہے۔ ولی کی ایک درد بھری نظر کام کر جاتی ہے۔ لیکن ہر شخص اِس درد بھری نظر کا اہل نہیں ہوتا اور ہر سینہ اُس درد بھری نظر کو برداشت بھی نہیں کرسکتا کیونکہ اکثر میں غرور پیدا ہوجاتا ہے۔ نعمت چھن جاتی ہے۔

چراغ میں لو ہے تو چراغ ہے لو نہیں ہے تو ٹھوٹھا ہے۔ محبت اور درد کی لو کے بغیر یہ دل بے قیمت ہے۔ ولی کی جتنی عمر بڑھتی ہے۔ اتنا عمل بڑھتا ہے۔ جتنا عمل بڑھتا ہے اُتنی تواضع بڑھتی ہے۔ جتنا فقر بڑھتا ہے اُتنی سخا بڑھتی ہے۔ منزل میں دیر کیوں لگتی ہے؟ اِس لیے کہ منزل کا دارومدار فنا فی الشیخ ہونے پر ہے۔ جو جتنی دیر سے یہ منزل طے کرتے ہیں اُتنی ہی دیر سے اپنی مراد کو پہنچتے ہیں۔

جو چراغ صرف اپنے لیے جلتا ہے وہ آگ کے سوا کچھ نہیں- اور جو چراغ دوسروں کے لیے جلتا ہے وہ روشنی ہے، نور ہے اور شعور ہے- جو خود کو سدھار لیتا ہے وہ پوری دنیا بہتر بنا دیتا ہے- ولی دل کی زبان سے کلام کرتا ہے- جلال کے ذریعے کی گئی تربیت، جمال سے کی گئی تربیت کے مقابلے میں تیزی سے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتی ہے- بس ادب ضروری ہے- ماتھے پر بل نہ آئیں، ورنہ سارا معاملہ ختم ہوجائے گا- مرید ہر طرح کے حالات کو راضی با رضا سمجھتا ہے- لطف میں بھی خوش--- تکلیف میں بھی خوش- آج کے اس دور میں سب سے بڑی چیز اپنے اندر عاجزی پیدا کرنا اور لوگوں کا احترام کرنا ہے- یہ اخلاق اور احترام ہی تو ہے جو شدید غصہ اور غم میں ہمیں زبان اور ہاتھ پر قابو رکھنا سکھاتا ہے- مرشد مصرف دنیا سے منع نہیں کرتے بس محبت دنیا کو ختم کرنے کا درس دیتے ہیں- جو یہ بات جان لیتے ہیں کامیاب ہوجاتے ہیں-

دعا میں التجا نہیں، تو عرض حال مسترد
جو حُسن خُلق ہی نہیں،تو سب کمال مسترد
کتاب عشق میں یہی لکھا ہوا تھا جابجا
بجز خیال یار کے، ہر اک خیال مسترد

****

تصوف کے چار حروف

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قول ہے کہ " تصوف حق کے ساتھ سچائی اور مخلوق کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا ہے اور صوفی وہ ہے جو آفات نفس سے پاک ہو ، حق کے راستے پر چلنے والا ہو۔ اور مخلوق میں سے کسی کے ساتھ بھی دلی وابستگی نہ رکھے"۔

تصوف میں سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے نکات عجیبہ :۔ تصوف چار حروف پر مشتمل ہے۔

1-ت۔توبہ　　2-ص۔صفا (صفائی)　　3-و۔ولایت　　4-ف۔فنا

1۔　ت :۔ سے مراد توبہ :- یہ توبہ دو طرح کی ہے　1۔　توبہ ظاہری　　2۔　توبہ باطنی

توبہ ظاہری :- یہ ہے کہ ایک انسان قولاً اور فعلاً اپنے تمام اعضائے ظاہری کو گناہوں اور برائیوں سے ہٹا کر اطاعت کی راہ اختیار کرلے۔ اور خلاف شریعت اعمال سے توبہ کر کے اُس کے احکامات کے مطابق عمل کرے۔

توبہ باطنی :- یہ ہے کہ انسان دل کو آلائشوں سے پاک رکھے اور شریعت کے موافق عمل کرے۔ پھر جب برائی نیکی سے بدل جائے تو (ت (کا مقام مکمل ہو گیا (یعنی اُس کو کامل توبہ نصیب ہوگی)

آپؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کا پہلا حرف ت۔ توبہ سے لیا گیا ہے۔ اور توبہ گناہوں کی آلودگی سے اللہ رب العزت کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف ظاہری اور باطنی طور پر رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:(سورۃ النور، آیت نمبر-31)

وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۝　　"تم سب مل کر اللہ کے حضور توبہ کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ "(یعنی غلطیاں معاف کردی جائیں)

اِس آیت میں اللہ تعالی نے انسان کی فلاح کو توبہ پر منحصر فرمایا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا :(سورۃ التحریم، آیت نمبر-8)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا۝　　ترجمہ " :اے ایمان والو اللہ کے آگے سچے دل سے توبہ کرلو"۔

یعنی گناہ کا خیال ہی نہ آئے۔ گناہ میں کوئی لذت ہی نظر نہ آئے۔ چنانچہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " : گناہوں سے توبہ کرنے والا اُس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہیں"- (سنن ابن ماجہ)

گو یا توبہ ایسا پانی ہے جو قلب و باطن کو گناہوں سے اِس طرح دھو کر پاک صاف کر دیتا ہے کہ گناہ کا ایک ذرہ برابر اثر بھی باقی نہیں رہتا۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے گناہ نہ کرنے کا عزم کیا پھر غلطی ہو گئی توبہ ٹوٹ گئی۔ اُس نے دوبارہ توبہ کی۔ کچھ عرصے کے بعد پھر توبہ پر قائم نہ رہ سکا۔ اور توبہ ٹوٹ گئی۔ تیسری بار پھر توبہ کی۔ لیکن پھر اس پر قائم نہ رہ سکا۔ اور توبہ ٹوٹ گی۔ اِسی طرح اُس نے ستر مرتبہ توبہ توڑی۔ پھر ایک مرتبہ تنہائی میں بیٹھا اور پھر توبہ کا خیال آیا۔ لیکن اللہ تعالی کی بارگاہ سے اُسے شرم وحیا آ گئی دل میں سوچا کہ میں نے ستر بار توبہ توڑی ہے۔ اَب میری توبہ کیا قبول ہوگی؟ اِسی مایوسی میں مبتلا تھا کہ غیب سے آواز آئی۔ "اے میرے بندے مایوس نہ ہو۔ یہ تیرا ظرف تھا کہ تُو توبہ کرتا اور توڑتا رہا لیکن یہ میرا ظرف ہے کہ جب تک تُو توبہ کرتا رہے گا میں معاف کرتا رہوں گا- "

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو شخص توبہ کر کے پھر گناہ کرے اسے چاہئے کہ دوبارہ توبہ کرلے- پھر گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرلے-جتنی بار مرضی گناہ ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو- جب وہ بار بار توبہ کرے گا تو بالآخر اللہ اسے توبتہ النصوح (پکی سچی توبہ) کی توفیق دے دے گا"-

توصوفیا کے نزدیک راہ حق کے طالبوں کا پہلا قدم ہی توبہ ہے۔ اگر کوئی سلوک کی منزلوں کو طے کرنا چاہتا ہے۔ تو اپنے خالق حقیقی سے ٹوٹا ہوا تعلق جوڑنے کے لیے اور اللہ کی راہ کا مسافر بننے کے لیے بارگاہ خداوندی میں صدق واخلاص کے ساتھ توبہ کرے۔ توبہ ہی اِس کے سفر کا نقطۂ آغاز ہے۔

توبہ کے تین درجے بااعتبار محرکات:- توبہ کے تین محرکات ہیں۔جن کی بنیاد پر توبہ کے تین درجے بنتے ہیں۔اور انہی محرکات توبہ کی وجہ سے تصوف کی دنیا میں چلنے والوں کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

1۔عذاب آخرت کے خوف سے توبہ (یہ عوام الناس کی توبہ ہے):- توبہ کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ بندہ جب گناہ کر بیٹھتا ہے۔تو اِس کے نتیجے میں عذاب آخرت کا خوف اِس کے دل پر غالب آجاتا ہے۔اور خوف کا یہ تصور اُس کی توبہ کا ایک طرح محرک بن جاتا ہے اور وہ بارگاہ رب العزت میں اِس خوف کی وجہ سے اپنے اعمال پر نادم ہو کر توبہ کرتا ہے۔تو یہ توبہ کا پہلا درجہ ہے اور ایسی توبہ کرنے والے کو " تائب" کہتے ہیں۔جس کے متعلق نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

التائب من الذنب کمن لا ذنب لهٗ　　ترجمہ " : جو گناہوں سے تائب ہو جاتا ہے وہ ایسا ہے جیسے اُس نے کبھی گناہ نہیں کیا " (سنن ابن ماجہ)

تو توبہ کی یہ صورت عوام الناس کی توبہ کہلاتی ہے۔

2۔اجر و ثواب سے محرومی کے خوف کی وجہ سے توبہ (خواص کی توبہ):- توبہ کے پہلے درجے تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں۔بلکہ اس کا درجہ بلند ہو۔توبہ کی دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اُس کی بارگاہ سے قربت کا مقام حاصل ہونے والے اجر و ثواب اور مرتبہ و مقام کا تصور دل پر غالب آجائے کہ اگر میں اِسی حالت پر قائم رہا تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم کر دیا جاؤں گا۔

بلند تر اجر و ثواب سے محرومی اور مزید طلب نعمت کے خیال کا غلبہ اِس کے موجودہ مرتبہ و مقام پر قائم رہنے پر ندامت کا سبب بن جاتا ہے۔تو جو شخص اُس بلند و بالا مقام کو مدنظر رکھے جسے خالق حقیقی نے ایسے لوگوں کے لیے رکھا ہے تو توبہ کی اِس شکل کو " انابت" کہتے ہیں اور ایسی توبہ کرنے والے کو " مُنیب" کہتے ہیں۔

چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ :(سورۃ ق ,آیت نمبر -34-33)

مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِۨ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِکَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ

ترجمہ " : جو اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرا اور ایک رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔اُس کو حکم ہوگا کہ داخل ہو جا اُس جنت میں سلامتی سے ہمیشہ رہنے کے لیے "۔

یہ توبہ خواص کی توبہ کہلاتی ہے۔

3۔خاص رضائے الٰہی کے حصّول کے لیے توبہ (خواص الخواص کی توبہ):- تصوف کی " ت " جس توبہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔وہ بندۂ مومن کو حرف " تائب" و " منیب" کے درجے پر محدود نہیں رکھتی کیونکہ توبہ کا کمال فقط "انابت" کے مقام کو پا کر " مُنیب" بن جانے میں نہیں ہے بلکہ اِس سے بھی آگے ایک درجۂ توبہ " اوّابیت" کا ہے کہ بندہ خالص رضائے الٰہی کی خاطر بارگاہ الٰہی میں توبہ کرے۔

گویا جب اللہ تعالیٰ کی محبت اور اِس کی رضا کے حُصول کے لیے اپنے اعمال پر حیا آئے اور ندامت کے باعث توبہ ہو تو اِیسی توبہ کرنے والے کو " اوّاب" کہتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:(سورۃ ص،آیت نمبر 30- 43) نِعمَ العَبدُ اِنہٗ اَوَّاب " وہ بہت خوب بندہ تھا درحقیقت وہ رجوع کرنے والا بندہ تھا"۔

گویا اِس کا مطلب یہ ہوا کہ توبہ کے تین طریقے ہیں۔

توبہ کا پہلا طریقہ: خطا سے ثواب کی طرف توبہ کرنا ----- **توبہ کا دوسرا طریقہ:** ثواب سے ثواب کی طرف توبہ کرنا---- **توبہ کا تیسرا طریقہ:** خودی سے خدا کی طرف توبہ کرنا

2۔ تصوف کا دوسرا حرف " ص "

تصوف کا دوسرا حرف " ص " ہے۔جس سے مراد صَفاَ ہے۔

صَفا کی اقسام:- صَفا کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ صفائے قلب　　2۔ صفائے سِرّ (قلب کے قلب کی صفائی)

1۔صفائے قلب:- قلب کی صفائی سے مراد یہ ہے کہ دل اُن بشری کدورتوں سے پاک صاف ہو جائے جو عموماً دل کے اندر پائی جاتی ہیں مثلاً کھانے، پینے، سونے اور زیادہ گفتگو کرنے کی خواہش۔زیادہ کمائی کی ہوس کثرت جماع اور اہل و عیال کی حد سے زیادہ محبت اِسی طرح دیگر خواہشات نفسیانی، تکبر و غرور، حسد و کینہ، بغض و عناد، سرکشی و عداوت، منافقت اور کدورت اور ایسے رذیل اخلاق جن سے دل سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ان تمام مذمومہ اخلاق سے منزہ و مبرا ہو جائے تو اِس کو صفائے قلب کہتے

ہیں۔

2۔صفائے سِر:– علم روحانیت میں قلب جسم کا باطن ہوتا ہے اور سِر ، قلب کا باطن دل کا رذائل اخلاق سے پاک ہونا صفائے قلب کہلاتا ہے اور صفائے سِر سے مراد یہ ہے کہ نہ صرف دل کی ظلمتیں ڈھل جائیں۔ بلکہ دل اللہ تعالی کے سوا کے خیال سے اِس طرح پاک ہوجائے کہ اللہ تعالی کے غیر کا تصور بھی نہ آئے۔

جب انسان مقام سِر کی صفائی کر لیتا ہے تو اُس کے دل و دماغ میں اللہ کے سوا کسی اور کا تصور نہیں رہتا۔ رات دن اپنے رب کو پکارنے والے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ :(سورۃ الکھف ،آیت نمبر -28) وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ

ترجمہ:"اور (اے محمد خاتم النبیین ﷺ) اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ روکے رہیے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے اور اُس کی رضا کے طالب ہیں"۔

اپنے محبوب کی طلب رضا کے اِس راستے پر چلتے چلتے اُن کا مقام سِر اتنا صاف اور اُجلا ہو جاتا ہے کہ انہیں مقام توحید میسر آ جاتا ہے۔ جہاں پہنچ کر غیر اللہ کے خیال اور ماسوئ محبوب کے تصور سے مکمل طور پر آزاد ہو کر فنا فی اللہ کی منزل میسر آ جاتی ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور صفائے سِر:– بعض عُرفاء نے مقام سِر میں اللہ رب العزت کے تعلق کی کیفیت بیان کی ہے۔ مقام سِر اور مقام توحید جو صفائے سِر سے نصیب ہوتا ہے۔ وہاں اللہ کی ذات کے ساتھ ایک ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے کہ اِس تعلق کے ہوتے ہوئے چشم تصور اور خیال میں کسی اور کا خیال گزرنے نہیں پاتا اور توحید کا درجہ مکمل ہو جاتا ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ " ایک رات میں بیدار ہوئی اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا کہ بستر پر نہیں ہیں۔ میں تلاش کرتے کرتے آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ عبادت میں مشغول ہیں۔ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے قریب ہی بیٹھ گئی اور کچھ عرض کیا آپ خاتم النبیین ﷺ نے میری آواز سنی اور کہا "مَن اَنت؟ تو کون ہے "؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا " اَنا عائشہ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ "میں عائشہؓ ہوں یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ"۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " مَن عائشہ؟ کون عائشہ "؟ آپؓ فرماتی ہیں کہ میں گھبرا گئی۔ پھر سنبھل کر جواب دیا۔" اَنا عائشہ بنت ابوبکر "میں ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہ ہوں"۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "مَن ابوبکر؟ ابوبکر کون"؟ میں نے عرض کیا "ابوبکر بن قحافہ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ابوبکر ابوقحافہ کے بیٹے" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "مَن ابوقحافہ؟ کون ابوقحافہ "؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ " جب نوبت یہاں تک پہنچی تو میں گھبرا گئی اور واپس پلٹ آئی "

3۔ تصوف کا تیسرا حرف " و"

تصوف کا " و: " ولایت سے لیا گیا ہے۔ ولایت کو عرف عام میں دوستی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور صاحب ولایت کو ولی کہتے ہیں۔ اِس اعتبار سے ولی کا معنی ہوا اللہ کا دوست ولایت اور تقوی لازم وملزوم ہیں۔تقویٰ کے بغیر ولایت کا تصور گمراہی ہے۔

جب بندہ اپنا جینا مرنا، کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا عزت آبرو، بشریت ناموری، بیماری وصحت سب کچھ اللہ رب العزت کے سپرد کر دیتا ہے تو اللہ تعالی فرماتا ہے: حدیث قدسی (مفہوم)

"لوگوں میں اپنے بندے کا ولی ہوں۔ اِس کے جملہ معاملات میں نے اپنے ذمہ لے لیے ہیں اور اپنے معاملات جو بندوں کے رشد وہدایت اور اُن کی اصلاح احوال سے متعلق تھے وہ اپنے اِس بندے کو دے دیئے ہیں تو اب سُن لو کہ اِس کے تمام معاملات میں خود سنبھال لوں گا"۔

یہ معاملات جس کے سپرد کئے جاتے ہیں اُس کو ولی اللہ کہتے ہیں۔ اور یہ مقام ولایت جس کو عطا کیا جاتا ہے۔ اُس کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

"جس نے میرے ولی سے عداوت کی میرا اُس کے ساتھ اعلان جنگ ہے "-(صحیح بخاری)

4- لفظ تصوف کا چوتھا اور آخری حرف " ف":

"ف" سے فنا کا تصور اہل صفا کی نظر میں:- اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ تعالی کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

باری تعالی کا یہ ارشاد فنا اور بقا کے تصور کی اساس ہے:۔

"فنا":۔ فنا اِس حالت کو کہتے ہیں جب سالک کی نگاہ سے غیریت اٹھ جائے اور سوائے باری تعالی کی ذات کے اور کچھ نہ دیکھے۔ یا جب سالک کی نگاہ سے غیریت اٹھ جائے اور اللہ تعالی کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔

"بقا :" بقا اِس حالت کو کہتے ہیں کہ اِس حال فنا سے اُس کو آفاقہ ہو اور خالق و مخلوق ، حادث وقدیم میں تمیز کر سکے۔ طالب صادق کو پہلے فنائے فعلی" پھر فنائے" صفاتی" اور پھر فنائے" ذاتی" ہوتی ہے۔ یعنی سب سے پہلے اپنے افعال کو فعل خدا میں۔ پھر اپنی صفات کو صفات خدا میں اور پھر اپنی ذات کو ذات خدا میں فنا پاتا ہے۔ فنا اور بقا دونوں ہماری صفتیں ہیں اور ہمارے اوصاف کی تحقیق ہیں فنا اور بقا دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ لیکن فنا اور بقا دونوں یکسر جداگانہ صفتیں ہیں۔ اِس لیے کہ فنا سے ذکر غیر اور بقا سے ذکر حق مراد ہے۔ وہ جو اپنے آپ سے خالی ہو جائے وہ حق کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی بندہ اپنی مقام بندگی ہی میں الجھ جائے اور اُس کی بندگی اُس کی نگاہوں میں چمکنے لگے۔ تو وہ اپنی مقام بندگی کو کھونے لگتا ہے۔ بندہ اپنی بندگی کی حقیقت تک تب ہی پہنچتا ہے۔ جب اُس کا اپنا عمل اُس کی نگاہوں میں ہیچ ہو جائے اور ہمہ وقت ذات حق کا مشاہدہ ہی اُس کی نگاہوں میں رہے۔

بندے کا ہر فعل ناقص اور فاعل حقیقی کا ہر فعل کامل ہوتا ہے۔ چنانچہ جب بندہ غیر اللہ کے تعلقات سے فانی ہو جاتا ہے تو وہ فنائیت سے آگے گزر کر بقائے دوام کی منزل کو پالیتا ہے۔ یہ بات بھی دھیان میں رہے کہ فنا اور بقا کے سرچشمے اخلاص اور وحدانیت سے پھوٹتے ہیں۔ یہی عبودیت کی جان ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زندیقی ہے۔ جب بندہ اپنے آپ کو بحکم حق مقہور اور ہر اعتبار سے مغلوب و عاجز تصور کرنے لگتا ہے تو عجز و انکسار اِس کی سرشت میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ فنا کی وادیوں سے گزر کر مملکت بقائے دوام میں جا نکلتا ہے۔ یعنی جب بندے کے دل پر عظمت حق منکشف ہوتی ہے تو وہ اپنے دل سے دنیا و ماسوا کا ہر تصور مٹا دیتا ہے اور تمام مقامات یہاں تک کہ " کرامات" کا ظہور بھی اُس کی نگاہوں میں ہیچ ہو جاتا ہے۔

فنا سے فنا ہو جانا (فنا الفنا ہو جانا) گو یا حق سے ہم کلام ہو جانا ہے۔ جس میں جسم وجان وقلب وروح سرتاپا عجز، عاجزی، انکساری اور تواضع سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ " کسی وقت میری یہ حالت تھی کہ میں جب اُس کی تلاش میں نکلتا تھا تو سوائے اپنی ہستی کے کچھ نہ پاتا تھا۔ لیکن اَب عرصہ بیس سال سے یہ کیفیت ہے کہ خود کو تلاش کرتا ہوں اور ہر بار اُسی کو پاتا ہوں"۔

"بقا" صرف ذات باری تعالی کو ہے اور بندہ جب تک اپنی ذات کے پنجرے میں مقید رہے گا۔ اُس وقت تک نہ اُسے " بقا" کی منزل ہاتھ آئے گی اور نہ ہی وہ حُسن مطلق کا مشاہدہ کر سکے گا۔ لہذا مشاہدہ حق کی خاطر اُسے اپنی ذات اپنی انانیت، اپنا جسم، اپنی روح، اپنا وجود یہ سب کچھ فنا کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں عالم خلق سے ہونے کے باعث فانی ہیں۔ جب تک ان کا وجود باقی ہے اللہ بندے سے محجوب (چھپا ہوا) ہی رہے گا۔ اور ان کے فنا ہوتے ہی بندے کو ذات مطلق سے تعلق کے باعث مقام بقا حاصل ہو جائے گا۔

****

تصوف یا روحانیت یا طرزِ فکر

روحانیت کا اگر مجموعی طور پر کوئی دوسرا نام یا لفظ ہو سکتا ہے۔تو وہ دراصل طرزِ فکر ہے جب ہم کسی چیز کو اپناتے ہیں تو اس میں طرزِ فکر کو دخل ہوتا ہے۔کیونکہ آدمی طرزِ فکر قائم کرنے کے اصول وضوابط سے واقف نہیں ہوتا۔اس لیے اُسے ایسے آدمی کی تلاش ہوتی ہے جو فکر قائم کرنے کے اصول وضوابط یا طرزِ فکر قائم کرنے کے قانون سے واقفیت رکھتا ہو۔ابتدا اِس طرح ہوئی کہ ایک بندے نے ایک ایسا بندہ تلاش کیا جس کی طرزِ فکر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے واسطہ ہے۔ایسے بندے کی قربت سے دوسرے بندے کو وہی طرزِ فکر منتقل ہو جاتی ہے۔اور جب بندے کی طرزِ فکر اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی طرزِ فکر سے قریب ہو جاتا ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرزِ فکر کام کر رہی ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی طرزِ فکر سے قریب ہونے کے بعد بندہ اُس طرزِ فکر کے قریب ہو جاتا ہے۔جو اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے۔

<u>طرزِ فکر یا نظر کا قانون ایک ہی بات ہے۔</u> 1۔ایک طرزِ فکر ایسی ہے جو بالواسطہ کام کرتی ہے۔ 2۔اور ایک طرزِ فکر یہ ہے کہ جو براہ راست کام کرتی ہے۔

کوئی آدمی اگر ایسے شخص کی طرزِ فکر کو اپنے لیے واسطہ بناتا ہے جس کی طرزِ فکر براہ راست کام کر رہی ہے۔تو اُس کے اندر وہی طرزِ فکر منتقل ہو جاتی ہے۔جس طرح رنگین شیشہ آنکھ پر لگانے سے ہر چیز رنگین ہو جاتی ہے۔روحانی تعلیم دراصل طرزِ فکر کی اِس صلاحیت کو اپنے اندر منتقل کرنے کا ایک عمل ہے۔اس دنیا میں جتنے پیغمبران تشریف لائے ان سب کی طرزِ فکر یہی رہی کہ ہمارا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست قائم رہے۔اور یہ رشتہ ہی کائنات کو حرکت میں رکھے ہوئے ہے۔**<u>پیغمبروں کی تعلیمات بھی یہ ہیں کہ بندوں کے دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ بندہ ذات باری تعالیٰ کے رشتے کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔</u>**

تمام پیغمبران نے اِسی طرزِ فکر کو مستحکم کرنے کے لیے اچھائی اور برائی کا تصور عطا کیا۔اگر اچھائی اور برائی کا تصور نہ ہو تو نیکی اور بدی کے اختیار نا قابل تذکرہ ہو جائیں۔اِس بات سے کوئی آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ شیطان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے لیکن شیطان کا ایک ایسا روپ ہے یا ایسا رخ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدہ ہے۔اور شیطانیت کے برعکس اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری اللہ کے لیے پسندیدہ عمل ہے۔اور جو لوگ تخلیق کے اِس فارمولے سے واقف ہیں اور جن کا ایمان یقین اور مشاہدہ بن جاتا ہے وہ ہر شے کو من جانب اللہ سمجھتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کو اپنی زندگی بنا لیتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے شادی کیوں نہیں کی کیا آپ کو شیطان سے ڈر نہیں لگتا؟ حضرت رابعہ بصریؒ نے جواب دیا" مجھے رحمن سے فرصت ہی کہاں ہے جو میں شیطان سے ڈر رکھوں " ؟اِسی بات کو خواجہ غریب نوازؒ نے اِس طرح فرمایا: میری ہر سانس کے ساتھ اللہ بسا ہوا ہے اور میری ہر سانس اللہ کے ساتھ وابستہ ہے۔''------ایسے برگزیدہ اور پاکیزہ نفس کے بندے جن کا نفس ایمان سے معمور ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ ہر وقت خیر کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔اور جانتے ہیں کہ خیر اور شر دونوں لازم وملزوم ہیں۔بالکل اِسی طرح جیسے روشنی اور تاریکی ،گرم اور سرد ،تلخ اور شیریں ،راحت اور تکلیف ،خوشی اور غم،غصہ اور محبت وغیرہ لازم وملزوم ہیں۔یہ وہ پاکیزہ نفوس ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "ہمارے بندے ایسے بھی ہیں جو ہماری زبان سے بولتے ہیں اور جو ہمارے کانوں سے سنتے اور ہمارے ہاتھ سے پکڑتے ہیں۔ "

ان بندوں کی طرزِ فکر میں یہ بات یقین کا درجہ حاصل کر لیتی ہے ہماری حیثیت ایک معمولی کٹھ پتلی کی سی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ طرزِ فکر دو طرح کی ہوتی ہے۔ 1۔ بالواسطہ 2۔ براہ راست

خاتم النبیین ﷺ سے یہ دونوں طرزِ فکر ان کی امت میں منتقل ہوئے۔علم کے بارے میں گفتگو کے دوران حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ": مجھے نبی پاک خاتم النبیین ﷺ سے علم کے دو الفاظ ملے ایک کو میں نے ظاہر کر دیا دوسرے کو چھپا لیا"لوگوں نے کہا" یہ علم بھی کوئی چھپانے والی چیز ہے" ؟اس پر آپؓ نے فرمایا "اگر وہ لفظ میں لوگوں پر ظاہر کر دوں تو تم لوگ مجھے قتل کر دو گے۔"

مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ لفظ جس کو ابو ہریرہؓ نے چھپایا کسی کو منتقل ہی نہیں کیا یا وہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کسی کو بھی نہیں سکھایا۔بات یہ ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے علم میں سے ایک علم وہ ہے جو عوام الناس پر ظاہر کر دیا گیا جس کو علم شریعت کہتے ہیں اور دوسرا علم وہ ہے جو عوام الناس کی ذہنی اور شعوری سکت سے ماوری ہے۔پہلے علم میں تقرب الٰی اللہ کے وہ اعمال واشغال اور قوانین ہیں جن پر چل کر بندہ وہ زندگی اختیار کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے پسندیدہ ہے۔

اور دوسرے علم میں اللہ تعالیٰ کے وہ اسرار و رموز ہیں جو صرف کائنات کے نظام تکوینی یا Adminstration سے متعلق ہیں۔ایسے بندوں کی زندگی سرتا پا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہوجاتی ہے۔وہ جب اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں تو اُن کے ذہن میں یہ تصور نہیں ہوتا کہ اِس کے صلے میں انہیں جنت ملے گی۔اور نہ ہی کوئی عمل یہ اِس لیے کرتے ہیں کہ اِس عمل کے کرنے سے انہیں دوزخ سے نجات ملے گی۔وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اللہ کے لیے پکارتے ہیں۔اُن کے سامنے اللہ کی ذات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دیتے ہیں وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں اِس کا تذکرہ موجود ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ایک بندے (حضرت خضرؑ) سے یہ کہا تھا کہ " آپ نے ناحق ایک جان کو ہلاک کرڈالا"۔اِس پر بندے نے جواباً کہا کہ " میں نے جو کچھ کیا ہے اپنی طرف سے نہیں کیا، اللہ تعالیٰ ایسا چاہتا تھا میں نے ایسا کردیا"۔یہاں پر اب ہم کہیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ علم دیا گیا تھا جس کو علم شریعت کہتے ہیں۔اور اُس بندے کے پاس وہ علم تھا جس کو تکوین یا Administration کا نام دیا جاتا ہے۔راستے دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں فرق یہ ہے کہ ایک راستے پر طرزِ فکر آزاد ہے جبکہ دوسرے راستے پر طرزِ فکر پابند ہے آ زاد طرزِ فکر اطلاعات کو اپنے دائرہ اختیار میں قبول کرتی ہے۔یہ شریعت ہے۔دوسرا پابند طرزِ فکر ہے۔جس میں ایسا ویسا ،چوں چراں نہیں ہے(اب اپنا اختیار نہیں ہوتا)۔ -----اللہ تعالیٰ رات کے لیے اگر یہ فرمادیں کہ یہ دن ہے تو پابند طرزِ فکر میں یہ بات آتی ہی نہیں ہے کہ یہ رات ہے۔دنیا کے چھ ارب انسان یہ کہیں گے کہ یہ رات ہے لیکن پابند طرزِ فکر والا ایک آدمی یہ کہے گا کہ یہ دن ہے۔اِس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمانے کے بعد رات اُس کے مشاہدے میں دن بن جاتی ہے اور اِس کے تمام حواس وہی بن جاتے ہیں جو دن کے حواس ہیں۔اس میں ایک راز ہے ،وہ یہ ہے کہ رات اور دن کی کوئی الگ حیثیت نہیں ہے بلکہ رات اور دن دراصل ایک تخلیق یا ایک یونٹ کے دورُخ ہیں۔ایک رخ کا نام دن ہے اور دوسرے رخ کا نام رات ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے رات کو دن فرمادیا تو تخلیقی فارمولے بدل گئے۔لیکن چونکہ ایک مخصوص آدمی کے لیے فرمایا ،اس لیے فارمولے میں تبدیلی صرف اُسی آدمی کے لیے مظہر بنی۔رات کے حواس پابند طرزِ فکر ہیں۔اور دن کے حواس آزاد طرزِ فکر۔دن کے حواس وہ زندگی ہے جہاں انسان اپنے اختیار استعمال کر کے زندگی بسر کرتا ہے۔رات کے حواس وہ زندگی یا وہ طرزِ فکر ہے جہاں انسانی اختیارات زیرِ بحث نہیں ہوتے۔کوئی شخص دن کے حواس میں اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل نہیں کرسکتا۔اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنا یا غیبی دنیا میں داخل ہونے کے لیے بہر حال رات کے حواس کا سہارا لینا پڑتا ہے۔اور جب رات کے حواس دن کے حواس پر غالب آجاتے ہیں تو طرزِ فکر پابند ہوجاتی ہے۔اور پابند طرزِ فکر سے انسان اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرلیتا ہے۔

شریعت کے قوانین پر عمل کرنے والے بندے بھی یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ پابند طرزِ فکر یا رات کے حواس میں داخل ہوجائیں۔جس حد تک وہ کوشش میں کامیاب ہوتے ہیں،اِسی حد تک اُن کی طرزِ فکر پابند ہوجاتی ہے۔لیکن چونکہ وہ اختیارات کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔اِس لیے رات کے حواس یا پابند طرزِ فکر میں بھی یہ حد بندیاں قائم رہتی ہیں۔حد بندیاں قائم رہنے کی وجہ سے وہ اپنی عبادت وریاضت کا حاصل جنت کا حصول یا دوزخ سے آزادی سمجھتے ہیں۔جبکہ جنت کا حصول صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ جنت میں جنتی اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کریں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ طرزِ فکر کس طرح پیدا کی جائے؟ کسی بھی طرح کی طرزِ فکر صرف اور صرف صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔اگر صحبت کسی ایسے شخص کی ہے۔جو دین کی باتیں سمجھنے والا اور قرآن وسُنت پر عمل کرنے والا ہے ، تو ایسے بندے کی صحبت سے دوسرے بندے کو بھی اِس کی طرزِ فکر منتقل ہوجاتی ہے۔جب سُنتوں پر عمل کرنے والا کوئی اللہ کا دوست (شیخ ،پیر،مرشد،روحانی اُستاد) انبیا کی طرزِ فکر کا وارث بن جاتا ہے۔جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سب سے پہلی چیز ہے۔تو انبیا کی طرزِ فکر کا وارث ہوتا ہے۔جب کوئی شاگرد اپنے روحانی اُستاد کی طرزِ فکر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُس کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اُستاد کی نسبت حاصل کرے۔نسبت حاصل کرنے کا پہلا سبق تصور ہے۔جب روحانی شاگرد آنکھیں بند کرکے ہر طرف سے ذہن ہٹا کر اپنے روحانی اُستاد کا تصور کرتا ہے تو روحانی اُستاد کے اندر کام کرنے والی لہریں اور طرزِ فکر شاگرد کو منتقل ہونے کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔

تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ جب کوئی روحانی شاگرد اپنے روحانی اُستاد کے تصور میں گم ہوجاتا ہے تو اِس کی چال ڈھال انداز گفتگو اور شکل و صورت میں ایسی نمایاں مشابہت پیدا ہوجاتی ہے کہ یہ پہچاننا مشکل ہوجاتا ہے کہ یہ اپنے روحانی اُستاد کا عکس ہے۔تصور کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کرکے ہر طرف سے ذہن کو آزاد کرکے آنکھیں بند کرکے تصور کیا جائے کہ روحانی اُستاد کی طرزِ فکر میں کام کرنے والی روشنیاں میرے اندر منتقل ہورہی ہیں۔**اس لیے کہ طرزِ فکر روشنیوں کا وہ ذخیرہ ہے جو حواس بناتی ہیں ،شعور بناتی ہیں اور زندگی کی ایک نہج بناتی ہیں۔**

روحانی علوم حاصل کرنے میں دیر اِس لیے لگتی ہے کہ روحانی علوم دوسرے تمام علوم پر حاوی ہیں۔اور یہ کہ روحانی علوم لاشعوری صلاحیت کے تابع ہیں۔ان علوم کے سیکھنے میں جو وقت لگتا ہے۔وہ شعور کے اندر سکت پیدا کرنے میں صرف ہوتا ہے۔اِس کی مثال یہ ہے کہ ایک چھوٹا بچہ اگر دو چھٹانک وزن اُٹھانے کی سکت رکھتا ہے اِس کے اوپر اگر پانچ سیر وزن رکھ دیا جائے تو اسے نقصان پہنچے گا۔اِس طرح اگر قاعدہ پڑھنے والے بچے سے یہ توقع رکھیں کہ وہ بڑی کلاسوں کے سوال حل کرنے لگے گا۔تو یہ عقلمندی نہیں ہے بچے کے اندر جیسے جیسے سکت پیدا ہوتی رہتی ہے علوم کے دروازے کھلتے رہتے ہیں۔تصور (یا مراقبہ) کی مشقوں سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ صاحب

مراقبہ جب آنکھیں بند کر کے تصور کرے تو خود سے اور ماحول سے بے نیاز ہو جائے۔اصل مدعا کسی ایک طرف دھیان کر کے ذہنی یکسوئی حاصل کرنا اور منتشر خیالی سے نجات پانا ہے۔اِس کے بعد باطنی علم کڑی در کڑی از خود ذہن پر منکشف ہونے لگتا ہے۔**قانون یہ ہے کہ آدمی کسی لمحہ بھی حواس سے آزاد نہیں ہوتا۔جب ہمارے اوپر شعوری حواس کا غلبہ نہیں رہتا تو لاشعوری حواس متحرک ہو جاتے ہیں۔**

اہل نور یا اہل باطن

اللہ تبارک تعالیٰ کی سب سے بڑی عطا یہ ہے کہ اپنے بندے کو اپنی توحید عطا فرما دے۔پھر جس دل میں اپنی توحید رکھ دی اس دل سے ماسوا کو خارج کر دیتے ہیں اور پھر اس بندے کو علم عطا فرماتے ہیں۔ **۱**۔پہلا علم وہ ہے جو اہل فراست کو دیا گیا۔اہل عقل کو دیا گیا اہل ظاہر کو دیا گیا یہ **علم شریعت** ہے۔

۲۔دوسرا علم وہ ہے جو اہل محبت کو دیا گیا اہل باطن کو دیا گیا یہ **علم طریقت** ہے۔ **۳**۔تیسرا علم وہ ہے جو اہل معرفت کو دیا گیا اہل حقیقت کو دیا گیا۔یہ **علم سِرّ (راز)** ہے۔

(۱) علم شریعت:۔علم شریعت کا تعلق ظاہر سے ہے، ذہن سے ہے، زبان سے ہے اور جس علم کا تعلق ذہن اور زبان سے ہے وہ قاری ہیں، مفتی ہیں، مفسر ہیں۔

(۲) علم طریقت:۔علم طریقت کا تعلق دل سے ہے اور جس علم کا تعلق دل کی گہرائیوں سے ہے وہ صوفی ہے۔صوفی وہ ہے جس نے دل اور روح نوری چیز کے دین کو پہچانا اور سمجھا اہل شریعت کا علم پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔جس کو جتنا صاحب فراست معلم ملا وہ علم ظاہر میں اتنا ہی نافع ہو جاتا ہے۔علم طریقت یا علم سینہ اہل محبت کو نصیب ہوتا ہے۔یہ علم اہل باطن کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔یہ علم تصرف باطنی سے طالب کے دل پر وار کیا جاتا ہے۔اللہ تبارک تعالیٰ جسے اپنے فضل کے سائے میں لینا چاہتا ہے اسے اس تصرف کے اندر لے لیتا ہے۔پھر وہ دل نیک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔اس تصرف کے استعمال کو توجہ کہتے ہیں توجہ باطنی سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔خفتہ بیدار ہو جاتے ہیں، بھولے ہوئے نادم ہو جاتے ہیں، گنہگار تائب ہو جاتے ہیں اور تائب صاحب مراد ہو جاتے ہیں۔پھر اس دل میں القاء اور الہام ہونے لگتے ہیں۔القا اور الہام من جانب اللہ ہے یعنی اللہ کریم اس کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کسی اہل باطن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ ہماری تعلیم کا علم کتاب اور دنیا کے معلم ہیں اور جسے تم حقیر سمجھ رہے ہو اس کا معلم رب تعالیٰ ہے اور وہ زندہ دل کا مالک ہے۔

اہل دل کو علوم مشاہدے سے بھی حاصل ہوتے ہیں وہ عالم رویا (خوابوں کی دنیا) کی سیر کرتے ہیں۔بزرگان دین کی ارواح سے ملاقات کرتے ہیں ان کی صحبتیں اٹھاتے ہیں اور فیض پاتے ہیں۔یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی دل (شیخ کامل) یا استاد کامل کی توجہ کے اندر ہوتا ہے۔جب بلب کا تعلق پاور ہاوس سے ہوگا تو روشنی برابر آئے گی۔اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہیں لیکن جس کی طاقت جتنی وسیع ہوتی ہے اس کے کارندے اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں اور اتنے ہی وہ اختیارات بانٹتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ خود مخلوق سے براہ راست مخاطب ہوتا تو کوئی برداشت نہ کر سکتا۔اس کی مثال اس طرح سمجھیں کہ جیسے سورج نے اپنا نور خود سے جدا کیا اور زمین کی طرف بھیجا جب وہ نور سفر میں ہے تو اس کا نام شعاع آفتاب ہے اور جب یہ نور زمین پر پھیلتا ہے تو اس کا نام دھوپ ہے، سورج کی شعاعوں اور دھوپ سے انسانی زندگی کی نشوونما ہے۔لیکن اگر سورج خود زمین پر اتر آتا تو ہر چیز فنا ہو جاتی۔اللہ جل شانہ نے اپنی قدروں کے مظاہر بندوں کے اندر بنائے تاکہ لوگ اس کی تاب لا سکیں اور نفع حاصل کر سکیں۔

اہل نور، اہل دل یا اہل محبت تو دنیا کی اندھیری راہوں میں بمنزلہ چراغ کے ہیں جن کی روشنی میں مسافر اپنی منزل طے کرتے ہیں۔یہ توفیق انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں بخشی ہے۔یہ جب کسی کا دل دھوتے ہیں، توجہ دیتے ہیں تو وہ دل غفلت سے نکل جاتا ہے اور جسم نیند سے نکل جاتا ہے۔نیند ایک عارضی موت ہے اہل اللہ کی صحبت میں نیند نہیں آتی۔**اگر تو کسی کی صحبت میں جائے اور تیرے دل میں اللہ کا ذکر پیدا نہ ہوا اور تیرا ظاہر غفلت سے فارغ نہ ہوا اور دنیا غالب رہے تو جان لینا کہ یہ صحبت کارآمد نہیں ہے اور جب کسی کی صحبت میں تیرے دل میں اللہ کا ذکر پیدا ہو جائے۔صحبت سے سکون ملے گا اور دھیان اللہ کی طرف رہنے لگے تو جان لینا کہ یہ صحبت کارآمد ہے۔**

ایک قول ہے کہ ''مومن بندہ وہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے تو تجھے رب یاد آئے۔جب تو اس کے عمل کو دیکھے تو تجھے آخرت یاد آئے اور جب تو اس سے کلام کرے تو تیرے علم میں اضافہ ہو''۔جس قلب میں اللہ کا ذکر ہے وہ بیدار ہے۔ جس کا دل بیدار ہے اس کا جسم بھی بیدار ہے۔دل جسم میں سردار کی حیثیت رکھتا ہے جب سردار بیدار ہوتا ہے تو باقی اعضا کی مجال نہیں کہ سو جائیں۔**یاد رکھیئے کہ صرف بیدار ہی منزل طے کیا کرتے ہیں سوئے ہوئے کیا خاک منزل طے کریں گے؟**

(۳) علم سِرّ (راز):۔تیسرا علم، علم سِرّ (راز) ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے حاصل ہوتا ہے یہ وہ علم ہے جس کا کمال اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب حضرت محمد

خاتم النبیین ﷺ کو عرش پر بلا کر عطا فرمایا - اہل سِرّ یا اہل راز کو فقط اللہ جل شانہ اور ان کے حبیب خاتم النبیین ﷺ ہی جانتے ہیں ۔ جس نے علم سِرّ پایا وہ سِرّ (راز) بن گیا۔ جنہیں راز ملتا ہے وہ امانت میں خیانت نہیں کرتے ۔علم سر اہل عشق کا حق ہے اس علم سے حقیقت حیات کا پتہ چلتا ہے ۔ یہ حضرات اللہ جل شانہ کی عظمت اور جبروت کو سمجھ کر حق بندگی ادا کرتے ہیں ۔ انسان جو بظاہر چند ہڈیوں اور گوشت پوست کا ڈھانچہ نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایک وسیع کائنات پوشیدہ کر رکھی ہے ۔ اس کے دو عنوان قائم کئے ہیں ۔ ایک حالت بشریت اور ایک حالت (ملکوتی) ملوکیت ۔ بشریت نہ دیتے تو عالم کائنات یا عالم فانی میں قائم رہنا مشکل ہو جاتا ۔ اس لیے عالم فانی کو چلانے کے لیے اعضائے فانی دیئے گئے ۔ اسی کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر وہ صفات بھی رکھے جو ایک فرشتے میں ہوتے ہیں ۔ اب جو صفت انسان پر غالب آتی ہے اس کے افعال اور اعمال میں بھی وہی ظاہر ہوتی ہے ۔ جب بشریت کا غلبہ ہوتا ہے تو گناہ ہوتے ہیں جب ملکوتی غلبہ ہوتا ہے تو گناہ کا امکان جاتا رہتا ہے ۔ **سب سے بڑی چیز خوف خدا ہے۔ خوف خدا بڑی چیز ہے۔ جو اللہ سے ڈرتے ہیں وہی دل سلامتی والے ہیں جن کے دلوں میں سلامتی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنی زبان سے خیر کے کلمے نکالتے ہیں۔ زبان کی سب سے بڑی سلامتی اس میں ہے کہ وہ حبیب خدا خاتم النبیین ﷺ پر درود بھیجے، دل کی سلامتی یہ ہے کہ اللہ کے ذکر میں مبتلا ہو اور اعضاء کی سلامتی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کے اندر رہے۔** پھر ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے دروازے کھول دیتا ہے ۔ پھر اس محبت میں ان کو ذکر عطا کرتا ہے ۔ فکر عطا ہوتا ہے ۔ اطاعت عطا ہوتی ہے ۔ ایثار عطا ہوتا ہے ، ندامت عطا ہوتی ہے اور عجز و انکساری عطا ہوتی ہے ۔ پھر ان بندوں کے وجود میں سے طلب دنیا ختم ہو جاتی ہے اور صرف طلب آخرت قائم رکھتے ہیں ۔

جو اللہ سے نہیں ڈرتے اللہ کا عذاب ان کی تلاش میں ہوتا ہے ۔ سب سے پہلے انہیں اپنی محبت سے محروم کرتا ہے ۔ ان میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور جس دل میں نفرت پیدا ہو وہ عبادت کے قابل نہیں ہوتا ۔ حتیٰ کہ عبادت سے بالکل ہی محروم رہ جاتا ہے ۔ دنیا کی طلب اس پر غالب آ جاتی ہے ۔ پھر وہ بندہ خداوند تعالیٰ کو دنیا کے حصول سے پہچاننے لگتا ہے اور دنیا کی ملکیت سے اللہ تعالیٰ کی صفت اور ذات پر اعتبار کرتا ہے جو لوگ اس خطرے کو محسوس کر لیتے ہیں وہ ڈر جاتے ہیں اور ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عافیت اور سلامتی عطا کر دیتے ہیں ۔ یعنی تائب ہو کر رجوع الی اللہ ہو جاتے ہیں ۔

انسان چار چیزوں سے محبت رکھتا ہے۔ ایک جان، دوسرے مال، تیسرے اولاد اور چوتھے عزت۔

اللہ کریم جب کسی بندے کو اپنا پیار عطا فرماتا ہے تو ان چاروں پر آفت بھیج سکتا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ ہمارا پیار اس کے لیے سچا ہے یا جھوٹا؟۔

قرآن پاک سورۃ البقرہ، آیت نمبر 155 میں بھی فرمایا ہے: ''مومن آزمایا جائے گا۔ کبھی بھوک سے، کبھی بیماری سے، کبھی حادثہ، کبھی فقر و فاقہ سے''۔

سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 2 ''کیا جو لوگ ایمان لائے، ایمان لانے کے بعد وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں (ایسے ہی چھوڑ دیں گے اور انہیں آزمائیں گے نہیں)''؟

بے شک اللہ کے خاص کرم اور فضل کے اندر کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے کرم و فضل میں پورے طور پر چھپا لیتی ہے ۔ بس عنایت ہی عنایت ہوتی ہے ۔ اسی صورت میں رب کا شکر بہت واجب ہو جاتا ہے یہ اس کا کرم ہی تو ہوتا ہے کہ عنایت کی بارش کر دی اور نعمتیں بھی پوری پوری عطا کیں ۔ بندہ جتنا شاکر ہوگا انعامات کی بارش اتنی ہی زیادہ ہوگی ۔ **شکر کا مطلب صرف زبان سے الحمدللہ پڑھنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عنایات اور نعمتوں کو دوسروں میں تقسیم کرنا ہے۔ تقسیم جتنی زیادہ ہوگی بقایا مال اتنا ہی پاک ہوتا چلا جائے گا۔ علم کی زکوۃ لوگوں کو علم کا سکھا دینا ہے یاد رکھیں علم کے بڑھنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اپنے پاس والے علم کو دوسرے تک پہنچا دے۔ جیسے ہی علم دوسرے کے پاس جائے گا ہمارے سینے میں مزید علم کے لیے گنجائش پیدا ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے ہمارے سینے کو اپنے علم کے لیے گنجینہ (خزانہ) بنا دیا۔ اس خزانے میں ہم جب تک تقسیم کرنے سے نہیں رکیں گے کمی نہیں آئے گی۔**

اہل کسب سے زیادہ اہل فضل کو شکر ادا کرنا چاہیے ۔ یاد رکھیں ہر فانی طاقت ایک خاص مدت تک کے لیے ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ بڑی عجیب اور بڑی عظمتوں کے مالک ہیں ۔ جن بندوں پر وہ رحم و کرم کرتے ہیں انہیں فنا سے نکال کر بقاء عطا فرما دیتے ہیں ۔ کیونکہ باقی یہ نہیں چاہتا کہ اس کا چاہنے والا فنا ہو جائے ۔ پھر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو عقل سلیم عطا کر دیتے ہیں ، عقل سلیم ایک نور ہے جو مومن بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جبرائیل ہے ۔ یعنی بندے اور اللہ کا تعلق بن جاتا ہے ۔ انسان کے قلب میں جو باریک باریک علم کے نکات پیدا ہوتے ہیں یہ اس عقل سلیم کا نور ہیں ۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے ۔ جسے یہ مل گئی اسے چوکیدار مل گیا جو اس کے اعضا کی نگرانی کرتا ہے اور اس کے اعضاء کو حد سے باہر نہیں جانے دیتا ۔

جن بندوں سے اللہ تبارک تعالیٰ اپنا کام لیتے ہیں ان کے دل، نظر اور زبان میں خود سما جاتے ہیں۔ یہ تو رب کی شان ہے کہ وہ بیان کرواتے ہیں۔ بندہ کیا بیان کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات جب اپنے دوستوں کے دلوں پر تجلی فرماتی ہے تو پھر زبان ان کی نہیں بولتی ۔ نور بولتا ہے اور نور جھوٹ نہیں بولتا ۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ہر شے پر قادر ہے ۔ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا وہ اس کی مخلوق ہے ۔ کوئی مخلوق خالق نہیں ہوتی لیکن ہر مخلوق خالق کا پتہ دیتی ہے ۔ اللہ جل شانہ جن بندوں کو اپنی

ذات کا ذاکر بنانا چاہتے ہیں۔ان بندوں کو ایک عقل عطا فرماتے ہیں جس میں اس کا نور ہوتا ہے۔اسی عقل کو عقل سلیم کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کو ماننے والے اور اس کو پہچاننے والے لوگ دو طرح کے ہیں: ۱۔ اہلِ معاملہ ۲۔ اہلِ عشق

۱۔اہلِ معاملہ:-اہلِ معاملہ وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب کو عقل سے پہچانا۔ان کی تلاش جنت ہے۔

۲۔ اہلِ عشق:-اہلِ عشق وہ ہیں جنہوں نے رب کو دل سے پہچانا ان کی رسائی ''رضائے یار'' تک ہے۔اہل دل اور اہل عشق کے معاملے عجیب ہوتے ہیں یہ فرش پر ہوتے ہیں۔اور عرش کے راہنما ہوتے ہیں۔یوں بظاہر جدا پھرتے ہیں لیکن قرب اور حضوری میں رہتے ہیں،بظاہر غافل نظر آتے ہیں لیکن بڑے بیدار ہوتے ہیں ۔جسے اللہ اپنے کام پر لگا دے وہ بے کار کیسے ہوسکتا ہے؟۔اہل دنیا جب پاؤں سے سفر کرتے ہیں تو ان کے پاؤں پر آبلے پڑ جاتے ہیں اور اہل دل قلب سے مقام طے کرتے ہیں ان کے قلب میں آبلے ہوتے ہیں۔ان میں غفلت نہیں ہوتی۔ان کا قرار ان کی بے قراری میں ہوتا ہے۔ان کا آرام زخمی ہونے میں ہے ان کو جتنی تکلیف پہنچتی ہے اتنا شکر ادا کرتے ہیں۔

اہل معاملہ نعمت میں بھی شکر ادا نہیں کرتے ،اہل عشق نعمت چھن جانے پر بھی شکر ادا کرتے ہیں۔اور ہر شے کو اللہ کی رضا جان کر قبول کرتے ہیں۔عالم ناسوت میں عشق ہے۔آگے بڑھے تو نور ہی نور ہے۔نور نابینا نہیں ہوتا۔راستے کی سیر میں گم نہیں ہوتا وہ بیدار رہتا ہے۔نور کے ذمے ہے کہ بندوں کی اللہ تک رہبری کرے جن کو یہ نور حاصل ہوتا ہے وہ ہی اہل مراد ہیں۔نور کسبی نہیں ہوتا۔یہ اللہ جل شانہ کے مزاج کے مدوجزر کا نتیجہ ہے۔میلوں تک بادل چھائے ہوئے ہیں ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر برق چمکتی ہے اور ایک مقام پر گرتی ہے۔**اللہ جل شانہ کے کرم کی برق نصیب والے دل پر گرتی ہے۔**یہ وہ تجلی ہے جس میں جل کر موت سے نجات مل جاتی ہے۔بے ہوش ہوش پا تا ہے۔جاہل عالم بن جاتا ہے،غافل عارف ہوجاتا ہے۔نابینا بینا ہوجاتا ہے۔اہل ظاہر یا اہل دنیا کی زبان پر انکا علم بولتا ہے۔اہل عشق کی زبان پر ان کی نسبت بولتی ہے۔**نسبت کے علم جس زبان سے ظاہر ہوتے ہیں، بولنے والا بھی اتنا ہی شاگرد ہے جتنا سننے والا۔یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ کسی کو تعارف کروانے کے لیے چن لیا۔جس کو اپنی آواز کا مظہر بنالیں۔**اس پر بھی شکر واجب ہے سننے والے پر بھی شکر واجب ہے۔کفران کریں گے تو اس آواز کے لیے اور وادیاں بہت۔

معراج کا معاملہ تھا۔اہل باطن کے معراج کے نظریوں میں بڑا فرق ہے۔ہر ایک نے اپنی محبت کے وجدان میں عقل دوڑائی ہے۔**ہمارے نزدیک معراج کسی سودا بازی کا نام نہیں۔بلانے والا مختار کل تھا اور جانے والا اشرافتوں کا پیکر۔بات یہ تھی کہ اللہ جل شانہ کو اپنا حسن کل دکھانا مقصود تھا۔عالم ناسوت پر بھی تجلی ہوسکتی تھی لیکن عالم جل جاتا وہاں تو تجلی ہی تجلی تھی۔حسن کل جو دکھانا تھا وہ تو واپسی پر تحفۃً کہہ دیا" امت بخش دی"** ۔

اہل عشق سے محبت کروان کے حلق میں نور بھرا ہوتا ہے۔یہ شہ رگ سے نکال کر نور لوگوں کو دیتا ہے۔اس لیے اس کی بات میں لذت ہوتی ہے۔کہنے میں تاثیر ہوگی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل عشق سے کہیں گے " آج میں تمہارے ساتھ محبت کرنے والوں کا حق ادا کروں گا۔کوئی محبت بھرا بول کسی نے تمہارے لیے نکالا ہے تو آج اس کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ" ۔**اللہ تعالیٰ درویش سے محبت کی توفیق ہی ان لوگوں کو دیتے ہیں جنہیں بخشنا مقصود ہوتا ہے۔**

حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے پاس محمود غزنوی گیا کہا" حضرت بایزید بسطامیؒ کی کوئی بات سنایئے" ؟۔آپؒ نے فرمایا کہ''ان کا کہنا تھا جو مجھے دیکھ لے جہنمی نہیں رہ سکتا''۔محمود غزنوی نے کہا" حضرت کیا وہ سرکار نامدار خاتم النبیین ﷺ سے بھی بڑھ گئے تھے؟ ابولہب نے سرکار خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا پھر بھی جہنمی رہا"؟ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے فرمایا''محمود ہوش کر۔ابولہب نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو بھتیجے کی حیثیت سے دیکھا،حضور خاتم النبیین ﷺ کو نبی کی حیثیت سے نہیں دیکھا۔ورنہ شقی القلب نہ رہتا''،محمود خاموش ہوگیا جانے کی اجازت مانگی آپؒ نے محمود کو اپنا خرقہ دیا۔دروازے تک چھوڑنے آئے۔فرمایا" جب تو آیا تھا تو تیرے اندر شاہی غرور تھا۔اس لیے میں نے توجہ نہیں دی تھی۔لیکن اب جب تو جا رہا ہے تو عجز پیدا ہوگیا ہے اس لیے میں نے تیرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے"۔سومنات میں جب محمود غزنوی کو شکست ہو رہی تھی تو خرقہ حضرت ابوالحسنؒ کا پہن کر فتح کی دعا کی ، جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور فتح نصیب ہوگئی۔----اللہ نے جسکے دل میں جتنی اپنے حبیب کی محبت دیکھی اتنی اس پر تجلی فرمادی۔جس چراغ میں بتی نہیں اسے کوئی کیسے روشن کرے؟ جس دل میں سرکار دو عالم کی محبت نہیں اس میں تجلی کہاں سے آئے گی؟

اللہ جن بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی ذات کو پکاریں تو ان بندوں کے دلوں پر تجلی فرماتا ہے۔اور اپنا نور اس بندے کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔پھر جزو (بندہ) کل (اللہ) کو پکارتا ہے کُل میں فنا ہونے کے لیے دوڑتا ہے۔ایسے بندے کی صفات میں روشنی آجاتی ہے۔آواز میں روشنی ہوتی ہے۔مال میں روشنی ہوتی ہے۔اعمال میں روشنی ہوتی ہے۔اس روشنی کو اہل بصیرت خوب دیکھ لیتے ہیں۔**یہ اہل نور ہیں پھر جب اہل دل یا اہل نور گفتگو کرتا ہے تو یہ نور اس کے دل سے نکلتا ہے تو سننے والے کے دل میں جاتا ہے اس لیے اس کی بات میں تاثیر ہوتی ہے۔جب بولتے ہیں تو نور آواز کے پردے میں خوش عقیدہ دل میں ڈیرے ڈالتا ہے۔یہ نور لذت پیدا کرتا ہے**

۔اسے توجہ ناسوتی کہتے ہیں۔جس دل میں یہ نور کی شاعیں جاتی ہیں۔اس کی حالت بدل جاتی ہے۔شک یقین میں بدل جاتا ہے۔دوری قرب میں بدل جاتی ہے۔ جہالت معرفت سے بدل جاتی ہے۔

سب تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ہیں۔جس نے عالم کون ومکاں کو پیدا کیا۔جس نے گناہ گاروں کو نجات کی راہ بتائی۔جس نے دوست اور مجرم کو یکساں رزق دیا۔جس نے کبھی پکارنے والے کو اپنی مدد سے محروم نہیں کیا۔جس نے مسافر کی اندھیری راہوں کے لیے اپنی محبت کی روشنی عطا فرمائی اور عالم کون ومکاں پر سب سے بڑا احسان یہ فرمایا کہ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ کو مخلوق کو عطا فرما دیا۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس عطا کا شکر ادا کیا۔جتنی بڑی عطا ہے اتنا بڑا شکر ادا ہونا چاہیے۔وہ جو عطا کا شکر ادا کرتا ہے وہ اہل نصیب میں سے ہے اور جو عطا سے منہ موڑتا ہے۔وہ اہل مہلت میں سے ہے۔منہ موڑنے والے کو اس وقت تک مہلت عطا فرماتے ہیں جب تک اس کا سانس حلق سے نکل نہیں جاتا۔اہل مہلت کو برا کہنا جائز نہیں جب تک مہلت ختم نہ ہو جائے۔

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رازوں کے مالک ہیں۔انہوں نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو محروم نہیں فرمایا۔جس کا جیسا ظرف دیکھا ویسا ہی عطا فرمایا۔گل کو شگفتگی عطا فرمائی، بلبل کو نالہ عطا فرمایا، چراغ کو روشنی عطا فرمائی، پروانے کو ایثار عطا فرمایا-اتباع اور ادب رسول خاتم النبیین ﷺ (معرفت رسول خاتم النبیین ﷺ) کی منازل طے کرنے کے لیے پیر طریقت عطا فرمایا۔

۱۔اہل ظاہر یا اہل علم پہلے کلام کے معنی کرتے ہیں پھر فکر اختیار کرتے ہیں۔پھر حکمت کو پہنچ جاتے ہیں۔یعنی جس کلام میں خیر پوشیدہ ہوتی ہے اس تک پہنچ جاتے ہیں۔

۲۔اہل باطن یا اہل دل کی محبت کا عجب راز ہے۔جونہی اللہ نے ان کے دلوں کو محبت عطا فرمائی کائنات کے ہر ذرے میں اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کا مشاہدہ کرنے لگتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔انہیں حسن باطن عطا فرما دیتا ہے۔

حسن باطن کے لیے: (۱)حسن عقیدہ (۲)حسن ادب (۳)حسن محبت (۴) اور حسن اطاعت ضروری ہے۔

جب تک ادب رسالت طے نہیں ہوگا حضوری رسالت حاصل نہیں ہو سکتی۔بے ادب کی حضوری ایسی ہے جیسے بے وضو کی نماز۔

حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ ایک مقام پر تشریف فرما تھے۔چاہا کہ ہاتھ اٹھا کر سب لوگوں کے لیے دعا کریں۔خیال آیا کہ شفاعت کا حق تو آپ خاتم النبیین ﷺ کا ہے اٹھے ہوئے ہاتھ گرا دیئے۔اس ادب کا یہ انعام ملا کہ سلطان العارفین کا مقام مل گیا۔محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اپنی طلب ختم ہو جاتی ہے۔ ورنہ تجارت ہوتی ہے۔**شکر کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرنا چاہیے کہ اے باری تعالیٰ ہم جیسے کڑوروں پھرتے ہیں۔یہ تو محض تیرا کرم ہے کہ ہمیں اپنی ذات سے نوازا اور دین کی خدمت کے لیے سرفراز کیا۔ہم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔زبان کی دھار تیز رکھی تو کبھی سکون قلب نہیں ملے گا خدمت خلق تو دور کی چیز ہے۔**

مادی چیزوں کی خواہش اور مادی چیزوں کی دید ہے۔دل تو اللہ تعالیٰ نے عجیب شے بنائی ہے۔اس کی دو غذائیں ہیں۔ ۱۔محبت ۲۔یاد محبوب

اور جب یہ محبوب کی یاد سے غافل ہوتے ہیں یا اس میں کمی پاتے ہیں تو خود کو بیمار جانتے ہیں اور علاج کی فکر میں مبتلا ہوتے ہیں۔اہل محبت کی موت یہ ہے کہ لمحہ بھر کے لیے محبوب کی یاد سے غافل ہو جائیں۔جب انسان کے اندر بشریت برائے نام رہ جاتی ہے اور ملکوتی غلبہ بہت بڑھ جاتا ہے تو اس کے قلب پر علم کی واردات براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔جب ملکوتی صفات غلبہ کرتی ہیں تو بشری صفات کی نفی ہو جاتی ہے۔اہل اللہ میں سے بھی یہ نعمت عظمیٰ ان ہی کو عطا ہوتی ہے۔جنہیں منصب تبلیغ پر سرفراز کیا جاتا ہے۔یہ حضرات ہر الجھے سوال کو سلجھا دیتے ہیں۔جب یہ انسانی صفات سے نکل کر ملکوتی صفات میں پہنچ جاتے ہیں تو دو حالتیں وارد ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک الہام بالصوت ۲۔ دوسرے القا بالاحساس

کیونکہ یہ حالتیں نوری ہیں اس لیے ان کے وارد ہونے سے جسم میں لذت بھر جاتی ہے اور سننے والے بھی سکون میں آ جاتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے'' وہ عالم جس کا دل ملکوتی نہیں وہ مردہ علم حاصل کر رہا ہے اور مردہ علم پڑھا رہا ہے۔علم کا مقصد زندگی حاصل کرنا ہے۔اس ملکوتی عالم کو تلاش کرو کہ جب بیان کرے تو تیرے اندر زندگی پیدا کر دے اور فنا سے بقا میں لے آئے"۔یعنی دنیا کی محبت نکال کر آخرت کی محبت دل میں ڈال دے۔

ہزاروں نوافل پڑھنے سے ہزاروں بیماروں کی بیمار پرسی کرنے سے اور ہزاروں جنازوں میں شرکت کرنے سے زیادہ ثواب اہل اللہ کی ایک لمحہ کی صحبت ہے۔یہ حضرات قلب کی تالیف کرتے ہیں۔نامرادی کو مراد سے بدل دیتے ہیں۔یہ نوری علم کے مالک ہوتے ہیں اور اس علم سے خود بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔یہ باطن کے دھوبی ہیں اور راہوں کے چراغ۔یہ اپنے نوری قلب سے اپنے پاس بیٹھنے والوں کے قلوب کو دھو دیتے ہیں۔چراغ اس لیے جلتا ہے کہ اس کی روشنی میں مسافر اپنی منزل طے کرے---انسان کے ظاہری اعضاء بھی ہیں اور باطنی اعضاء بھی۔ظاہری عبادت کی قضا ہے لیکن باطن کی رہ جائے تو اس کی قضا نہیں ہے۔حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ ایک لمحہ کے لیے اللہ کی یاد سے غافل ہوئے پرندوں نے شور مچا دیا کہ'' حضرت بہاؤالدین ذکریا دنیا سے کوچ کر گئے ہیں''۔

ایک وہ دور تھا جب اللہ تعالیٰ کا خاص کرم مخلوق پر تھا۔لوگوں کی عقلوں میں سلامتی تھی۔ جب ان پر پریشانی آتی تو خود سے لڑا کرتے تھے اور اللہ کو منایا کرتے تھے۔ پھر انہیں اس پریشانی کا حل مل جایا کرتا تھا۔ پس وہی بندہ کامیاب ہے جو اللہ کو منانے کا ڈھب سیکھ لے اور پریشانی میں دوسرے سے لڑنے کی بجائے اپنے آپ سے لڑے کہ ''تو ہے ہی اس قابل''۔ پس جب بھی پریشانی ہوا اپنے عیب گنواور اسی نسبت سے توبہ اختیار کرو، جتنی تکلیف ہے، جتنی احتیاج (محتاجی-ضرورت) ہے اسی درد سے اللہ کو پکارو گے تو اللہ کریم فضل فرمادیں گے۔

بیعت

بیعت کیا ہے؟ بیعت ایک عہد نامہ ہے۔اپنی جان کو جو خدا کی ملکیت ہے اور جس میں انسان کو کوئی حق حاصل نہیں۔یعنی خود کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر دینا بیعت ہے۔

بیعت کی حیثیت:- تمام صوفیہ اکرام نے بیعت کو سُنت قرار دیا ہے۔حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اِسے سُنت رسول خاتم النبیین ﷺ میں شامل کیا ہے۔کچھ مشائخ کے مطابق **بیعت ہجرت فرض، بیعت جہاد واجب اور بیعتِ اسلام سنت ہے اور بیعت توبہ، بیعت الاسرار، بیعت کسب سلوک مستحب ہے۔**

بیعت کی ضرورت:- آج ایک بڑا گروہ یہ عقیدہ قائم کر چکا ہے کہ قرآن وسنت کی موجودگی میں بیعت کی قطعاً کوئی حاجت نہیں رہتی۔دوسری طرف مسلمانوں کی مجموعی حالت پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ 90% سے زائد لوگ صوم وصلوۃ سے محروم ہیں۔ بیشتر لوگوں کی زندگی چوپایوں کی زندگی کی طرح ہوگئی ہے یعنی کھایا پیا سیر و تفریح کی اور سو گئے۔کسی کو بھی مقصد حیات کا شعور نہیں ہے۔ایسے ہی لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ قرآن وسُنت کی موجودگی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن وحدیث کی افادیت اپنی جگہ ہے۔لیکن قرآن وسُنت وحدیث پر عمل کرنے کے لیے جب تک کوئی نیک ہستی رغبت نہ دلائے تو دین پر عمل کرنا مشکل بات ہے۔رسول خاتم النبیین ﷺ ،صحابہ اکرامؓ لوگوں کو دین سکھاتے رہے صرف قرآن اور سُنت کو نازل کر دینا کافی نہیں سمجھا گیا۔دین اسلام کے سکھانے والے کو مُرشد (رہنما ، پیر، شیخ، رہبر نہ مانا جائے تو نہ سہی لیکن یہ بات ماننا پڑے گی کہ وہی کام اب مرشد لوگ کرتے ہیں جو آپ خاتم النبیین ﷺ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ اکرامؓ ،تابعین، تبع تابعین اور آئمہ اکرام نے کیا۔قوم کے نوجوانوں کو اگر اسلامی درس گاہوں سے دور رکھا جائے گا اور بچوں کو دین سکھانے کے لیے کسی درس گاہ میں نہیں جانے دیا جائے گا تو ان کی اصلاح کس طرح ہوگی؟ ایسے بدنصیب اور محروم لوگوں کی اصلاح کے لیے اسلام نے صرف ایک ہی علاج تجویز کیا ہے کہ کسی کامل بزرگ کی صُحبت میں رہ کر خود کو راہِ راست پر لائیں۔

مشائخ کی صحبت میں بیٹھنے والے دنیا میں ترقی کے رازوں سے آشنائی حاصل کرنے کے علاوہ رموز واسرار سے بھی کما حقہ (پورے طور پر آگہی حاصل کر لیتے ہیں۔ان لوگوں کی صحبت کیمیا ہے۔ان کی آنکھوں میں شفاء ہے۔ان کے پاس نشست و برخاست کرنے والے کبھی محروم نہیں رہتے۔حضرت جنید بغدادیؒ جیسی ہستیاں انہی درس گاہوں سے نمودار ہوئیں ہیں۔ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو ان مشائخ کی صحبت میں داخل ہو کر اپنی زندگی میں زبردست انقلاب پیدا کر رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دشمنانِ اسلام نے قوم پر مشائخ کے دروازے بند کر دینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔اور آج یہ عالم ہے کہ مسلمان بیعت کرنے کے تصور سے بھی نفرت کرتا ہے۔

قرآن پاک سے بیعت کا ثبوت:- سورۃ توبہ کی آیت نمبر 111 میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ

ترجمہ ": اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جان ومال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے "-یہ خرید وفروخت کسی برگزیدہ شخصیت کی وساطت سے ہوتی ہے-

سورۃ مائدہ کی آیت نمبر 35 میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ترجمہ:"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اُس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو"۔

ایمان ،نیک اعمال،عبادات ،اتباع ،سُنت اور گناہوں سے بچنا سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اُس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔اور مرشد کامل جو اپنی تربیت اور روحانی توجہ سے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اُتار دے ،دل میں یادالٰہی کی تڑپ پیدا کر دے اُس کو وسیلہ کہنے میں کون شبہ کر سکتا ہے؟۔

کاملین امت نے ایسے مُرشد کی تلاش میں سینکڑوں ہزاروں کوس کی مسافت کو پیدل طے کیا اور ان کی رہنمائی اور دستگیری سے آسمان معرفت وحکمت پر چاند تارے بن کر چمکے۔

اس آیت کی تفسیر کو سالکانِ راہ طریقت وحقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے۔پس حقیقی کامیابی وکامرانی کے لیے مجاہدہ وریاضت سے پہلے تلاش مرشد ضروری ہے۔اس لیے کہ مرشد کی رہنمائی کے بغیر مجاہدہ اور ریاضت کا فائدہ نہ ہوگا یعنی قربِ الٰہی حاصل نہ ہوگا۔دوسرا قربِ الٰہی کے لیے تقویٰ اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ مصروفِ جہاد رہنا

بھی ضروری ہے۔(ہر وہ کوشش جو کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لیے کی جائے جہاد ہے) جہادِ اصغر بھی اور جہادِ اکبر بھی، یعنی کفار سے بھی جہاد اور نفس سے بھی جہاد۔ مرید اپنے عہد پر برقرار رہتا ہے تو فائدہ ہوتا ہے ورنہ خسارہ مول لیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ولی سے بیعت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف راہنمائی اور ماسویٰ سے رغبت ہٹانا ہے۔

جس کے باعث مرید پر نورِ حق نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔اور طریقت کی تمام اصلاحات رموز ،اسرار اور روحانیت حاصل ہونے لگتی ہے اس کے بعد مرید اندر کی نجاستوں سے پاک ہونا سیکھتا ہے۔مرید کو عشق رسول خاتم النبیین ﷺ اور عشق الٰہی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ مشاہدہ شروع ہونے لگتا ہے۔

پس بیعت ہجرت فرض، بیعت جہاد واجب، بیعت اسلام سنت اور بیعت کسب سلوک، بیعت اسرار، بیعت توبہ مستحب ہیں۔

اللہ کی راہ پر چلنے کو ارادت کہتے ہیں اور جس میں یہ ارادت پائی جائے اُسے مرید کہتے ہیں۔حضرت باقی باللہؒ فرماتے ہیں کہ اُن کے مرشد فرمایا کرتے تھے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ارادت کی صفت پر تجلی نہ کرے تب تک وہ بندہ اہلِ اللہ کا سلوک طے نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی کا مرید ہو سکتا ہے۔

مرشد کی اقسام:- (i) مرشد عام (ii) مرشد خاص

(i) **مرشد عام:-** <u>مرشد عام کلام ہے۔</u>

عوام الناس کا مرشد، علماء کا کلام، علماء کا مرشد، ائمہ کا کلام، ائمہ کا مرشد، نبی کا کلام، نبی کا مرشد، اللہ کا کلام۔

(ii) **مرشد خاص :-** جو اپنی روحانی توجہ سے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اُتار دے اور مُرید کے مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کی صحیح شناخت کروا سکے۔

تقویٰ تک کی زندگی کے لیے مرشد عام کافی ہو جاتا ہے۔لیکن بیعت ہونا چونکہ سنت ہے اس لیے اس حالت میں جو بیعت ہوگی وہ بیعت توسل ہوگی یا بیعت توبہ ہوگی۔

<u>بیعت توسل</u>:- اگر کوئی اس لیے بیعت ہوا کہ جس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ہے وہ (یعنی) اُس کی ذات دنیا اور آخرت میں اس کے لیے یعنی مرید کے لیے وسیلہ بنے تو یہ بیعت، بیعتِ توسل کہلائے گی۔

<u>بیعت توبہ</u>:- اپنی ساری زندگی سرکشی اور نافرمانی میں گزارنے پر اگر اپنے رویئے پر ندامت ہو تو اصلاح کے لیے کسی ولی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر توبہ کرنے اور آئیندہ گناہوں سے بچنے کا وعدہ کرنا بیعتِ توبہ کہلاتا ہے۔مندرجہ بالا دونوں قسم کی بیعت کرنے والوں کو کسی اور جگہ بیعت ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔یعنی بیعت توسل اور بیعت توبہ میں تکرار بیعت نہیں ہے۔

مرشد خاص کی ضرورت کب ہوتی ہے؟ چالیس متقیوں میں ایک ولی ہوتا ہے۔جب انسان تقویٰ والی زندگی پر پابند ہو جاتا ہے تو مرتبہ احسان کو پہنچ جاتا ہے۔مرتبہ احسان یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گو یا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کر رہا ہے اور اگر اس کی یہ کیفیت نہیں بنتی تو یہ بن گئی ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔جب بندے کی یہ کیفیت ہو جائے تو اس کی دل کی آنکھ (روحانی اور تیسری آنکھ) کھل جاتی ہے اور اسے مشاہدہ غیبی ہونے لگتا ہے۔اس مقام پر بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ مشاہدہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔یعنی کوئی نہ کوئی غیبی چیز اسے نظر آنے لگتی ہے اب چونکہ شیطان انسان کا ازلی اور ابدی دشمن ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ بندے کو فلاں چیز غیب سے نظر آئی ہے یعنی فلاں چیز کا مشاہدہ ہوا ہے تو وہ بھی اپنی طرف سے بندے کو بہکانے کے لیے کچھ نہ کچھ نظارہ اس بندے کو کروانے لگتا ہے۔اگر رحمان کی طرف سے وہ بندہ ایک چیز دیکھتا ہے تو شیطان اس سے اچھی چیز اسے دکھاتا ہے کہ بندے کا نفس موٹا ہو جائے کہ میں اب اس درجے پر پہنچ گیا ہوں اور اپنے اس حربے سے یہ موذی شیطان بے شمار لوگوں کو راہ راست سے بھٹکا دیتا ہے اور گمراہ کر دیتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرتبہ احسان پر پہنچنے کے بعد انسان کو مرشد خاص کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی موقع کے لیے حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا تھا کہ جس کا کوئی مرشد نہیں اسکا مرشد شیطان ہے۔مرشد خاص کی بیعت میں طریقت کے اعتبار سے مرید کی تربیت کی جاتی ہے۔

<u>مقاصدِ بیعت</u>:- ادب سکھانا ،ذات کی صفائی کرنا ،گناہوں سے بچنا نفس اور روح کو پاک کرنا ،اخلاق کا مہذب ہونا بیعت کے مقاصد میں شامل ہے۔

رابطہ شیخ اس وقت قائم ہوتا ہے جب مرید ہر وقت شیخ کو یاد رکھے مرید کو جب کسی واقعے کے کھولنے میں مرشد کی حاجت پیش آئے تو مرشد کو اپنے قلب میں حاضر جان کر بزبان حال سوال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیخ کی روح اس کو القا کر دیتی ہے بشرطیکہ شیخ سے ربط (تعلق) موجود رہے۔نگاہ میں رہے یا رابطے میں رہے۔

شیخ کے قلب سے ربط کے سبب اس کے قلب میں گویائی پیدا ہوگی اور حق تعالیٰ کی طرف راستہ کھل جائے گا۔اس کے بعد اس کو الہام ہونا شروع ہو جائے گا ایسے مرید کو **محدث** کہتے ہیں جس کا قلب شیخ کے منور قلب کے ساتھ ربط میں کمال رکھتا ہو۔جن لوگوں کو مرشد سے ایسا ربط حاصل ہو جاتا ہے وہ شیخ کی روح کی مدد سے

بڑے بڑے مراحل سے آسانی اورعزت سے گزر جاتے ہیں۔

مرشد سے کامل نسبت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مرشد کی ہرادا مرید کو پسند آئے اور اس کے دل میں موجزن ہو۔اور مرید کا دل مجاہدات اور مشقت کے کاموں کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ایسے مرید اپنے دل میں سوزِ عشق کی گرمی اور گہرائی محسوس کرتے ہیں وہ جب چاہیں اُن کا مرشد کی روح سے رابطہ ہوجاتا ہے۔

طالب حق میں ایک مراد ہوتا ہے اور ایک مرید، مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف کھینچتا ہے اور مرید وہ لوگ ہوتے ہیں جو راہ سلوک طے کر کے (یعنی کوشش کر کے) اللہ کی طرف جاتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ مرید کو فنا اور بقا کی کیفیات کا جاننا اور حاصل ہونا ممکن ہوجاتا ہے لیکن یہ مقام اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب مرید، حسد، کینہ ،خود پسندی ،تکبر وغیرہ تمام صفات سے بالکل خالی ہوجائے اور جملہ عیوب سے مبرا ہوجائے۔خودی اور بے خودی کی نفی سے بے خود اور بے خبر ہوجائے۔

راہِ سلوک میں اگر مرید کی ایسی کیفیت ہوجائے جو بچے کی ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے۔تو یہ سالک کی دوسری پیدائش کہلاتی ہے۔چنانچہ صوفی وہ ہوتا ہے جس کی پیدائش دو مرتبہ ہوچکی ہو اور یہی عابد یا صوفی کا کمال ہے۔اور اس ابتدائی حالت کا نمایاں ہونا نہایت کو پہنچنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

اس لیے "بیعت کسبِ سلوک" اور "بیعت اسرار" قُربِ حق ،تزکیہ اور تصفیہ نفس کے لیے کی جاتی ہے اور اس قسم کے مرید کے لیے جس نے بیعت کسبِ سلوک یا بیعت اسرار کی ہوئی ہے۔مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر دوسرا پیر کرنا ضروری ہوجاتا ہے

(i) پیر کا انتقال ہوگیا

(ii) یا پیر سے اس کا سلسلہ سلوک ختم ہوگیا

(iii) جہاں تک پیر کی ترقی تھی وہاں تک کر چکا

(iv) پیر سے ہمیشہ کے لیے دُور ہوگیا

(v) پیر نے جو ذکر ،فکر بتایا تو اس پر موافق ارشاد پیر دو تین برس تک شب و روز محنت کرتا رہا پھر بھی فائدہ قربِ حق میں نہ پایا، یا کم پایا

(vi) پیر کے عقائد یا معاملات کو خراب پایا

ان تمام صورتوں میں طالب حق کو دوسرا پیر کرنا ضروری ہوجائے گا۔اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ارشاد کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

کسی نے آپؒ سے سوال کیا کہ "باوجود حیاتِ پیر کسی دوسرے پیر کے پاس جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں" ؟ آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ "مقصود حق تعالیٰ ہے اور پیر وسیلہ ہے۔اگر طالبِ حق اپنی ہدایت کا راستہ دوسرے پیر کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اُس کی محبت میں اور خُدا کی محبت میں یکسو پائے تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں بغیر اُس کی اجازت کے دوسرے پیر کے پاس چلا جائے اور اُس سے طلبِ ہدایت پائے مگر اُس کو چاہیے کہ پیر اول سے انکار نہ کرے اور سوائے نیکی کے اس کو یاد نہ کرے"۔بعض اوقات پیر ناقص طالب حق کی زندگی کو ضائع کردیتے ہیں اس لیے ہدایت کا راستہ جس جگہ کھُلا ہوا پائے رجوع کرے۔

اگر ایک پیر سے مرید ہوا دوسرے سے تعلیم لی اور تیسرے کی صحبت سے فائدہ اٹھایا تو یہ بھی ٹھیک ہے۔لیکن اگر یہ دولت کسی ایک ہی جگہ سے مل جائے تو یہ نعمت " نور علیٰ نور" ہے۔ورنہ تعلیم اور صحبت کے لیے کئی پیروں کے پاس جانا جائز ہے۔

حضرت خواجہ عزیزانِ علیؒ فرماتے ہیں کہ "جب تو کسی کی صحبت میں بیٹھے اور تجھے اطمینان نہ ہو اور تیرے دل سے دنیا کی محبت دور نہ ہو تو ایسے لوگوں کی صحبت سے بھاگ جا۔ورنہ نیک بندگان خدا اور خاصان حق کی روح تجھ سے خوش نہ ہوگی"۔

اکثر کبرائے دین میں سے کسی نے چار، کسی نے تین، کسی نے دو، اور کسی نے ایک پیر پر قناعت کی ہے۔حضرت محبوب سبحانی ،شیخ عبدلقادر جیلانی ،مجدد الف ثانی اور دیگر کبرائے دین نے کئی کئی پیر کئے ہیں۔

فی زمانہ بعض پیر اپنی طمع یا شان کی وجہ سے مریدوں کو غلط مسئلہ طریقت بتلا دیتے ہیں کہ اب تم ہمارے جھنڈے تلے آ گئے ہو اور اب کسی اور سے بیعت نہیں کر سکتے اور اگر ایسا کیا تو ہماری شفاعت سے محروم ہوجاؤ گے۔یہ تمام باتیں شرارت نفس ہیں۔بے شک اللہ تعالیٰ کے نیک بندے گناہ گاروں کی شفاعت کریں گے اور اُن کا وجود خلق کے لیے باعث رحمت بھی ہے لیکن وہ لوگ جو حقیقتاً نیک ہوں گے۔

بعض لوگ اس بات پر جمے رہتے ہیں فلاں گدی میں ہمارے خاندان کے لوگ مرید ہوتے آئے ہیں ہم بھی اُن ہی کی بیعت کریں گے اور اکثر جگہ آج کل پیروں کا طریقہ یہ بن گیا ہے کہ باپ مرا اور اُس کی جگہ بیٹے نے لے لی۔دستار اُس کے سر پر رکھی گئی اور پیر بن گیا۔نہ اس نے شریعت کو سمجھا ، نہ راہ سلوک طے کیا ،نہ

اتباع سنت پر قائم ہوا نہ باضابطہ طریقت پائی۔ایسے لوگوں سے بیعت ہونا اور اِن کا مرید ہونا بالکل غلط ہے۔یہی لوگ آج کل ڈبہ پیر کہلاتے ہیں جو صرف دنیا کی لالچ کی خاطر گدی سنبھالتے اور لوگوں کی عمریں ضائع کرتے ہیں۔ بزرگ کے انتقال کے بعد اُس بزرگ کی اولاد میں سے یا اُس کے مُریدوں میں سے جس نے سلوک کی راہ کو طے کیا ہے اور اُس کو اجازت بیعت کرنے کی اپنے مُرشد سے مِل چکی ہے اور وہ اُن سب میں سے زیادہ لائق موافق تحقیقات علمائے طریقت ہو اُس کے سر پر دستار باندھنی چاہیے۔

یہ ولایت کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہے یہ تو ایک نعمتِ خداوندی ہے چاہے غلام کو عطا کردے چاہے آقا کو اور پھر یہ مریدی کسی کے گھر کی غلامی نہیں ہے بلکہ صراطِ مُستقیم پر چلنے اور خلوص حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں:

"بہت سے شیطان آدمیوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔پس ہر ایک ہاتھ میں بغیر تحقیق کے ہاتھ نہیں دے دینا چاہیے "۔

پیر ناقص طالبانِ حق کو صرف طمع کی وجہ سے اپنی صحبت میں رکھنا چاہتے ہیں اور اِس طرح وہ طالبانِ حق کو خدا سے جُدا کردیتے ہیں۔

جو حال یا کشف یا خرق عادت متقی سے ظاہر ہو وہ نُور ہے اُس کو **"کرامت"** کہتے ہیں۔اور اگر خلاف شرع لوگوں سے ایسی باتیں ظاہر ہوں تو اس کو" **استدراج**" کہتے ہیں اِس لیے فاسق اور نافرمان لوگوں اور وہ لوگ جن کو خدا اپنا دوست نہ رکھے اُن کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہونا چاہیے۔ہم شریعت کے احکامات پر مضبوط رہنے کو آئے ہیں نہ کہ کشف و کرامات کے دکھانے کے واسطے۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں:

"اگر کسی پیر کے عمل سُنت کے خلاف ہوں تو اس سے دور ہو جا بلکہ اس شہر ہی میں نہ رہ ایسا نہ ہو کہ تیرا رجحان اُس کی طرف ہو جائے اور تیرے عقائد میں فرق آجائے وہ پیر چور ہے چھپا ہوا شیطان ہے تُو اس سے بھاگ جیسے شیر سے بھاگتے ہیں"۔ اِس لیے فاسق لوگوں اور اُن سے جن کو خدا اپنا دوست نہ رکھے بیعت نہیں ہونا چاہیے۔

اب اُن لوگوں کے حالات بیان کیے جاتے ہیں جن پر ولایت کے آثار ظاہر ہوں اور " وہ علماء انبیاء کے وارث ہیں" کے مصداق ہوں اور اُن کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر باطن کو نور سے منور کیا جائے اور ہاتھ اُن کا گویا خدا کا ہاتھ ہو۔

چنانچہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں" جب اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں ہو تو ایسے لوگوں کا ہاتھ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا ہے" جس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنا مقبول بنائے اس کا ہاتھ تمام کاموں میں گویا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ان کی کچھ نشانیاں ہیں۔

"ظاہر میں سُنت کی اتباع کرتا ہو، اس کو دیکھنے سے خدا یاد آئے ، اُس کی صحبت میں بیٹھنے سے محبت دنیا سرد ہو اور محبت خدا اور رسول خاتم النبیین ﷺ غالب ہو۔وساوس شیطانی وخطرات نفسانی کم ہوں وہ خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہو، اپنی تعریف نہ کرتا ہو ، اپنی تعریف سننا پسند نہ کرتا ہو، طامع نہ ہو(یعنی طمع نہ کرتا ہو قناعت پسند ہو) ضروریات کو لے کر فضولیات کو چھوڑنے والا ہو۔اُس کے مرید اکثر نیک ہوں اور وہ اللہ اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی محبت کا جذبہ رکھتے ہوں"۔

جب یہ باتیں کسی میں موجود ہوں تو قصدِ بیعت کرنا چاہیے۔لیکن قبل از بیعت استخارہ کرنا چاہیے کیونکہ استخارہ کرنا سُنت ہے اور پیرانِ عظام کا یہی طریقہ رہا ہے۔اگر استخارہ میں بھی اُس شخص کی خوبی معلوم ہو تو ایسے شخص کے ہاتھ پر <u>بیعت</u> ہو جائے۔انشاءاللہ فائدہ ضرور ہوگا۔

اگر مقدر سے یا بوجہ شامل اعمال باطنی فائدہ نہ بھی پہنچا تو نقصان بھی نہ ہوگا۔اُس کی صحبت اور اس کی پیروی بخشش کے واسطے کافی ہوگی۔

بقول حضرت مولانا رومیؒ " اپنے لیے مرشد تلاش کرو بغیر پیر کے یہ سفر نہایت پُر آشوب اور خطرناک ہے یعنی شیطان اور نفس کو اس میں دھوکا دینے کا موقع ملتا ہے۔ بلاشبہ کسی بندہ خاص کا ہاتھ جلد پکڑتا کہ تو اس آخری زمانے کی آفتوں سے محفوظ رہ سکے۔اور اس زمانے کی آفتوں سے بچ جائے"۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ صحابہ اکرامؓ سے بیعت لیا کرتے تھے۔کبھی <u>ہجرت</u> پر کبھی <u>جہاد</u> پر ، کبھی <u>اطاعت</u> اور <u>فرمانبرداری</u> کے لیے اور کبھی <u>ارکان اسلام</u> پر قائم رہنے کے لیے اور کبھی <u>گناہوں کے ترک کرنے</u> کے لیے۔اِس لیے بیعت ہجرت فرض، بیعت جہاد واجب، بیعت اسلام سنت ہے۔اور بیعت کسب سلوک ، بیعت اسرار ، بیعت توبہ مستحب ہیں۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ بیعت لینا نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی سُنت اور بیعت ہونا صحابہ اکرامؓ کی سُنت ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ " حضور پاک خاتم النبیین ﷺ عورتوں سے صرف کلام کے ذریعے بیعت لیا کرے تھے، آپ خاتم النبیین ﷺ کا

دستِ مبارک کبھی بھی کسی اجنبی عورت کے ہاتھ سے مَس نہیں ہوا"۔(صحیح بخاری)

****

جواز بیعت قرآن اور حدیث کی رو سے (احکام واستدلال)

قرآن سے استدلال بیعت:

قرآن اور احادیث میں متعدد بار بیعت کرنے کی طرف اشارات موجود ہیں لیکن منکرین بیعت ان آیات اور احادیث میں بھی غلو کرتے ہیں اور ان کی ایسی تعبیر ڈھونڈتے ہیں جو حقیقت کے خلاف ہو۔ان کی ایسی تاویلیں اولیائے کبار اور بڑے بڑے مجتہدین اور محدثین کی رائے کے سراسر خلاف ہوتیں ہیں۔ ویسے اجماع امت کے خلاف رائے قائم کرنے پر کفر کا فتویٰ موجود ہے۔

1۔سورہ المائدہ آیت وسیلہ: سورہ المائدہ کی آیت نمبر 35 میں بیعت کے متعلق کھلم کھلا حکم دیا جارہا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَ جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ ": اے ایمان والو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو۔اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ''۔

اس آیت میں چونکہ خطاب ہی ایمان والوں سے کیا جارہا ہے۔اس لیے ظاہر ہے کہ وسیلہ ایمان کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔اس آیت میں تقویٰ اختیار کرنے کا اور جہاد کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ وسیلہ ، تقویٰ اور جہاد کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہی ہوسکتا ہے۔اولیائے کرامؒ کا فیصلہ ہے کہ یہاں وسیلے سے مراد شیخ طریقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا۔لیکن منکرین طریقت کہتے ہیں کہ یہاں وسیلے سے مراد نیک اعمال ہیں۔ان کے اس خیال کی رو سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اگر نیک عمل وسیلہ ہے تو شیخ بہ درجہ اولیٰ وسیلہ ہوتا ہے۔کیونکہ مرید کے سارے کے سارے نیک کام اس کے مرشد کے سبب وجود میں آتے ہیں۔ابن منظورؒ ، صاحب کشافؒ (علامہ مخشریؒ) شاہ ولی اللہؒ ، شاہ عبدالرحیمؒ، بایزید بسطامیؒ جنید بغدادیؒ ، معین الدین چشتیؒ ، نظام الدین اولیاءؒ کے علاوہ تمام اولیائے کرام (قادریہ ، چشتیہ ، سہروردیہ اور نقشبندیہ (خصوصاً حضرت مجدد الف ثانیؒ، مولانا رومؒ ، عطارؒ اور علامہ اقبالؒ اس آیت میں مذکور لفظ وسیلے سے مراد شیخ کو ہی لیتے ہیں۔

2۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ،(سورہ توبہ، آیت نمبر 119)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ ترجمہ ": اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو''

اولیائے کرام کا متفقہ طور پر فیصلہ ہے کہ صادقین سے یہاں مراد صحابہ کرامؓ اور تا قیامت آنے والے باعمل علمائے دین ، صالحین اور دیگر اولیائے کرام ہیں۔ جو دل ، زبان ، نیت ، اعمال ، عقیدے اور ارادے کے سچے ہوں۔اس آیت میں ایسے لوگوں کے ساتھ معیت (ساتھ) کا حکم دیا جارہا ہے۔اور اس معیت سے مراد عقائد اور اعمال میں ساتھ رہنے کے ہیں۔ کیونکہ ایسی معیت قلبی اس قدر مضبوط ہوتی ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتی ، یہ معیت دنیا، برزخ اور آخرت میں کام آتی ہے جو لوگ ان کے ساتھ رہیں گے وہ بخیریت منزل پر پہنچ جائیں گے۔غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ معیت بیعت کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟

3۔سورہ الفاتحہ: امام رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف صراط مستقیم کی ہدایت پر اکتفا نہیں کیا ، بلکہ صراط الذین انعمت علیہم فرمایا یعنی ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے نعمتیں نازل فرمائیں۔یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مرید ، ہدایت اور مکاشفہ (غیبی حقائق کا انکشاف کرنا--جس کے ذریعے ولی کو غیبی باتوں ،آئندہ کے واقعات یا اسرار الٰہی کا علم حاصل ہوتا ہے) حاصل کرنے کے لیے شیخ رہنما کی اتباع کرے۔لہٰذا ایسے کامل کی ضرورت ہے جو ناقص کی رہنمائی کرے۔بس اسی کو بیعت کہا جاتا ہے۔

4۔سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر-15 کے آخر میں ہے

وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ترجمہ ": ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو "

قرآن پاک میں جہاں رسول کا ذکر کیا گیا ہے۔اس سے مراد اللہ کی طرف سے بھیجا گیا کوئی ہادی یا راہنما ہے۔جیسے کوئی نبی ہو یا مجدّد دِصدی ہو یا مجدد الف صدی (1000 سال) ہو۔صالحین امت (کامل اولیاء ھی ہادی کے فرائض انجام دیتے ہیں ، عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے ہی اولیائے کرام سے بیعت کی جاتی ہے۔

5- سورہ الاحزاب، آیت نمبر-72) (یعنی نور عقل اور نار عشق کا کمال)

علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ سورہ الاحزاب کی آیت 72:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا

کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ جو امانت زمین اور آسمان قبول نہ کرسکے۔اس کو انسان نے بخوشی قبول کرلیا۔اس امانت سے مراد احکام شریعہ کی بجاآوری کرنا تھا کیونکہ عبادت کرنے پر تو فرشتے اور دیگر مخلوقات بھی مامور ہیں تو انسان میں عبادت کی فضیلت کیا ہوئی؟۔فرماتے ہیں وہ امانت جو انسان کے سوا کسی نے قبول نہ کی تھی وہ تھی " نور العقل "اور" نار العشق "، **<u>نور العقل سے انسان استدلال قائم کرتا ہے اور عقلی دلائل پیش کرکے خدا کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ جبکہ نار العشق انسان کے دل میں عشق کی وہ آگ ہے۔ جو خدا اور بندے کے درمیان ہر قسم کے حجابات کو جلا کر راکھ کردیتی ہے۔اور بندے کو اکمل اور مکمل معرفت الٰہی تک پہنچا دیتی ہے جس کو عالم روحانیت میں مشاہدہ کہا جاتا ہے</u>**۔اس امانت کے باعث انسان تجلیات ذات الٰہیہ کو قبول کرلیتا ہے جب پردے اٹھ جائیں تو طالب اور مطلوب کے درمیان کچھ بھی حائل نہیں ہوتا۔ہم جانتے ہیں کہ جن اور ملائیک کو عبادت کے بعد تجلیات صفاتیہ ہی ملتی ہیں ، کیونکہ وہ تجلیات ذاتیہ کے برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔یاد رہے کہ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے " **اذکروا نعمتی** " فرمایا یعنی ان کو اپنی نعمتوں کے ذکر کا حکم دیا۔مگر امت محمدیہ خاتم النبیین ﷺ کو اپنی ذات کا ذکر کرنے کا حکم دیا۔جیسا کہ فرمایا " فَاذْكُرُوْنِیْ ("میری ذات کا ذکر کرو) صفات اور ذات کے ذکر میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ کسی کی کوئی صفت اور ذات میں فرق ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں" **خدا کی معرفت عامہ تو نور العقل (علم اور استدلال) سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر معرفت ذاتیہ نور العقل کے ساتھ نار العشق کے جمع ہونے سے وابستہ ہے**۔یہی وہ آگ ہے جو کسی شیخ سے ذکر حاصل کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔اور جو حجابات کو اٹھا دیتی ہے۔اور بندے کو آقا کے سامنے بے حجاب کرکے واصل باللہ کر دیتی ہے۔ظاہر ہے کہ ان صفات کا پیدا ہونا شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں"۔

احادیث سے اثبات بیعت

1۔مشکوٰۃ کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ " میرے صحابیؓ ستاروں کی مانند ہیں ، تم جس کی بھی اتباع کروگے ہدایت پاجاؤ گے "۔صحابہ کرامؓ نے اپنے زمانے میں بیعت خلافت کے علاوہ بھی بیعت لی ہے۔سلسلہ نقشبندیہ کے جاری کرنے کا عمل حضرت صدیق اکبرؓ سے شروع ہوا جبکہ دوسرے سلسلے حضرت علیؓ سے جاری ہوئے۔ ثابت ہوا کہ سلسلہ بیعت کو قائم کرنا اور جاری رکھنا صحابہ کرامؓ کا فعل ہے اور ان کے طریقے کو جاری کرنا اور بیعت کو قائم کرنا اور جاری رکھنا افعال ہدایت میں شامل ہے۔

2۔ایک حدیث شریف میں ہے " میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں ، ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت"۔(مستدرک حاکم، رقم 318)

3۔ "سرِّ دِبراں" میں حدیث نقل کی گئی ہے کہ" میری امت میں ہر صدی کے خاتمے پر اللہ تعالیٰ ایسا مجدد بھیجے گا جو دین کی تجدید کرتا رہے گا"۔اس سے مجدد صدی اور مجدد الف سنہ وغیرہ مراد ہیں۔مجدد الف ثانیؒ نے جو کچھ اثبات میں کہا ہے "، مکتوبات " میں موجود ہے۔

4۔کنوز الحقائق میں" حدیث ہے کہ " علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں" ۔انبیاء کے وارث مشائخ ہی مراد لیے جاتے ہیں نہ کہ صرف علماء ، علما تو ہندو ، سکھ ، عیسائی اور یہودی مذہب میں بھی ہوتے ہیں۔یہاں علماء سے مراد باعمل اور مشائخ کے سوا اور کوئی نہیں۔

5۔حضرت سہیل بن عبداللہ طشتریؒ نے " معارف المریدین "میں ایک حدیث لکھی ہے کہ " جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا شیطان مرشد ہوتا ہے" اس حدیث کو شہاب الدین سہروردیؒ نے " عوارف المعارف" میں، حضرت سلطان باہوؒ نے " عین الفقر " میں اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے " فتوح الغیب" میں بھی نقل کیا ہے۔

6۔"جامع صغیر" اور " کنوز الحقائق" میں حدیث شریف میں ہے " شیخ اپنی بستی میں ایسے ہوتا ہے جیسے کسی قوم میں کوئی نبی"

7۔"مستدرک" میں حدیث ہے کہ " میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوح علیہ السلام کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا" ۔حضرت علیؓ نے فرمایا" کہ ہم اہل بیت نوحؑ کی کشتی کی طرح ہیں جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا جائے گا" ۔یہ سوار ہونا بیعت کرنے سے مراد ہے۔

8۔"امداد السلوک" میں ایک حدیث منقول ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " شریعت میرے اقوال کا نام ہے۔طریقت میرے اعمال کا حقیقت میری باطنی کیفیت کا اور معرفت میرا راز ہے"۔اس حدیث میں طریقت کا ذکر آیا ہے۔

حضرت مجددؒ نے ایک اور حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا کہ " یہ اللہ والے لوگ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں اور یہ وہ قوم ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا محروم نہیں ہوتا۔ان سے تعلق رکھنے والا نامراد نہیں جب ان کو دیکھو تو خدا یاد آجائے جس نے ان کو پہچان لیا۔ اس نے خدا کو پالیا۔ان کی نظر دوا ہے ان کا کلام شفا ہے۔ان

کی صحبت ضیا ہے اور رونق بخشتی ہے۔جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا وہ خائب اور خاسر ہو گیا جس نے ان کے باطن کو دیکھا وہ نجات اور فلاح پا گیا۔انہی کی وجہ سے بارش نازل کی جاتی ہے اور انہی کے وسیلے سے مخلوقات کو رزق ملتا ہے'' ۔(کشف المحجوب)

اس روایت کے بہت سے حصوں کا ذکر۔حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی کشف المحجوب میں فرمایا اور دیگر تصوف کی کتابوں میں بھی ان حدیثوں کا ذکر ملتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضرورت شیخ پر استدلال اور بیعت کے حق میں مشائخ کبار کی عبارتوں سے ملنے والے دلائل

1۔ روحانی دنیا میں ایک شیخ کی ضرورت کی سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ ہم عملی زندگی میں ایک ایسے راہبر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو اس راہ پر گزرنے کا کامیاب تجربہ رکھتا ہو۔علوم دین اور اسلامی فلسفہ وغیرہ کے استاد تو بہت مل سکتے ہیں لیکن وہ روحانی معاملات سے تقریباً لاتعلق نظر آتے ہیں۔مولانا رومؒ نے مثنوی میں فرمایا ہے کہ '' کوئی لوہا خود بخود تیر نہیں بن سکتا جب تک وہ کسی لوہار کے ہاتھ نہیں چڑھتا اور کوئی حلوائی از خود اپنے کام کا استاد نہیں بن سکتا۔جب تک کسی شکر ریز کی شاگردی نہیں کرتا'' ۔فرماتے ہیں کہ '' میں خود بھی مولانا روم نہ بن سکتا تھا جب تک کہ میں شمس تبریزؒ کی غلامی اختیار نہ کرتا'' ۔

2۔ ضرورت شیخ کیلئے دوسری اہم دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے آئے ہیں کہ ماضی میں کسی ایسے بزرگ کا نام نہیں ملتا کہ جو کسی بزرگ کی بیعت کیے بغیر بزرگی کے رتبے پر فائز ہو گیا ہو۔جس قدر بزرگ اب تک ہوئے ہیں ہر ایک نے کسی نہ کسی سے بیعت ضرور اختیار کی ہے۔

3۔ ضرورت شیخ پر تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورت شیخ کو محسوس کیا اور ہر زمانے میں کسی نہ کسی نبی یا رسول یا ھادی کو مبعوث فرمایا۔کوئی زمانہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جہاں کوئی ھادی مقرر نہیں کیا گیا۔حتیٰ کہ نبوت ختم ہونے کے بعد بھی ایسے ھادی آتے رہے ہیں۔لیکن اسلام دشمن کوششوں کے باعث اب ایک جماعت یہ کہنے لگی ہے کہ ہمارے لئے قرآن اور سنت ہی ہدایت کے لیے کافی ہیں۔دراصل ان کا یہ انکار قرآن کی اس آیت کا انکار ہے۔سورہ مائدہ آیت نمبر 35

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ

ترجمہ '' : اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اور اس انکار کی سزا ان کو یہ ملی کہ وہ اس روحانی ہدایت سے محروم ہو گئے۔بالکل اسی طرح جس طرح پچھلے وقتوں میں آنے والے حکیم افلاطون نے اپنے زمانے میں موجود نبی کا یہ کہہ کر انکار کیا کہ '' ہم تو ہدایت یافتہ قوم ہیں۔ہمیں کسی نبی کی ہدایت کی ضرورت نہیں'' ۔حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ '' اس بدبخت نے علم فلسفہ حاصل کرنے کے بعد خود کو ہدایت یافتہ شخص تصور کیا اور ابدی نقصان سے داغدار ہو گیا'' ۔

1۔حضرت امام غزالیؒ:- آپ فرماتے ہیں '' جو اللہ تک نہ پہنچ سکا تو اس لیے کہ وہ اس راہ پر چلا ہی نہیں وہ اس راہ پر اس لیے نہ چل سکا کہ اس نے اس راہ کی تلاش ہی نہ کی، تلاش اس لیے نہ کی کہ اس کو اس راہ کی پہچان نہ ہو سکی اور اس راہ سے پہچان اس لیے نہ ہوئی کہ اس کا ایمان مکمل نہ تھا۔فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس لیے مکمل نہ ہوا کہ وہ مرد راہ کی راہبری سے محروم رہا'' ۔آپ نے دس سال کیلئے درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑ کر یہ مدت صرف روحانی تجربات اور تحقیقات کیلئے صرف کی اور آخر کار آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ '' **مشائخ کا گروہ ہی ایسا گروہ ہے جس سے لوگ اللہ کی طرف ہدایت پا سکتے ہیں اور یہ لوگ اس کام کیلئے اللہ کی طرف سے منتخب ہوئے ہیں**'' ۔آپ نے اپنی اس تحقیق کو احیاء العلوم کی چار جلدوں میں قلمبند فرمایا ہے۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں" جس طرح باقی علوم کا حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح علم سلوک کا حاصل کرنا بھی فرض ہے"۔

2۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ: آپ فرماتے ہیں "عادت الٰہی اس بات پر جاری ہے کہ اس دنیا میں ایک پیر اور ایک مرید ہو ، ایک مقتداء اور دوسرا مصاحب ہو ، ایک پیشوا اور دوسرا پیرو کار ہو"۔اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو استاد بنایا اور فرشتوں کو ان کے تابع کیا۔دنیا میں انبیاءؑ کو ارسال فرمایا اور کچھ لوگوں کو ان کا جانشین یا حواری بنایا۔حتیٰ کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بنایا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔**مرشد اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ یا برزخ ہے۔**

3۔حضرت داتا گنج بخشؒ: آپؒ فرماتے ہیں کہ '' پیر کامل کی صحبت کے بغیر کوئی شخص صوفی اور عارف باللہ نہیں بن سکتا۔''

4۔حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ: آپؒ نے فرمایا " توحید ، رسالت ، عقائد، زہد و تقویٰ ، مکاشفات اور ذکر و اذکار وغیرہ کی درستگی کے لیے شیخ کا ہونا ضروری

ہے اور سلوک کا طے کرنا ایک شیخ کے بغیر ممکن نہیں"۔فرماتے ہیں " خواہ کوئی کتنا ہی زاہد اور عابد کیوں نہ ہو وہ شیطان کے پھندوں سے بچ نہیں سکتا۔ یہ علم سلسلہ وار بزرگوں سے چلا آ رہا ہے"۔فرماتے ہیں " کسی شیخ سے ذکر کا سیکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ طریقہ سلسلے کے بزرگوں سے چلا آ رہا ہے۔اور اس تعلیم کی ابتدا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے شروع ہوئی۔شیخ نائب رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہوتا ہے اور مریدین کی جماعت کو راہ حق دکھاتا ہے۔آپ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ " جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے"۔

5۔حضرت معین الدین چشتیؒ: آپ کی کتابوں میں ضرورت شیخ پر بہت زور دیا گیا ہے۔حتیٰ کہ آپ ایک حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہوتا ہے " حضرت معین الدین چشتیؒ کے فرمودات کئی کتابوں پر مشتمل ہیں اور آپ کا تمام کلام تصوف میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔آپ کی تربیت عثمان ہارونیؒ نے کی اور اس تربیت کے دوران اور کسی کو مرید نہ کیا۔جب تربیت مکمل ہوئی تو معین الدین چشتیؒ کو روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ پر پیش کیا اور فرمایا کہ " حضور خاتم النبیین ﷺ یہ میری ساری عمر کی کمائی ہے۔اس کو قبول فرمائیں۔آپؐ نے یہ فرمایا اور اس کے بعد ہندوستان کے ایک شہر اجمیر شریف میں آپ کو منصب ارشاد پر تعینات فرمایا۔

6۔حضرت شمس الدین سیالویؒ: آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ پیر کے بغیر روحانیت میں ترقی ممکن نہیں۔آپؒ نے فرمایا کہ پیر کی محبت سے خدا اور رسول خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت نصیب ہوتی ہے۔

7۔شیخ الاسلام ہرویؒ: آپؒ فرمایا کرتے تھے " الٰہی تو نے اپنے دوستوں کو کیا مرتبہ عطا کر دیا ہے کہ جس نے ان کو پہچان لیا۔اس نے تجھے پہچان لیا اور جس کو تیری شناخت نصیب نہ ہوئی وہ ان کی شناخت سے بھی محروم رہا " آپؒ کی اس بات سے معلوم ہوا کہ جو اولیا کو پہچان لے وہ خدا کو پہچان سکتا ہے۔ بشرطیکہ کچھ خدا شناسی کا ملکہ اس کو پہلے سے حاصل ہو۔**یعنی جو خدا شناس نہیں وہی بزرگوں کا منکر ہوتا ہے۔**

8۔حضرت عزیز الدین عبدالعزیزؒ بن عبدالسلام: آپ شروع شروع میں اولیا کے منکر تھے۔جب ابوالحسن شاذلیؒ کا کلام سنا تو چیخ اٹھے کہ لوگو "سنو یہ وہ کلام ہے جو پہلے نازل نہیں ہوا"۔اس کلام سے متاثر ہو کر آپ نے ابوالحسن شاذلیؒ سے بیعت حاصل کی۔جب آپ کی صحبت سے شرف یاب ہوئے تو فرمایا" **گروہ صوفیا دین کی بڑی بنیاد پر قائم ہے اور اس کی دلیل ان کی وہ کرامات ہیں جو ان کے ہاتھوں پر صادر ہوتی ہیں**"۔آپ نے یہ بھی فرمایا " جو لوگ ان بزرگوں کو نہیں مانتے ان کے چہرے بے رونق ہوتے ہیں اور یہ حقیقت اہل مشاہدہ سے پوشیدہ نہیں"۔

9۔حضرت مجدد الف ثانیؒ: طریقت پر آپ نے بہت سی کتب تصنیف فرمائیں اور " مکتوبات "میں تصوف کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔" مبداء ومعاد "میں روحانی علوم پر وافر تفصیل فراہم کی ہے۔آپؒ نے واصل باللہ ہونے کے طریقے ، مرید کا کام پیر کے بغیر دشوار ہونے ، تربیتی مراحل کو طے کرنے ، قلیل مدت میں نسبت کی تکمیل ہونے ، صحبت فقرا سے فیوض وبرکات حاصل کرنے مرشد کی نظروں سے فیضان حاصل کرنے ،اولیاء اللہ کا امراض قلبی کا علاج کرنے ، مرید کو بلند مراتب پہ فائز کرنے ، طریقت میں شریعت کی متابعت اور شیخ سے محبت کا دوام ہونے اور اولیا اللہ کا نسبت کی عطا پر پوری قدرت رکھنے پر ، بہت طویل تحریریں رقم فرمائی ہیں۔آپؒ نے فرمایا ہے کہ بزرگوں کا طریق صحابہ کرامؓ کا طریق ہے کوئی کتنا بڑا پرہیز گار کیوں نہ ہو بزرگوں کی صحبت سے مستثنیٰ نہیں۔پیغمبر بھی اللہ کی صحبت میں رہتے تھے۔امام ابوحنیفہؒ نے دو سال کے لیے بہلول داناؒ کی صحبت اختیار کی اور فرمایا کرتے تھے کہ " اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو گیا ہوتا" ۔حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں متعدد بار فرمایا " پیر کا سایہ ذکر حق سے بہتر ہے"۔آپ فرماتے ہیں کہ "میرے پیر اور وصول الی اللہ میں راہنما وہ لوگ ہیں جن کے توسل سے میں نے اس راہ سلوک میں آنکھیں کھولی ہیں اور ان کی وساطت سے میں نے راہ سلوک کے معاملہ میں لب کشائی کی ہے اور طریقت میں الف اور با کا سبق انہی سے لیا ہے۔میں نے مولویت کا ملکہ بھی انہیں کی توجہ شریف سے حاصل کیا ہے۔اگر مجھ میں علم ہے تو انہی کے طفیل اور معرفت ہے تو وہ بھی ان ہی کے توجہ کا اثر ہے۔میں نے نہایت کو ہدایت میں درج کرنے کا طریقہ ان ہی سے سیکھا ہے۔میں نے قبولیت کی جہت کی نسبت بھی انہی سے اخذ کی ہے۔میں نے ان کی ایک نظر سے وہ فیض پایا ہے جو دوسروں کو چالیس دن کی چلہ کشی میں بھی میسر نہیں آ سکتا۔میں نے ان کی گفتگو سے وہ کچھ پایا جو دوسرے برسوں میں بھی حاصل نہیں کر سکتے"۔

10۔حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ:-آپ نے " ذکر خیر " میں فرمایا ہے کہ بیعت کرنے سے مرید کو دینی و دنیاوی کاموں میں اللہ کی حفاظت مل جاتی ہے۔فرماتے ہیں کہ مرید کی ہر چیز کا مالک اس کا پیر ہوتا ہے اور اس کے بدلے میں پیر پر یہ ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ مرید کیلئے جان کنی کے وقت مدد کرے تاکہ اس وقت اس کے لب پر ذکر الٰہی جاری ہو جائے اور شیطان اس کا ایمان سلب نہ کرے۔فرماتے ہیں کہ پیر منکر نکیر کے سوال کے جواب میں آسانی پیدا کرتا ہے اور پل صراط پر اس کی مدد کرتا ہے اور بالآخر سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت میں داخل کروانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔فرماتے ہیں کہ جو

مرید دل وجان سے پیر کے عاشق ہوں ان کا معاملہ تو بیان سے باہر ہے۔

11۔صوفی شعراء :- تمام صوفی شعرا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کسی مرشد کے بغیر راہ طریقت پر چلنا ممکن نہیں۔علامہ اقبال کا فرمان ہے۔

''مقام شوق صدق ویقین کے بغیر ہاتھ نہیں آتا ،اور یقین صحبت جبرئیل امین (یعنی شیخ) کے بغیر ممکن نہیں۔''

مولانا رومؒ نے فرمایا کہ '' ہزاروں کتابوں کو آگ میں پھینک دو اور پھر اپنے دل کا رخ اپنے محبوب شیخ کی طرف پھیر لو دین حاصل ہو جائے گا'' ۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ '' دین کو کتابوں میں نہ ڈھونڈو علم وحکمت کی بات ہو تو کتابوں میں مل سکتی ہے مگر دین حاصل کرنے کا طریقہ سوائے نظر کے اور کچھ نہیں'' ۔

12۔''ابیات باہو'' میں لطیف اشارات :- حضرت سلطان باہوؒ کو دنیائے روحانیت میں جو مقام حاصل ہے اس سے کون آشنا نہیں؟۔آپ کے بلند پایہ عارف باللہ اور عالی مرتبت ہونے کے ناطے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا کلام قرآن اور سنت کے معارف سے لبریز ہے اور آپ کے فرمودات میں قرآن اور حدیث سے متعارض یا متضاد ہونے کا ہرگز ہرگز کوئی شائبہ نہیں۔آپ کے کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مشائخ سے نسبت کا ہونا ہر مسلمان کے لیے ایک نہایت اہم امر ہے بلکہ اس گروہ کے ساتھ لاتعلقی کی زندگی گزارنے والے مسلمان روح اسلام کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔آپؒ کے افکار کے مطابق ایک مسلمان کے لیے روحانیت کے بغیر پکا اور سچا مسلمان بننا کسی صورت بھی ممکن نہیں۔آپ کے اشعار عام فہم اور سادگی کے زیور سے آراستہ ہیں اور ان کا ایک ایک بند اس بات کو واضح کرتا ہے کہ مرید کے لیے شیخ سے وابستگی کیوں ضروری ہے؟اور وہ اس وابستگی سے کیا کچھ حاصل کرتا ہے؟۔مثال کے طور پر آپ کے ابیات کے پہلے شعر کو ہی لیجئے۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہُو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگِ ہر جائی ہُو
اندر بوٹی مشک مچایا جان پُھلن تے آئی ہُو
جیوے مرشد کامل باہو جئے ایہہ بوٹی لائی ہُو

(i) میاں محمد بخشؒ کی عارفانہ رموز:- میاں محمد بخشؒ کا کلام کوئی ایسا نہیں کہ انہوں نے خود اپنے پاس سے خیالات کا اظہار کیا ہو بلکہ اس میں آپ نے محض ان باتوں کا چناؤ کیا ہے جو قرآن وحدیث یا مشائخ کبارؒ کے اقوال سے ثابت ہوں اور جن پر تمام صوفیائے کرام کا اتفاق رائے ہو چکا ہو۔صاحب دل لوگوں کو تو قطعاً ان کے اقوال سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔کیونکہ یہ کلام سچائی ، حقیقت ، معرفت اور طریقت کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔اس جگہ آپ کے کلام کے چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں جو عوام میں بہت زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔آپ کا ایک شعر ضرورت شیخ ، افادیت شیخ اور تصرف شیخ کی نشاندہی کرتا ہے۔

رحمت دا دریا الٰہی ہر دم وگدا تیرا
جے اک قطرہ مینوں بخشیں ،کم بن جائے میرا
سب کچھ کیتا یار حوالے، تن من جان وی تیری
میں کوجھی دا مرشد توں ہیں، لاج رکھیں ہن میری

(ii) طریقت کے اعمال یقین کو بڑھاتے ہیں :- طریقت کے اعمال کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ طریقت پوری کی پوری حکمت، معرفت اور یقین کے سوا اور کچھ نہیں۔اولیاء کرام کا خیال ہے کہ جب تک یقین کامل حاصل نہ ہو ایمان درست نہیں ہو سکتا۔طریقت میں یقین حاصل کرنے پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے 30 سال تک سخت مجاہدات کئے اور ان مجاہدات کے بعد مجھے: (سورۃ ق، آیت نمبر-16)

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ترجمہ '' :اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں''

پر یقین ہوا۔آپ کا کہنا یہ ہے کہ شیوخ مجاہدات اس لئے کرواتے ہیں تا کہ یقین پیدا ہو اور یقین سے ایمان کامل ہو جائے۔

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں '' شکوک اعمال کثیر کو بھی باطل کر دیتے ہیں اور قوی الیقین انسان کا یقین اس کے گناہوں کو بھی محو کر دیتا ہے'' ۔فرماتے ہیں جو شخص اس فرق کو سمجھتا ہے اس سے زیادہ فقیہہ اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔تصوف پورے کا پورا یقین پر ہی گھومتا ہے۔شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ مقام محبت نور یقین سے ہی حاصل ہوتا ہے۔اور اگر محبت صحبت کے درجے پر آجائے تو اس وقت قلب پر احوال مرتب ہونے لگتے ہیں۔

محبت ایک ایسا جام ہے کہ اگر حواس پر اس کا اثر ہو جائے تو انسان میں سوز پیدا ہو جاتا ہے اور نفس پر جاگزین ہو جائے تو نفس نیست و نابود ہو جاتا ہے اور اعمال

صالح میں مداخلت نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ پیر کو مولانا رومؒ نے نفس کش کہا ہے۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مرید سے بھلائی چاہتا ہے تو اسے کسی پاک باطن صوفی کے حوالے کر دیتا ہے اور قاریوں کی صحبت سے روک دیتا ہے۔ ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ مرید جو علوم صوفیہ سے سیکھ کر عمل کرتا ہے۔ تو آخر عمر تک وہ علوم اس کے دل میں حکمت بن جاتے ہیں۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ طریقت پر وہی چلتا ہے جس کی روح بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گئی ہو اور وہ غیر اللہ سے بھاگتا ہو۔ یہ لوگ نہ کسی چیز کے مالک ہوتے ہیں اور نہ مملوک (ملک۔ غلام)'' یعنی طریقت مولیٰ سے دوستی اور دنیا سے دشمنی کا نام ہے''۔

(iii) طریقت خدمتِ خلق ہے :۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ عبادت اللہ کی ہوتی ہے اور خدمت اس کی مخلوق کی ہوتی ہے اگرچہ یہ دونوں کام اللہ کیلئے ہوتے ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ عبادت رائیگاں جا سکتی ہے مگر خدمت رائیگاں نہیں جاتی۔ عبادت کا معیار اس قدر بلند ہے کہ کوئی بھی اس معیار پر پورا نہیں اتر سکتا مگر خدمت خواہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو ، مقبول ہوتی ہے۔ **طریقت میں لوگوں پر شفقت کرنا اوران کی خدمت کرنا اولین چیز ہے۔** حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جب تک وہ عام لوگوں پر اتنی شفقت نہ کرے جتنی وہ اپنے خاص عزیزوں سے کرتا ہے۔

(iv)　طریقت کا دروازہ کھلنا کیسے ممکن ہے؟:۔ مولانا رومؒ نے فرمایا کہ شریعت ایک شمع ہے جو راہ دکھاتی ہے اور اس راہ پر چلنا طریقت ہے جبکہ منزل پر پہنچ جانا حقیقت ہے۔ چنانچہ عبادت کسی آشنائے طریقت سے ہی سیکھی جا سکتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ **جس کو اپنے ہم جنس سے سکون حاصل ہوتا ہے تو وہ بلندی حقائق سے گرا دیا جاتا ہے** اور جب تک کوئی شخص اپنا اختیار استعمال کرتا ہے محجوب رہتا ہے۔ ابوعلی رودباریؒ فرماتے ہیں کہ اپنی طبیعت سے منہ موڑ لینے کا نام طریقت ہے۔ کہتے ہیں کہ جو اللہ کا ہو جائے تو تمام کائنات اس کی ہو جاتی ہے۔ صوفیاء کا پہچاننا اللہ عزوجل کے پہچاننے سے بہت زیادہ مشکل ہے کیونکہ خدا تو اپنی صفات سے پہچانا جاتا ہے مگر ولی اللہ تو عام آدمیوں کی طرح ہوتا ہے اس لیے اس کا پہچاننا بہت مشکل ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک اللہ تعالیٰ کے دروازے پر انتظار کیا ، تیس سال بعد یہ دروازہ کھلا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ '' فتح الربانی '' میں فرماتے ہیں "جو شخص عالمان باعمل کی صحبت میں نہ رہے۔ وہ مردود ہے اس کے لیے نہ دلیل ہے نہ اصل۔ ایسے شخص کی صحبت میں رہو ، جس کو حق تعالیٰ سے محبت ہے"۔

ہمارے پاس وقت بہت ہی کم ہے۔ فضول گوئی سے بچیں۔ خاموشی میں آفیت ہے۔ سکوت ایک کیفیت ہے۔ قسم قسم کا سکوت ہوتا ہے۔ ہماری پہچان، ہماری خاموشی میں ہے۔

سکوت واجب ہے بحر دل میں　　باقی سجدے ریا کے ہوتے ہیں
سکوت واجب ہے اہل دل پر　　لوگ رسوا، بتا کے ہوتے ہیں

حال کا اظہار یکساں ہوتا ہے۔ معنی ہی سے ایک شخص دوسرے کو سمجھ سکتا ہے۔ مسلمان ہونے کی نشانی کلمہ توحید ہے۔ کلمہ توحید کو، انسان کا سکوت وتفکر اپنے اپنے لحاظ سے معنی دیتا ہے۔ یہ وحدانیت کا اقرار ہے۔ عام انسان جو شریعت پر ہے وہ اس کا ظاہری مطلب ہی لے گا کہ "اللہ ایک ہے، اللہ کی سوا کوئی معبود نہیں "۔ لیکن طریقت والے اس کا مطلب اپنی اپنی معرفت کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ " کلمہ توحید کا مطلب ہے ہر شے کو فنا ہے "۔ یہ بڑی گہری بات ہے جسے ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے کہا گیا ہے "الفاظ چاندی اور سکوت سونا ہے "۔ شاخوں سے پتوں کا گرنا محض موسم کی تبدیلی کا پیش خیمہ نہیں ہوتا بلکہ یہ یاد دلاتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ مذکورہ بالا تمام کلام سے طریقت کو اختیار کرنے کے دلائل قائم ہوتے ہیں۔

****

دل کی اصلاح کے لیے مولانا رومؒ کا نسخہ

(مولانا کے چند خوبصورت اشعار کا مجموعہ)

-1 دل کی اصلاح کے لیے کسی صاحب کو تلاش کرو

مولانا رومؒ کا شمار بڑے بڑے علماء میں سے ہوتا ہے جو جید عالم بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ روحانی دنیا میں بھی بلند مقام رکھتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں ان کو اپنا مرشد تسلیم کیا ہے۔ مثنوی مولانا رومؒ روحانیت کے موضوع پر بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ آپؒ نے مثنوی مولانا رومؒ میں دو باتوں پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ **ایک تو یہ کہ شریعت کی سختی سے اتباع کی جائے اور دوسرے یہ کہ کسی شیخ کامل کا دامن مضبوطی سے تھام لیا جائے جو سالک کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کردے گا۔ بعض** اوقات تو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسانوں کی تمام بیماریوں کا علاج ہی مرشد سے محبت رکھنے میں ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں۔

☆ نورانی لوگ اللہ کی راہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے کلام کے الفاظ کے ساتھ نور بھی ہمراہ کردیتے ہیں۔

☆ شیخ کی بات سے سکون ملتا ہے۔ دنیاداروں کے کلام سے انتشار حاصل ہوتا ہے۔

☆ جب تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے گا۔ پس تو گمراہوں کی دسترس سے نکل جائے گا۔

☆ راہ طریقت کا راہبر وہ ہوتا ہے جو خود بھی احکام شریعت کی راہ پر چلتا ہے۔

☆ اگر وہ عمل میں ثابت قدم نہ ہو تو مخلوق کو غم سے کیسے رہائی دلا سکتا ہے؟

☆ جو بھی ولی اللہ ہو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دو ، خواہ وہ علیؓ کی نسل سے ہو یا عمرؓ کی۔

☆ اگر تو کہتا ہے کہ کوئی پیر نظر نہیں آتا ، تو لاکھوں کروڑوں میں اسے تلاش کر۔

☆ کیونکہ دنیا میں اگر کوئی پیر نہ رہتا تو یہ زمین اور مکاں اپنی جگہ پر نہ رہتے۔

☆ اللہ کے خاص بندے دستگیری کرتے ہیں ، طالبان حق کو خدا کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں۔

☆ اگر تو سخت پتھر اور سنگ مرمر بھی ہو ، تو اگر کسی صاحب دل کے پاس پہنچ جائے تو ہیرا بن جائے گا۔

☆ کوئی شخص اپنے تئیں کوئی چیز نہیں بنتا ، کوئی لوہا خود بخود تیز خنجر نہیں بن سکتا۔

☆ کوئی حلوائی اپنے کام کا استاد نہیں ہوتا ، جب تک کسی حلوائی کی شاگردی نہ کرے۔

☆ مولانا بھی اس وقت تک مولانا روم نہ بنے ، جب تک وہ شمس تبریزؒ کے غلام نہ بنے۔

-2 خدا کے ساتھ ہم نشینی چاہتے ہو تو اولیاء کے حضور میں آجاؤ

مولاناؒ فرماتے ہیں "جس طرح اسرافیل علیہ السلام مردہ بدنوں کو زندہ کرسکتے ہیں بالکل اسی طرح اولیائے کرام (اعمال کے اعتبار سے) مردہ انسانوں میں (کردار کی) روح پھونک سکتے ہیں۔ ان بزرگوں کے سینے میں خداوند قدوس کے جلوے موجود ہوتے ہیں اور ان کی صحبت سے لوگ باخدا بن جاتے ہیں"۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

☆ جو بھی خدا کی ہم نشینی چاہتا ہے اس کو کہو کہ اولیاء کے حضور بیٹھا کرے۔

☆ یاد رکھو کہ اولیاء اپنے وقت کے اسرافیل ہیں مردہ لوگوں کو ان سے زندگی اور نمو ملتی ہے

☆ وہ مسجد جو اولیاء کے اندر ہے جملہ خلائق کی سجدہ گاہ ہے وہاں اللہ ہے۔''

-3 اولیاء اللہ دلوں کے جاسوس ہیں

مولاناؒ فرماتے ہیں اولیاء کے پاس جا کر بیٹھو تو دلوں میں کوئی معیوب بات یا عقیدت میں فرق نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ دلوں کی باتوں کو محسوس کر لیتے ہیں اور نور فراست سے ان کا دیکھنا حدیث سے ثابت ہے۔یعنی '' مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

☆ جب تو اولیاء کی حاضری سے دور ہو گیا تو حقیقتاً تو خدا سے بھی دور ہو گیا۔

☆ جب خدا کے اسرار سے واقف ہو گیا تو مخلوق کے راز اس کے لیے کیا ہیں؟

☆ خدائے '' علام الغیوب '' کے خاص بندے ، روح کی دنیا میں دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔

4۔ قانون خداوندی ہے کہ دین نظر کے بغیر ادھورا رہتا ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اس قدر پیغمبر مبعوث فرمائے اور صرف کتابوں پر اکتفا نہیں کیا۔اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک کوئی ہادی ارسال نہ کریں بلکہ حضور خاتم النبیین ﷺ اور ان کے ولیوں کو تو ہر قوم کے لیے ہادی بنا کر بھیجا ہے"۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

☆ اے بے خبر دین کو کتابوں میں تلاش نہ کر، علم و حکمت تو کتابوں میں ہے مگر دین نظر سے ملتا ہے۔

☆ صحبت ، کتابی علم سے بہتر ہے ، آزاد بندوں کی صحبت آدم گری کرتی ہے۔

☆ دولت اور دنیا میں خدا نہیں مل سکتا۔اوارق دل میں دیکھ یہ بہت عظیم کتاب ہے۔

5۔ طریقت میں تنہا چلنا خطا ہے

مولانا رومؒ فرماتے ہیں "اندھا بغیر کسی راہنمائی کے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا اور ایسا کرنا اس کے لیے خطرے کا باعث ہوگا جو لوگ خودسری کے باعث راہ طریقت کو تنہا طے کرنے لگتے ہیں اور اس صحرائے بے پایاں میں سفر کرتے ہیں تو وہ بھی ان اولیائے کرام کی ہمت کی وجہ سے راہ طے کر پاتے ہیں"۔

☆ جس کسی نے اِس راہ کو تنہا طے کیا وہ بھی پیروں (راہبروں) کی ہمت سے ہی پہنچا ہے۔

6۔ اولیاءاللہ ہی خداوندانِ دل ہیں

مولانا رومؒ فرماتے ہیں "کشت (کھیتی) انسان میں تخم دل کو کاشت کرنے کیلئے خداوندان دل (یعنی اولیاء اللہ) کی نظر کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ اس کھیت سے طرح طرح کی پیداوار حاصل کی جا سکے۔چنانچہ انسان کی قیمت اس وقت تک نہیں لگتی ہے جب تک وہ کسی اہل حال بزرگ کے دامن میں ہاتھ نہ ڈالے"۔ فرماتے ہیں ک "بیعت سنت رسول خاتم النبیین ﷺ ہے۔جس نے پیر کی بیعت کی تو گویا اس نے رسول خدا کے ہاتھ پر بیعت کی کیونکہ جو دیا کسی دیئے سے جلایا جاتا ہے تو اس دیئے میں سب سے پہلے دیئے کی روشنی ہی تصور کی جاتی ہے"۔

مولانا فرماتے ہیں "جس نے کسی پیر کامل کی لحہ بھر کیلئے صحبت حاصل کی تو اس کی یہ صحبت سو سالہ اطاعت بے ریا سے بہتر تصور کی جاتی ہے۔صحابہ کرامؓ بھی صحبت کے وصف سے اصحاب رسول خاتم النبیین ﷺ کہلائے اور صحبت کے باعث ساری دنیا کے عابدوں سے افضل قرار دیئے گئے"۔

7۔ منکران طریقت سے مولانا رومؒ کی سخت برہمی

جو لوگ راہ طریقت اور اہل طریقت کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں مولاناؒ ان کو کافر طریقت خیال کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ایک ایسے چوہے کی طرح تصور کرتے ہیں جو شیر کی دم سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے۔فرماتے ہیں ایسے لوگوں کی عبادت میں ذرہ برابر چاشنی نہیں پائی جاتی اور ان کی اطاعات ایسی ہیں جیسے کوئی تخم ہو اور اس میں مغز نہ ہو۔کافر کون ہے؟ جو ایمان شیخ سے غافل ہے۔مردہ کون ہے؟ جو شیخ کی روح سے بے خبر ہے۔اے ناپاک چہرے والے تو کس خیال میں ہے؟ تو دیکھ کہ تو کس کے ساتھ حسد اور جھگڑا کرتا ہے؟

8- علم اور عمل:-

ہر شے کی زکوۃ ادا کرنی ہوتی ہے- بدن کی زکوۃ روزہ ہے---عقل کی زکوۃ خیر کی بات سوچنا ہے-علم عمل کے بغیر اندھا اور بہرہ ہوتا ہے- اگر علم کے ساتھ عمل نہ آئے تو عقل کام نہیں کرتی-

عدل بھی سب کچھ جاننے سے مشروط ہے-حق کو جاننا، سچ کو جاننا، دین کو جاننا - دین عمل میں ہے---عقل استعمال کرنے کو کہا گیا ہے---کوشش کرنے کو کہا گیا ہے---قرآن مجید عمل کے لئے دیا گیا ہے- وہ گھر شیطانی مخلوقات کی پسندیدہ جگہ ہے جہاں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا- اپنی عقل، اپنے بدن کا استعمال عبادت ہے-خلق

کی خدمت بھی اللہ کی عبادت ہے-انبیاء کرام علیہ السلام کا کام بھی خلق کی خدمت ہی رہا ہے-خلق اور انسانیت کی خدمت اپنی عقل اور اپنے بدن کو استعمال کرتے ہوئے کرنا ہے-حیوانوں سے انسان اس طرح مختلف ہے کہ انسان غور وفکر کا وصف رکھتا ہے اور یہ وصف انسان کو خدمت کے لیے دیا گیا ہے-ہر کام کو عبادت سمجھ کر اور خالق کو سامنے دیکھتے ہوئے انجام دینا ہی انسانیت ہے-

****

تصوّرِ شیخ

بعض نا سمجھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تصورِ شیخ کیوں کریں ، براہ راست اللہ تعالیٰ کا تصور کیوں نہ کریں؟ انسان کی فطرت ہے کہ وہ عموماً نیکی کے صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر بدی کے دلفریب اور پر کشش راستے پر بہت جلد گامزن ہوجاتا ہے۔اس طرح وہ اپنی دنیا اور آخرت دونوں برباد کر لیتا ہے ۔اللہ تعالیٰ نہایت رحیم وکریم ہے۔چنانچہ اس نے بے شمار انبیاء اکرام مبعوث فرمائے جو وقتاً فوقتاً ان گم گشتہ راہ انسانوں کی رہنمائی فرما کر ہدایت وقربِ الٰہی کے حصول کی نہ صرف تلقین کرتے رہے بلکہ عملی طور پر بھی مظاہرہ فرماتے رہے۔جب تک نبوت کا سلسلہ جاری رہا پیغمبران تشریف لاتے رہے ،اب چونکہ نبوت کا یہ سلسلہ خاتم النبیین حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی ذات بابرکات پر ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا ہے۔لہٰذا بھٹکے ہوئے انسانوں کی ہدایت کا کام جناب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے وارثان یعنی بزرگانِ دین (اولیاء اکرام) جو حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے نائب ہیں ان کی ذمہ داری ہے۔**یاد رکھیں کہ تصورِ شیخ کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مُرید آنکھیں بند کرکے بیٹھ جائے اور شیخ کی جسمانی تصویر کا خیال کرے اور یہ سوچنے لگے کہ شیخ کا حلیہ یہ ہے ، لباس ایسا ہے ، آنکھیں ایسی ہیں وغیرہ ، یہ بالکل غلط تصور ہے۔**

تصورِ شیخ کا اصل اور صحیح مفہوم یہ ہے کہ مُرید اپنے مرشد کو ذہن کا مرکز بنا کر اس میں گم ہوجائے۔اس کے حواس پر شیخ کا عشق اتنا غالب آجائے کہ مُرید شیخ کی ذات میں فناء ہوجائے ،اس درجہ کو فنافی شیخ کہتے ہیں۔اس منزل کو طے کرنے کے بعد جب مُرید رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے رابطہ پیدا کر کے آپ خاتم النبیین ﷺ کے عشق میں گم ہوجاتا ہے تو اس درجہ کو فنافی الرسول خاتم النبیین ﷺ کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد اگر مقدر یاوری کرتا رہے اور مُرید اپنے معمولات میں باقاعدگی رکھے تو مُرید کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہوجاتا ہے ،اور وہ عشق الٰہی میں فناء ہوجاتا ہے۔اور اس مرتبہ کو فنافی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔مسلمان نماز کی ادائیگی کے لئے اپنا منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں اور ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ اگر قبلہ رُو نہ ہوا جائے تو نماز نہیں ہوتی۔گویا نماز کی ادائیگی کے لئے قبلہ رُو ہونا بہت ضروری ہے۔اب غور کریں گے کہ گو نماز کی ادائیگی کے لئے ہمارا رُخ قبلہ کی جانب ہوتا ہے مگر قبلہ خدا نہیں ہے۔یعنی ظاہراً ہمارا قیام ،رکوع اور سجود قبلہ کی سمت ہوتا ہے جبکہ باطن میں ہمارا قیام،رکوع اور سجود وغیرہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہوتا ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا مگر تصور اسی کا ہوتا ہے۔یعنی ہمارا اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے قبلہ نہیں ، قبلہ فقط ایک علامت کے طور پر ہے۔اس لئے اہل نظر اولیاء اکرام قبلہ کو اصل مسجود (اللہ) کی جانب قبلہ نما (یعنی سمت دکھانے والا) کہتے ہیں۔

اب بات واضح ہوگئی کہ گو نماز کی حالت میں ہمارا رُخ قبلہ کی جانب ہوتا ہے مگر اصل مسجود (جس کو سجدہ کیا جارہا ہے)اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہوتی ہے۔اس طرح روحانی ترقی کے لئے گو تصورِ شیخ کا ہوتا ہے مگر اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ،بالکل اسی طرح جیسے قبلہ۔

تصورِ شیخ کی اہمیت ،اس کے نفع اور اقرب الی المطلوب (اللہ تک رسائی) ہونے کی بناء پر تمام قادریہ ،چشتیہ ،نقشبندیہ ،سہروردیہ اور تمام صوفیہ کرام نے اسے اپنے معمولات میں بطور جُزِ اعظم شامل کیا ہوا ہے اور بعض کے نزدیک سلوک میں کامیابی کا انحصار ہی تصورِ شیخ پر ہے ،**یعنی تصورِ شیخ تصوف وطریقت کی جان ہے۔**

تصورِ شیخ کا حدیث کی رُو سے ثبوت-:

1۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بحوالہ صحیح مسلم شریف مروی ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں،

ترجمہ ": مجھے آپ خاتم النبیین ﷺ کا تصور یوں پکا ہوا ہے کہ گویا میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو لبوں میں مسواک لئے ہوئے تصور کرتا ہوں"

2۔ حضرت حریث ابن عمرؓ سے بحوالہ صحیح مسلم شریف مروی ہے کہ

ترجمہ ": میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا یوں تصور کرتا ہوں کہ گویا آپ خاتم النبیین ﷺ منبر مبارک پر تشریف فرما ہیں اور سیاہ عمامہ باندھے ہوئے ہیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے عمامہ کے دونوں پلے آپ خاتم النبیین ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان لٹکے ہوئے ہیں"

حضرات صحابہ اکرامؓ نے جس جس ہیبت وحالت میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا تھا اسی کے مطابق آپ خاتم النبیین ﷺ کا تصور ان کے ذہن اور دماغ میں بیٹھ گیا۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے سورۃ توبہ کی آیت نمبر 119۔ترجمہ ":اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو'' اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ سچوں یعنی صادقین کے ساتھ رہیں۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک صحابی نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا " یارسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) قیامت کب ہوگی" ؟ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ": تیری خرابی ہو تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے"؟ اس نے عرض کی" میں نے کچھ بھی تیاری نہیں کی سوائے اس کے کہ میرے دل میں اللہ اور اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی محبت ہے" تب آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ " آخرت میں تجھے اس کی معیت حاصل ہوگی جس کے ساتھ تو دنیا میں رہا"۔

آیت مذکورہ بالا میں صادقین کی معیت کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ معیت (ساتھ) جسمانی نہیں ہے بلکہ قلبی اور روحی ہے۔کیونکہ اس جہان فانی میں کوئی ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ (جسمانی لحاظ سے) ہمیشہ نہیں رہ سکتا اس لئے یہ حقیقت ماننی پڑے گی معیت (ساتھ) قلبی اور روحی ہے ،اسی قلبی اور روحی معیت کو اہل طریقت، بیعت ،رابطہ ،واسطہ اور تصورِ شیخ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت حسنؓ بن علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "میں نے اپنے ماموں ہند بن ابو ہالہ سے سوال کیا کہ وہ نبی خاتم النبیین ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کریں اور میں مشتاق تھا کہ وہ میرے لئے کچھ بیان کریں تا کہ میں اس کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلوں'' ۔

ملا علی القاریؒ نے " جمع الوسائل فی شرح الشمائل''میں حدیث مذکور کی وضاحت میں تحریر فرمایا ہے کہ:

ترجمہ '':یعنی میں اس وصف کو مضبوطی کے ساتھ ذہن نشین کر کے اپنے خزانہ خیال میں محفوظ کرلوں"۔اور حضرت حسنؓ نے یہ اس لئے فرمایا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی وفات کے وقت وہ اتنی چھوٹی عمر کے تھے کہ اشیاء میں غور کرنے اور شکلوں اور اعضاء کو یاد رکھنے کے قابل نہ تھے۔

حدیث مذکورہ بالا اور ملا قاریؒ کی اس تصریح میں یہ بالکل واضح ہو گیا کہ تصورِ شیخ یعنی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی صورت مبارکہ کو خزانہ خیال میں محفوظ رکھنا حضرت حسنؓ کا معمول تھا جو اس وقت سے لے کر آج تک صوفیاء اکرام کا معمول ہے۔

تصورِ شیخ کے متعلق ارشادات:

حضرت شاہ ولی علی محدث دہلویؒ ''،القول الجمیل'' میں تحریر فرماتے ہیں'' جب مرشد سامنے نہ ہو تو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان اس کی صورت کا محبت و تعظیم کے ساتھ تصور جمائے ،اس کی صورت کے تصور سے وہی فائدہ پہنچے گا جو اس کی صحبت سے پہنچتا ہے'' ۔

حضرت شیخ ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں'' مرشد کی مخالفت مرشد کے تعلق کو قطع کر دیتی ہے۔اور جو مرید اپنے مرشد کے قول وفعل پر معترض ہوتا ہے ،اس کے لئے مرشد کی صحبت بے سود ہے اور مرشد کی نافرمانی کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی"

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں'' بلا تکلف اور بے اختیار رابطہ اور شیخ کا حاصل ہو جانا یہ پیر و مرید کے درمیان کامل مناسبت کی نشانی ہے۔جو فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ وسبب ہے ،اور قرب حق تعالیٰ کا کوئی راستہ اس سے زیادہ نزدیک کا نہیں ہے"۔

ایک اور مکتوب میں امام صاحبؒ فرماتے ہیں'' ذکر کرتے وقت اگر بلا تکلف صورت شیخ سامنے آجائے تو مرید کو چاہئے کہ اسے اپنے دل میں لے جائے اور اسے اپنے دل میں بسائے ہوئے ذکر اللہ کرے۔**کیا تو جانتا ہے کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے جس سے تُو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا طریقہ سیکھے اور اس راہ میں تو اس سے بہت زیادہ مدد اور اعانت حاصل کرے"۔**

تصورِ شیخ اہل باطن کا حجر اسود ہے۔پتھر بخشنے والا نہیں لیکن بخشش کا وسیلہ ہے۔تصورِ شیخ۔خدا نہیں لیکن معرفت کا وسیلہ ہے۔قلب مومن بھی اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔جسے اللہ تعالیٰ خود بناتا ہے۔تصور اُس کعبہ کا حجر اسود ہے۔**تصورِ شیخ اِس لیے ہے کہ کثرت سے سمت کر وحدت میں آجائے تا کہ وحدت میں گم ہونا آسان ہو جائے۔**

جس کی نیت اولیاء اللہ سے عزت کروانے کی ہوتی ہے تو اولیاء اللہ اُس کی بڑی عزت کرتے ہیں لیکن ایسا شخص فیضان سے محروم رہتا ہے۔راہ طریقت تو مسلسل ایثار اور قربانی کی راہ ہے۔جب ایثار اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے تو مراد کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔مرشد کامل اللہ کے حبیب خاتم النبیین ﷺ کی محبت کا مظہر ہے۔اِس کے سینے میں اُسی نور کی شعاع ہے۔مرشد کامل اگر کسی کو محبت سے دیکھ لے تو عادت بدل دیتا ہے۔خصلت بدل دیتا ہے، ماہیت قلب بدل دیتا ہے۔**فنافی الشیخ سے مراد یہ ہے**

کہ اپنا ارادہ اپنے شیخ کے ارادے میں فنا کردے۔فنافی الرسول خاتم النبیین ﷺ سے مراد یہ ہے کہ اپنا ارادہ، رسول خاتم النبیین ﷺ کے ارادے میں فنا کر دے۔اِسی طرح فنافی اللہ سے مراد یہ ہے کہ اپنا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں فنا کردے۔

****

ارادت یعنی مرید ہونے کی شرائط

ارادت یعنی مرید ہونے کے لیے شروع میں کچھ شرائط ہیں ان کو بجالانا چاہیے۔

1۔ ایک گرفت کی چیز ہے جس کو گرفت کرنا چاہیے۔

2۔ ایک قلعہ ہے جس میں پناہ لینی چاہیے۔

3۔ اور چند وظائف ہیں کہ راہ سلوک میں اس پر مداومت کرنی چاہیے اور وہ شرط جس کا اول طور پر پورا کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ

4۔ اپنے اور حق کے بیچ میں جو بھی حجاب اور روک ہے اس کو دور کرے۔اور یہ حجاب مرید اور حق کے درمیان چار ہیں:

(1)مال (2)جاہ (3)ریا (4)نافرمانی

1۔ مال کا حجاب دور کرنا یہ بقدر ضرورت کے علاوہ نکال دے۔

2۔ جاہ کا حجاب دور کرنا یہ ہے کہ اپنی تعریف کرنے والوں کے پاس نہ رہے۔

3۔ ریا کا حجاب دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر وقت ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کا ورد کرے

4۔ نافرمانی کے حجاب رفع کرنے کی تدبیر بجز اس کے کچھ نہیں کہ توبہ کرے ان چاروں شرطوں کو مقدم کر کے مال وجاہ سے کنارہ کرے گا تو ایسا ہوجائے گا۔

جیسا کوئی وضو اور طہارت کر کے نماز کے قابل بن جائے اور صرف امام کی اقتدا کی ضرورت رہے اس وقت مرید کو ایک استاد یا مرشد کی ضرورت ہوگی جو راہ مستقیم بتادے اس لیے کہ دین کا راستہ بہت باریک ہے اور شیطان کی راہیں ظاہر اور بہت سی ہیں اگر مرشد یا استاد نہ ہوگا تو ضرور شیطان اس کو اپنے راستوں کی طرف کھینچ لے گا اور بغیر رہبر راہ پر چلنا اپنی جان کو تباہی میں ڈالنا ہے۔اور جو صرف اپنی عقل پر اعتماد کرتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے خودرو پیڑ ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سوکھ کر رہ جاتا ہے اور اگر کچھ عرصہ ٹھہر گیا اور پتے بھی نکل آئے تو پھل نہیں لگتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعد تدبیر چاروں شرائط کے مرید کے لیے جو شے قابل گرفت ہے وہ مرشد روحانی استاد ہے اس پر بھروسہ ایسا چاہیے جیسے نہر کے کنارے اندھا آدمی اپنی لاٹھی پکڑنے والے پر کرتا ہے اور اپنا سب امر اس کے سپرد کردیتا ہے اسی طرح مرید کو اپنے مرشد یا روحانی استاد کے ساتھ کرنا چاہیے اور یہ جان لینا چاہیے کہ اگر مرشد غلطی بھی کرے گا تو اس کی غلطی میں بھی مجھ کو نفع زیادہ ہے بہ نسبت اس کے کہ میں اکیلا چلوں۔اور جب اچھا استاد، اچھا پیر یا اچھا مرشد مل جائے تو مرشد کو چاہیے کہ اپنے مرید کو ایسی پناہ کی جگہ اور قلعہ میں بیٹھادے کہ راہزنوں سے محفوظ رہے اور یہ قلعہ چار چیزیں ہیں۔

1۔خلوت 2۔سکوت 3۔بیداری 4۔بھوک

کیونکہ مقصود مرید کا قلب کی اصلاح ہے تاکہ اس سے پروردگار کا مشاہدہ کرے استاد کا کام یہ ہے کہ اس کو قرب کی لیاقت باہم پہنچادے اور یہ ان مندرجہ بالا چار باتوں سے حاصل ہے۔

بھوک سے دل کا خون کم ہوجاتا ہے اور سفید ہوجاتا ہے اور سفیدی دل کا نور ہے، بھوک سے دل کی سختی بھی دور ہوتی ہے اور یہ دل کی نرمی کا باعث بنتی ہے۔جو کلیہ مکاشفہ ہے جس طرح سختی دل باعث حجاب ہے۔جب دل میں خون کم ہوجاتا ہے تو دشمن کی راہ کم ہوجاتی ہے۔اسی لیے حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں سے کہا تھا'' اپنے شکموں کو بھوکا رکھوتا کہ اللہ کو دیکھو'' بھوکا رہنے سے قلب میں صفائی اور بصیرت میں روشنی حاصل ہوتی ہے۔پیٹ بھر لینے سے سستی اور طبیعت کا کند ہونا لازم ہے۔علاوہ ازیں قلب کی آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں اور جب ذکاوت جاتی رہتی ہے تو معرفت الٰہی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد سب سے پہلی بدعت جو ایجاد ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔پس جب مسلمانوں کے پیٹ بھرنے لگے تو ان کے نفس ان کو دنیا کی طرف کھینچ کر لے گئے''۔(بخاری)

کسی بزرگ کا قول ہے کہ ''اپنے پیٹ بھوکے رکھو، حرص کو چھوڑ دو، جسموں کی زیبائش نہ کرو، تمناؤں کو گھٹاؤ، جگر پیاسے رکھو، دنیا سے کنارہ کشی کرو تاکہ تمہارا دل اللہ تعالیٰ کا

مشاہدہ کرسکے''۔

حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں'' ابدال چار چیزوں سے رتبہ پاتے ہیں۔ پیٹ کو بھوکا رکھنا، جاگنا، سکوت، اور عزلت''۔ غرضیکہ:

1- بھوک سے روشنی قلب کا ہونا ظاہر ہے اور بیداری سے یہ فائدہ ہے کہ جلاء اور صفاء قلب حاصل ہوتی ہے اور جس قدر بھوک سے نور حاصل ہوا تھا اس پر یہ نور زیادہ ہوجاتا ہے اور دل مثل ستارہ یا آئینہ کے چمکنے لگتا ہے اور اس میں جمال حق ظاہر ہوجاتا ہے اور درجات بلند آخرت کے اور دنیا کی حقارت اور اس کی آفتیں نظر آنے لگتی ہیں تو اس صورت میں آدمی کا دل اس کی طرف سے ہٹ جاتا ہے اور آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوجاتا ہے۔

2- نیند دل کو سخت اور مردہ کردیتی ہے لیکن بقدر ضرورت نیند مکاشفہ اور اسرار غیبی کا سبب بنتی ہے۔

3- سکوت سے عقل کو قوت ملتی ہے اور باعث تقویٰ ہے۔

4- خلوت کا فائدہ یہ ہے کہ آنکھیں اور کان جو قلب کے دروازے ہیں رکے رہیں اور شغل دور ہوجائیں کیونکہ دل بمنزلہ ایک حوض ہے، جس میں حواس کی نہروں سے گندہ پانی اور خس و خاشاک گرتا ہے اور ریاضت سے یہ منظور ہے کہ یہ حوض اس خراب پانی سے خالی ہوجائے اور کیچڑ اس کی تہہ میں سے نکل جائے۔ تا کہ اس کو کھودتے کھودتے اصل پانی تک پہنچادیں اور پھر صاف پانی نکل آئے۔ پس یہ ممکن نہیں ہے کہ نہروں میں سے پانی کو نہ روکیں اور حوض خالی ہوجائے۔ بلکہ جتنا خالی کروگے اس سے زیادہ اوپر چلا آئے گا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ حواس کو ضرورت کے مطابق ضبط کیا جائے۔ اس کے لیے مجاہدہ بہت چاہیے۔

چنانچہ حضرت شبلیؒ نے اپنے مرید حضریؒ سے فرمایا تھا کہ'' **جس جمعہ کو تم میرے پاس آئے ہو اگر اس سے لے کر دوسرے جمعہ تک تمہارے دل میں سوائے اللہ کے کوئی اور چیز گزری تو تم کو میرے پاس آنا حرام ہے''۔**

حضرت جنید بغدادیؒ نے مرید کے لیے آٹھ شرائط تجویز کی ہیں۔

(i) دوام وضو اور عبادت　(ii) دوام صوم　(iii) دوام سکوت　(iv) دوام خلوت

(v) دوام ذکر　(vi) دوام خواطر　(vii) دوام قلب ربط شیخ　(viii) دوام ترکِ اعتراض الی اللہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کی طرف وحی بھیجی کہ'' میرے بارے میں اس عالم سے سوال مت کرنا جس کو دُنیا کی محبت نے بدمست کر رکھا ہو وہ تجھ کو میری محبت سے الگ کر دے گا۔ ایسے لوگ میرے بندوں کے راہزن ہیں۔ پس جو دل دنیا کی محبت اور کثرت طمع کے باعث چوپٹ اندھیرے میں ہیں وہ خدا تعالیٰ کے نور سے محجوب ہیں۔ اس لیے کہ دلوں کے نور کا چشمہ ربوبیت ہے۔ پس جو شخص کہ اس سے منہ پھیر لے گا اس کو نور کس طرح حاصل ہوگا؟ اور جو شخص کہ شہوات دنیا سے عشق پیدا کرے گا اس کو وہ تجلی کب ملے گی؟۔ اس لیے مرید کی ہمت اول اسی طرف ہونی چاہیے کہ خود علم سیکھے اور عالم ایسا تلاش کرے جو دنیا سے رُوگرداں یا اس کی کم رغبت رکھنے والا ہو۔

تمام انبیاء کرام علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں مبتلا کیا ہے- مرید کو ان کی زندگیوں میں صبر و استقامت، ہمت، بہادری، عاجزی اور تقوی کا جو معیار ہے اسے اپنانا چاہیے- مرید کو اس معیار کو اپنانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے- اپنے انبیاء کو اپنی زندگیوں کا معیار بنانے والے ہی کامیابی کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں- لیکن یہ بات مرشد کے علاوہ کوئی سمجھا نہیں سکتا کہ تزکیہ نفس کے بغیر یہ حقیقت ظاہر نہیں ہوگی- دل کو پاک نہیں کریں گے تو حقیقت کیسے ظاہر ہوگی-

رشتے برداشت اور احترام سے زندہ رہتے ہیں- طبیعتوں کا اختلاف ایک الگ چیز ہے- البتہ احترام انسان کے اختیار میں ہے- آج کے اس نفسہ نفسی کی دور میں چاہے ہمیں کچھ بھی نہ آتا ہو لیکن حسن اخلاق اور احترام کرنا ضرور آنا چاہیے کیونکہ یہ اخلاق اور احترام ہی تو ہوتا ہے جو شدید غصہ اور غم میں زبان اور ہاتھ پر قابو رکھنا سکھاتا ہے--- یہ اخلاق اور احترام ہی تو ہوتا ہے جو ہمارے لبوں کو سی لینا سکھاتا ہے اور ہم خاموش ہوجاتے ہیں--- یہ اخلاق اور احترام ہی تو ہوتا ہے جو ہمیں معتبر بناتا ہے- یہ تمام باتیں ہمیں مرشد کی صحبت سے نصیب ہوتی ہیں-

علم انسان کو طاقت دیتا ہے لیکن اخلاق انسان کو اچھا کردار اور احترام سکھاتا ہے- الفاظ چابیوں کی مانند ہوتے ہیں- انکا درست استعمال کر کے لوگوں کے منہ بند اور دل کھولے جاسکتے ہیں- مرشد کی پیروی کرنے ہی میں فلاح ہے- کیونکہ یہ زندگی آزمائیشوں کا سمندر ہے- ہر شخص کو کسی نہ کسی طرح آزمایا جاتا ہے- کہیں کسی کو کچھ دے کر اور کہیں کسی سے کچھ لے کر--- کہیں شکر کرنا ہے اور کہیں صبر--- آزمائش انسان کی زندگی میں انسان کے درجات میں تبدیلی کا باعث بنتی ہے- اس لئے صبر اور شکر کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرسکتا ہے اور یہ تمام چیزیں مرشد کی صحبت اچھی طرح واضح کردیتی ہیں-

****

آداب شیخ (بےادب بےمراد)

تمام صوفیاءکرام اس بات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ جب تک مرید کے دل میں اپنے شیخ کے لیے مناسب ادب کے جذبات موجود نہ ہوں۔اس وقت تک عبادات اور مجاہدے اپنا پورا اثر نہیں دکھاتے۔مولانا رومؒ نے مثنوی میں ادب پر بہت طویل کلام لکھا ہے اور فرماتے ہیں۔ ''بےادب اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے''۔آپ نے یہ بھی لکھا کہ ''بےادب نہ صرف اپنی روحانی دنیا کو خراب کرتا ہے بلکہ پورے عالم میں فساد کی آگ لگا دیتا ہے''

ابوالقاسم قیشریؒ فرماتے ہیں کہ عبادت سے آدمی جنت تک پہنچ جاتا ہے۔مگر اطاعت الٰہی میں ادب بجالانے سے اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص بادشاہ کی محفل میں بےادب بیٹھے گا تو اس کی جہالت اسے قتل کروادے گی۔ابن معاذؒ فرماتے ہیں کہ سمجھ لو بےادب عنقریب ہلاک ہوجائے گا۔جو لوگ ہلاکت میں گرفتار ہیں۔ادب کے مارے ہوئے ہیں۔زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلے میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنا زیادہ ضروری ہے۔خدمت کے دائرے میں رہ کہ ادب خدمت سے بھی بالاتر ہے بلکہ صوفیا کے نزدیک عبادت سے بھی بالاتر ہے کیونکہ عبادت رد ہوسکتی ہے مگر خدمت اور ادب ضائع نہیں ہوتے۔

1۔ ادب پر مشائخ کبار کی چند مثالیں:

حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے وصیت فرمائی کہ ان کی قبر حضرت بایزید بسطامیؒ کی قبر سے تیس فٹ گہری کھودی جائے تاکہ بایزید کی قبر سے اونچی نہ رہے۔

2۔ ادب سے دین ملتا ہے اور مراد بھی:

صوفیائے کرام کا قول ہے کہ ''طریقت میں جو گستاخی کرے وہ ہمیشہ کے لیے راندہ طریقت اور نامراد رہتا ہے''۔حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اولیاء کرامؒ کے غضب سے بچائے کیونکہ اولیائے کرام جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل قدرت رکھتے ہیں اسی طرح نسبت سلب کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتے ہیں اور ایک ہی بےالتفاتی میں صاحب نسبت کو مفلس کردیتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ یہ بات سچ ہے کہ جو دے سکتے ہیں وہ لے بھی سکتے ہیں''۔ مشائخ سے بےادبی کرنے والوں کو کسی جگہ سے بھی فیض نہیں مل سکتا۔اگر کوئی اپنے شیخ سے کسی چیز کے متعلق دل میں شبہ رکھتا ہو تو اسے خود اپنی کوتاہی کی طرف منسوب کرے اور اگر اپنے شیخ کو قصوروار تصور کرے تو وہ بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ '' اپنے شیخ کے متعلق دل میں برا خیال پیدا کرنا زہر قاتل کی طرح ہے جو اس کی روحانی دنیا کو برباد کرسکتا ہے''۔

3۔ پیر کی مجلس کے آداب:

پیر کی موجودگی میں اسے چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کی طرف متوجہ نہ ہو۔شیخ کی طرف اپنی پشت نہ کرے اور اس کی قیام گاہ کی طرف پاؤں نہ کرے۔عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ شیخ کی مجلس میں گھٹنے کھڑے کرکے بیٹھتے ہیں۔دیوار کے ساتھ ٹیک لگالیتے ہیں ، بلند آواز سے کلام کرتے ہیں اور کسی دوسرے سے مزاح شروع کردیتے ہیں۔یاد رکھیں کہ ایسا مرید فائز المراد کبھی نہیں ہوسکتا۔ایسا بےادب شخص جس مجلس میں بھی چلا جائے تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ اس کے پیر نے اس کو مجلس کے آداب نہیں سکھائے۔شیخ کے پاس بیٹھ کر تسبیح کرنا ، وظیفہ پڑھنا ، حتیٰ کہ درود شریف پڑھنا کوئی کتاب یا اخبار پڑھنا انتہائی بےادبی کی دلیل ہے۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں '' پیر کے سایہ میں بیٹھنا ذکر حق سے بہتر ہے''۔پیر کی مجلس میں بیٹھ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنا ہی سب سے بڑی نفلی عبادت ہے۔شیخ کے سامنے نوافل کا پڑھنا بھی سوئے ادب (بےادبی) میں شامل ہے۔اپنے شیخ کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے پیر یا عالم کو بڑا خیال نہ کرے۔ ''

4۔ پیر کی آزمائش نہ کرو:

عام مسلمانوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے کاموں کا مدار بہت سارے عوامل پر ہوتا ہے کچھ کام بہت آسانی سے ہوجاتے ہیں۔کچھ کام بہت مشکل اور محنت کے بعد ہوتے ہیں۔کچھ کام ایسے ہیں جو مبرم تقدیر کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا بدلنا عموماً ممکن نہیں ہوتا۔کچھ کام ایسے ہیں جو نبیوں کے لیے بھی آزمائش کی خاطر مرہون وقت ہوتے ہیں اور وقت سے پہلے ان کا ہونا منظور خدا نہیں ہوتا۔کچھ کام ایسے بھی ہیں جن کے نہ ہونے میں انسان کی بہتری ہوتی ہے۔کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کی

رضا کے مطابق نہیں ہوتے۔ انبیاء کرام کو بھی بہت تکالیف پہنچیں بلکہ حضور خاتم النبیین ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھ پر جس قدر مصائب نازل کئے گئے کسی نبی پر بھی نازل نہیں ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ شدائد اور مشکلات صرف اللہ کے پیاروں پر ہی نازل کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مشکلات کے دفع ہونے یا نہ ہونے سے کسی بزرگ یا نبی کے رتبے کا تعین نہیں کرنا چاہیے۔

5۔ وہ لوگ جو طریقت میں ناکام رہتے ہیں:

کچھ مرید ایسے ہوتے ہیں جو بیعت ہونے کے بعد نہ تو اپنے شیخ سے رابطہ رکھتے ہیں اور نہ ہی بیعت کے آداب بجالاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نماز کی ادائیگی سے بھی محروم رہتے ہیں اور وظائف کا قطعاً اہتمام نہیں کرتے۔ ایسے مرید کچھ حاصل نہیں کر پاتے۔ طریقت کے آداب میں سے یہ ہے کہ اگر مرید اپنے شیخ سے دور کسی مقام پر رہتا ہے تو بھی اسے سال میں کم از کم چار بار ملاقات کرنا ضروری ہے۔ اپنے مرشد سے عقیدت کا ہونا طریقت کی اولین ضرورت میں سے ہے۔ اگر پیر کے ساتھ طریقت کے معیار کے مطابق عقیدت درست ہے تو مرید اپنی منہ مانگی مرادیں بھی پوری کر سکتا ہے۔ عقیدت ایک بلینک چیک (خالی چیک) ہے جس پر مرید جو چاہے لکھ سکتا ہے۔ مثل مشہور ہے۔ پیر کامل یا یقین کامل۔ اہل عقیدت کو ہی یقین حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ پر بھی توکل کامل ہو تو کبھی پیر کے وسیلے کے بغیر بھی کچھ مل جاتا ہے مگر توکل کی دولت شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ اگر پیر کامل نہ بھی ہو تو مرید اپنے اعتقاد کے باعث اپنی مرادیں حاصل کر لیتا ہے لیکن اگر پیر کامل بھی ہو تو سبحان اللہ۔ یہ بات اکثر دیکھنے میں آتی ہے کہ پیر اگر کامل ہو تو اس کے بعض مرید بہت اچھی حالت میں نظر آتے ہیں اور بہت سے مریدوں کی حالت عقیدت میں ناتسلی بخش ہوتی ہے۔ یہ اس کا ثبوت ہے کہ عقیدت سے محروم لوگ پیروں کے فیض سے بھی محروم رہتے ہیں۔ کچھ مرید اپنے پیروں میں عیب تلاش کرتے رہتے ہیں اور ان کی جانب سے اپنے دل کو صاف نہیں رکھتے اگر ایسا ہو تو کچھ حاصل نہیں ہوتا کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ سب سے اچھا مرید دل کی کیفیت بدلنے سے سب سے آخری نمبر پر آ گیا بڑے اونچے مرتبے والے مرید کبھی عقیدت میں کمی کے باعث دھڑام سے سفلی حالت میں بھی گر جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مرید کا اگر کوئی کام پورا نہ ہو تو اس کے دل میں پیر کے متعلق شکوک کا اظہار اسکو لے ڈوبتا ہے۔

یاد رکھیں جس کے دل میں اپنے پیر کے متعلق ذرا سی میل آ جائے تو مرید کا معاملہ دگرگوں ہو جاتا ہے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ شیخ کی ایک بے التفاتی مرید کو اچھے خاصے مقام سے گرا دیتی ہے۔ اگر کوئی شیخ کے متعلق ایسا ویسا خیال بھی دل میں لائے تو وہ پیر کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اپنے شیخ سے محبت کی انتہا کر دینے سے شیخ اپنے مرید کو بلند درجوں پر فائز کر دیتا ہے۔

6۔ مرید خود کو پیر سے بہتر نہ سمجھے:

کچھ مرید رزق میں ترقی یا کامیابی نہ ملنے پر اپنے شیخ سے تو کیا اللہ تعالیٰ سے بھی خفا ہو جاتے ہیں اور نماز ، روزہ بھی ترک کر دیتے ہیں ان کا یہ عمل اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے ذکر اذکار اور عبادت کو صرف کسی کام کے لیے اختیار کر رکھا تھا۔ اور جب کام نہ ہوا تو سب کچھ بند کر دیا۔ یاد رہے کہ بیعت ، عبادات اور وظائف کا ادا کرنا خالص خدا کی نیت سے ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اللہ کے ہاں اس کا کوئی اجر نہیں ملتا۔ یاد رکھو کسی کو کچھ ملے یا نہ ملے دنیاوی کام درست ہوں یا نہ ہوں ، اللہ تعالیٰ کے ساتھ مرید کا معاملہ متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ عمل کی نیت خدا کے لیے ہونا ضروری ہے کسی مقام کو عبادت کا مقصود نہ بنایا جائے۔ بلکہ اصل مقصود خدا تعالیٰ کو رکھنا چاہیے۔ ورنہ خاردار جھاڑی پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ ایسے ناقص مریدوں کو بیعت کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

مرید کی کامیابی کے لیے دس نکات :

خلاصے کے طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر کوئی مرید اپنی بیعت سے استفادہ کرنا چاہتا ہے تو درج ذیل باتوں کی ضمانت فراہم کرے تاکہ وہ کامیاب ہو سکے۔

1۔ پیر کے ہر حکم کو دل و جان سے تسلیم کرے۔ شکوک اور بحث مباحثہ میں نہ الجھے۔ اعتراض اِس بات کی دلیل ہے کہ معترض محبت سے بھاگنا چاہتا ہے۔

2۔ اتباع شریعت کا جس طرح حکم دیا جائے کرے ، اگر مرید پابندی صوم وصلوٰۃ نہیں کرتا تو وہ راہ طریقت میں صفر ہے۔

3۔ خود کو شیخ سے افضل نہ تصور کرے (تقریباً 80% سے زیادہ مرید ایسا سمجھتے ہیں)('' خوش گمائی اِس بات کی دلیل ہے کہ خوش گمان محبت کا اشتعال چاہتا ہے۔

4۔ بیعت کا مقصد وصال الٰہی ہونا چاہیے۔ دنیاوی کام اگرچہ مرشد کی نگاہوں کے فیض سے ہو جاتے ہیں مگر کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے پر مرشد کے ساتھ اچھے تعلقات کی بنیاد نہ رکھے۔

5۔ دل و جان سے شیخ کی محبت کو اپنائے اور اس کی خدمت کو سعادت دارین تصور کریں۔

6۔ راہ سلوک میں محنت ومشقت سے کام لے تا کہ وہ پیر کی نظروں میں آجائے اور اس کے معاملات درست ہوجائیں۔اگر پیر خوش ہوجائے توسمجھ لے کہ خدا خوش ہو گیا۔

7۔ راہ طریقت کے معاملات اور تصانیف کا مطالعہ کرتا رہے تا کہ وہ اس جہانِ طریقت کی وسعتوں سے آگاہ ہو سکے۔

8۔ اگر تبلیغی کاموں میں پیر کے ساتھ شریک ہوجائے تو مرید کے بڑے سے بڑے مرحلے آسانی سے طے ہوجائیں گے مگر یہ شمولیت اپنے کاموں کی نیت سے نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کے لیے مسلمانوں کی اصلاح وقت کی ضرورت ہے۔

9۔ مرید خود کو جتنا زیادہ پیر کا عاشق سمجھے گا فائدہ اسی قدر زیادہ ہوگا اور اگر دور رہے گا تو دوری کے مطابق محروم رہے گا۔

10۔ مراقبہ اور حضور قلب کی اس قدر مشق کرے کہ مقام شہود پر فائز ہوجائے۔

دوسری بیعت کب ضروری ہوتی ہے:

ایک ہی مرشد سے تعلقات کو استوار رکھنا بہتر ہے۔دوسرے شخص کا خیال بھی دل میں نہیں آنا چاہیے لیکن کچھ صورتیں ایسی ہیں جن میں بیعت ثانی کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

1۔ جب معلوم ہوجائے کہ اس کا شیخ شریعت کا پابند نہیں یا وہ صریحاً حرام کاموں کا ارتکاب کرتا ہے۔یا اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ اس کا شیخ واقعی اس کی راہنمائی نہیں کرسکتا تو دوسری بیعت جائز ہے۔لیکن جو شخص کامل مکمل شیخ کو چھوڑ کر کسی اور سے بیعت حاصل کرلے تو ایسے مرید کو کسی جگہ سے فیض حاصل نہیں ہوسکتا۔حتیٰ کہ اگر جبرائیل علیہ السلام کی صحبت میں بھی چلا جائے تو بھی محروم رہے گا کیونکہ اس نے ایک مکمل شیخ کو خواہ مخواہ ٹھکرا دیا ہے ایسے شخص کی یہی سزا ہوتی ہے۔

2۔ اگر کسی کا شیخ انتقال کر جائے اور سجادہ نشین اس کی پرورش کرنے کے قابل نہ ہو تو دوسری بیعت جائز ہے۔

حسن عقیدت ، حسن اَدب اور حُسن محبت یہ انسانیت کے تین جوہر ہیں جو راہ طریقت کے لیے بہت ضروری ہیں۔

طالب کو اپنے شیخ سے کچھ چھپانا نہیں چاہیے۔بلکہ ہر بات سچ سچ بیان کرنی چاہیے۔اگر اپنے شیخ کے ساتھ کسی نے غلط بیانی سے کام لیا تو عمر بھر اُلجھا رہے گا۔جس دن اندر سے سیدھا ہو گیا۔اُس دن ساری مشکلات حل ہوجائیں گی۔کچھ طالب ہاتھ بھی چومتے ہیں اور باہر جا کر غیبت بھی کرتے ہیں۔کام کیسے بنے؟

مرشد کی محفل میں تین باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے:۔

1۔ اُس کی کسی بات پر " نہ " کبھی نہ کہو۔

2۔ اُس کی ظاہری حالت پر نہیں اُس کے قلب پر نظر رکھو۔

3۔ اُس کے کلام کے وقت اُس کو نہ ٹوکو۔اگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو بعد میں پوچھ لو۔

مرشد کی محبت:

لازمی نہیں ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے کہ مرشد سے محبت کس چیز کا نام ہے۔یہ محبت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔مرشد کی محبت اس خوشبو کا نام ہے جو بے ادب محسوس بھی نہیں کرسکتا جبکہ باادب اور عاجز کا تن، من اور دھن اس سے محظوظ ہوجاتا ہے۔جس طرح پانی سے غسل کے بعد انسان ظاہری گندگی سے پاک ہوجاتا ہے ویسے ہی مرشد کی نظر روح کی صفائی کر دیتی ہے۔جس انسان پہ مرشد کی محبت بھری نگاہ پڑ جائے اس کا دل خزاں میں بھی خوشبودار پھولوں کی طرح مہکتا ہے۔مگر یاد رکھنا مرشد کی محبت سب کے نصیب میں نہیں ہوتی۔مرشد صرف اس کو عطا کرتے ہیں جس میں طلب ہو۔اور طلب صرف اسی انسان میں ہوتی ہے جس میں چار چیزیں ہوں عاجزی، انکساری، ادب اور عقیدت۔ان کے بغیر منزل نہیں ملتی۔نگاہ نیچے رکھنے والا ہی منزل پاتا ہے۔بلندی پہ دیکھنے والے اکثر منہ کے بل زمین پر گر جاتے ہیں۔نگاہ نیچی رکھنے والوں کی نظر مرشد کے قدموں پر ہوتی ہے اور جو مرشد کے قدموں کا طواف کرے خدا ان کے نصیب بلند فرما دیتا ہے۔اس کی بینائی کبھی کم نہیں ہوسکتی جو مرشد کے جوتوں کی خاک کا سرمہ بنا کر آنکھوں میں ڈالے۔حقیقی مرید وہ ہے جس کی زندگی کا مقصد مرشد کا دیدار ہو۔مختصراً اتنا کہ جو مرشد کے قدموں کی عظمت کو پہچان لے وہ دنیا کی بادشاہی بھی ٹھکرا دے۔

مرشد کی محبت عاجزی اور انکساری سے حاصل ہوتی ہے۔جو خود بڑا بنتا ہے۔اُسے دوسروں کے عیب نظر آتے ہیں۔متلاشی (تلاش کرنے والا) کو عیب نظر نہیں آتے۔

****

مراۃ المحققین

1۔ اول سفر در وطن

اس سے مراد سیر نفسی ہے جس کو جذب کہتے ہیں اور سیر آفاقی کہ جس سے مراد سلوک ہے۔ دراصل سیر نفسی کا مطلب مطلوب کو اپنے دل سے ڈھونڈنا ہے اور سیر آفاقی کا مطلب مطلوب کو باہر سے ڈھونڈنا ہے۔

2۔ خلوت در انجمن (دنیا میں رہ پر دنیا میں نہ رہنا)

یہ ہے کہ مجلس میں تفرقہ کا اندیشہ ہوتا ہے اس مقام کا رہنے والا خواہ کسی قدر عام مجلس میں بیٹھا ہو مگر اس کے اندرونی خیال پر کچھ اثر نہ پڑے کسی کا قول ہے " بظاہر درمیان بازار کے ہو، اور اندر سے یار کے ساتھ ہو۔۔۔اس مقام کی ابتداء مشکل ہوتی ہے لیکن انتہا پر پہنچ کر آسان ہو جاتی ہے۔

3۔ سوم نظر بر قدم

اس سے یہ مطلب ہے کہ راستہ چلتے وقت اپنے قدم پر نظر رکھے۔ خواہ اس جہان کا راستہ سمجھو کیونکہ ابتدائی حالات میں دل نظر کے تابع ہوتا ہے اور نظر کی پریشانی دل پر اثر ڈالتی ہے۔ یا راہ حقیقی سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض کو بصیرتِ دل کے ساتھ راہ طریق کے مقامات کی سیر کراتے ہیں۔ جب یہ سیر شروع ہوتی ہے تو اس وقت انوار رنگا رنگ اور بے شمار راہزن جن سے نفس لذت محسوس کرتا ہے سالک کے واسطے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو سالک کو مقصود حقیقی سے باز رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ خدا کی قسم میں نے روح کے نور کی تیس سال تک پرستش کی ہے۔ جب اس قسم کی رکاوٹیں سدِ راہ ہو جائیں تو اسے چاہیے کہ قدموں پر نظر رکھے یعنی دل کو مضبوط کر کے دل کی بصیرت کو مطلوب حقیقی سے دور نہ رکھے اور اپنے مقصد کے بغیر ادھر ادھر دیکھنے میں مبتلا نہ ہوتا کہ اپنے مطلوب کو پہنچے۔

4۔ چہارم ہوش در دم

اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنے نفس اور سانس کا ہمیشہ محافظ رہے تا کہ غافل نہ ہو۔ اس شغل کا نام پاس انفاس ہے۔

5۔ پنجم یاد کرو

اس کا مطلب ہے کہ جب تک سالک کو ذکر کا ملکہ حاصل نہ ہو تو کسب اور تکلف سے اپنے آپ کو ذکر میں مشغول رکھے۔

6۔ ششم یادداشت

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ذکر کرنیوالا کسب سے نکل جائے اور مرتبہ حضوری میں پہنچے تو مراتب یادداشت کو پالیتا ہے۔

7۔ ہفتم وقوف قلبی

اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکر کرنے والا ہمیشہ دل کا محافظ رہے تا کہ اس میں پراگندہ خیال پیدا نہ ہو۔

8۔ ہشتم وقوف عددی

اس سے مراد ہے کہ نفی اور اثبات کے ذکر کرتا رہے اور ہر سانس میں طاق خیال رکھے مثلاً 7,5,3

9۔ نہم بازگشت

اس سے مراد ہے کہ نفی اثبات کے ذکر کے بعد زبان دل سے یہ کہے، الٰھی اَنْتَ مقصودْ ورِضاکَ مطلوُبِی

10۔ دہم ربط

فنافی الشیخ کو پیران طریقت یک دم خدا کی ذات میں گم کر دیتے ہیں اور ماسوائے اللہ جل شانہ کے نقوش ان کے دل کی تختی سے دھوڈالتے ہیں اور ذات احدیت میں ان کو غرق کر دیتے ہیں۔

11۔ یازدہم وقوف زمانی

اس کو محاسبہ بھی کہتے ہیں۔ سالک کو چاہیے کہ رات کو سونے سے پہلے گزرے ہوئے دن کی بابت اپنے نفس سے حساب لے کہ کتنا وقت عبادت اور حضوری میں گزرا اور کتنا غفلت میں اور جتنا وقت حضوری میں گزرا اِس کا شکر بجالائے اور اس کی توفیق خداوند کریم کی طرف سے سمجھے اور غفلت کے اوقات سے توبہ کرے اور اپنے نفس کو تنبیہ کرے کہ یہ تیری ہی غفلت کی شامت ہے۔ دوسرا یہ کہ طلب حق کو لازم ہے کہ ان تمام امور مذکورہ بالا پر عمل کرے تا کہ اصل مقصود پر پہنچ جائے اور (مرنے سے پہلے مرجاؤ) کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے۔ (اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے سورۃ البقرہ آیت نمبر 62,112,262) کے گروہ میں داخل ہو جائے۔

جاننا چاہیے کہ پہلا درجہ خلقت سے علیحدگی ہے اور دوسرا اپنی خواہشات کو چھوڑنا اور تیسرا اپنے ارادے کو چھوڑنا۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ سالک کے تمام ارادے اور اس کی تمام حاجتیں اور مقصود صرف اللہ کی ذات ہی ہو اور اس کی رضامندی کا ہمیشہ خواہش مند ہو۔ اپنا کوئی ارادہ اور خواہش دل میں نہ رکھے صرف اللہ کی ذات پر آسرا کرے۔ یہ تمام حالات اپنے پیر کی پہلی صحبت میں ہی بعض کو حاصل ہو جاتے ہیں اور بعضوں کو آخیر میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس لیے مبتدی اور منتہی میں فرق معلوم نہیں ہوتا۔

اس لیے فنائے جذبی (مبتدی) اور فنائے حقیقی (منتہی) کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے تا کہ حق کے راستے پر چلنے والے دھوکے میں نہ پڑ جائیں اور نقص کو کمال نہ سمجھ بیٹھیں۔

فنائے جذبی اور فنائے حقیقی میں فرق یہ ہے کہ

1- فنائے جذبی:

بعض مبتدیوں کو جب پیران کامل (مکمل) کی توجہ سے یہ جذب حاصل ہوتا ہے تو ابتدائی حال میں ان کو جذب ، مستی ، خلقت سے دور رہنا اور افعال اور صفات سے فانی ہو جانا اور خواہشات لاحاصل سے بچنا حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ فنائے جذبی قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ جب تک وہ عالم مستی میں رہتے ہیں تو ان کا یہ حال رہتا ہے مگر جب ہوش میں آجاتے ہیں تو پہلی اصلی حالت میں لوٹ آتے ہیں اس لیے قابل اعتبار وہ حال ہے کہ جذبی حالت ہو نہ ہو وہ ایک ہی حالت پر رہیں۔ جب تک یہ صورت حاصل نہیں تب تک فنا جذبی ہے جس میں عود کا اندیشہ ہے۔ (عود سے مراد دنیا کی محبت اور اس کی اشیاء کی طرف لوٹ آنا ہے)۔ جاننا چاہیے کہ جذب کے بھی دو معنی ہے۔

ایک سیر نفسی ہے جو مقابل سلوک کے ہوتا ہے اور سالک کی ابتدائی سیر لطیفہ قلب سے شروع ہوتی ہے اور سیر آفاقی سے یہ مراد ہے کہ ہر چیز سے اللہ جل شانہ کی ذات کا مشاہدہ اور طلب کرنا اور سلوک سے وہ راستہ مراد ہے جو اس ضمن میں طے ہوتا ہے۔ بعض سالکوں کو ابتدائے حال ہی میں اس قسم کی عنایات بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہو جاتی ہیں جس سے مراد کشش محبت حق ہے اور یہ جذب ان بزرگان عالیہ ہی سے حاصل ہوتا ہے اور ایسے جذبات کے حاصل کرنے کے واسطے پیر طریقت کی صحبت شرط ہے۔ جب تک صحبت میں ہوگا اس کو کیا حاصل ہوگا اور صحبت چھوڑنے سے فنائے حقیقی سے پہلے عود (لوٹ جانا) کا خوف ہے اللہ پناہ دے۔

2- فنائے حقیقی:

دوسری قسم کا جذب جس سے عشق اور ذوق الٰہی مراد ہے جو کہ شیخ کی پہلی نظر ہی طالب کو اس نعمت کا سزاوار بنا دیتی ہے اور ایسی نعمت کا باعث تجلی ذاتی ہے۔ جو اللہ کے فضل سے طالب کے دل پر چمک پڑتی ہے اور اس کو اپنے آپ سے بے خبر کر دیتی ہے۔ اس نعمت کے حاصل ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس شخص کا پیر جذب کافی رکھتا ہو اور ان مقامات سے گزر چکا ہو اور جذب ثانی (فنائے حقیقی) اس کو حاصل ہو۔ اللہ کی مخلوق کی ہدایت جذب ثانی پر موقوف اور مشروط ہے کیونکہ جب پیر آپ اس درجہ پر دسترس نہ رکھتا ہو تو مرید کو ارشاد نہیں کر سکتا۔ اس لیے پہلے جذبے کا ہونا دوسرے جذبے کے واسطے ضروری ہے اور جس کا سلوک اول درجے کے ساتھ تمام ہوا۔ امید ہے کہ اللہ کے فضل سے دوسرا درجہ بھی اس کو حاصل ہو جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ خواہ مخواہ جذب ثانی پر پہنچ جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو عنایت کر دیتے ہیں۔ ورنہ خیر۔۔۔

مگر یہ امر ضروری ہے کہ پہلا جذب بھی اس کو ناتمام نہیں رہنے دیتا۔ جب کسی شخص کو اس قسم کی سعادت حاصل ہو جائے تو پیر کی پہلی صحبت میں اس کو بے شمار جذبات حاصل ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ عشق الٰہی کے دریا میں مستغرق اور محو ہو جاتا ہے۔ اور اس کی تمام مرادیں اور سب مطلب خدا کی ذات ہی ہو جاتے ہیں اور سب ماسوائے سے بیزار اور دست بردار ہو جاتا ہے اور موجودہ اور آئندہ کی لذات سے بالکل بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر اس کو حضرت خضر علیہ السلام کی عمر دی جائے تا ہم اس کو ماسوائے اللہ کی محبت محبوب حقیقی کا حجاب نہیں ہو سکتی۔ جہاں جاتا ہے اسی جذب میں جاتا ہے جو اسکو حاصل ہے اور یہ جذب اس کو ادھر ادھر دیکھنے نہیں دیتا اور اس قسم کا سالک

واپسی اور عود کے اندیشہ سے بالکل بےفکر ہے کیونکہ یہ اذلی عنایت ہوتی ہے اس کا یہ کام ہے کہ جس کو اپنا بنا لیتی پھر بیگانہ نہیں ہونے دیتی۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنا بندہ بنا لیتا ہے اور اپنے خاصوں کے گروہ میں لا کر اپنے سایہ اور اپنی حمایت میں اس کو محفوظ رکھتا ہے۔

پیر کی صحبت مرید کے لیے کیمیا کا اثر رکھتی ہے مرید کا مرشد کی خدمت میں رہنا فرض ہے اور فقر کے مقامات کا طے ہونا ، پیر کی صحبت کے بغیر نہایت مشکل ہے۔ مگر ایسے سالک مجذوب کو ہمیشہ پیر کی صحبت میں رہنا ضروری نہیں اگر بالفرض اس کو جدائی ہو جائے تاہم کسی قسم کا اندیشہ نہیں کیونکہ اس عظیم نعمت کے حاصل کرنے کے لیے شرط ہے کہ طریقت کے پیر اور قطب ارشاد خدا کے بندوں اور پیاروں سے ہوتے ہیں۔ ان کا سلوک نہایت پختہ ہوتا ہے اور مدارج فنا فی اللہ اور باقی باللہ پر کامیاب ہوتے ہیں۔ ان کا فیض عام ہوتا ہے اور ان کا وجود جہان والوں کے لیے قیام کا باعث ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی توجہ لوگوں کے حق میں کبریت احمر اور کیمیا کا اثر رکھتی ہے اگر وہ کسی نیک نصیب پر خدا کے فضل سے توجہ کریں تو فوراً اس طالب کو خودی اور خود پرستی سے پاک کر کے خالص سونا بنا دیتے ہیں اور اس کو محبت حقیقی سے ایسا بھرپور کر دیتے ہیں کہ پھر اس کو کوئی حاجت نہیں رہتی۔ پھر اگر یہ نظر یافتہ آدمی صحبت سے دور ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور ابتدائی توجہ سے انتہا پر پہنچا دینا اس کو کہتے ہیں۔ لیکن اتنا ضروری ہے کہ پیر کی صحبت میں مدارج جلد طے ہو جاتے ہیں اگر دوری واقع ہو جائے تو ذرا دیر سے اس کو تعطل کہتے ہیں مگر واپسی کا اس میں غم نہیں ہوتا۔ پس جو شخص مجاہدہ اور ریاضت اور اپنی محنت سے کچھ حاصل کرتا ہے اس کو واپسی کا غم نہیں ہوتا۔

پس طالبان راہ مولیٰ پر ضروری ہے کہ ہمیشگی ذکر اور ان اوراد و وظائف پر جو اس کے پیران طریقت نے ارشاد فرمائے ہیں ان میں مشغول رہے اور ناغہ نہ کرے اور اپنے تمام کاموں کو اور تمام مخلوقات کو خدا کے سپرد کرے اور یہ جانے کہ جو کام میں کر رہا ہوں یا لوگ کر رہے ہیں وہ خدا ہی کرتا ہے۔ خواہ اس کا دل گواہی نہ دیتا ہو اور جب تک تجلی افعال میں فنا حاصل نہ ہو جائے اور دل سے یقیناً نہ جان لے کہ یہ کام خدا ہی کرتا ہے۔ انسان دل سے گواہی نہیں دیتا لیکن فنا کے بعد خواہ مخواہ گواہی دینی پڑتی ہے کہ یہ سب کام خدا کی طرف سے ہیں اس حالت میں زبانی اقرار کی ضرورت نہیں رہتی۔ پس عقلمندوں کو چاہیے کہ سونے جاگنے ، بیٹھنے ، اٹھنے میں کھانے پینے میں کسب کا خیال رکھیں۔ تاکہ تمام کام اصل کے سپرد ہو جائیں اور اپنے آپ کو پتھر کی طرح بےحرکت سمجھیں۔ پھر حقیقت کا مزہ ملتا ہے۔ جب صدق دل سے سمجھ لیا جائے کہ تمام کام اللہ کی جانب سے ہیں اور اس کا اپنا کوئی دخل نہیں اور اس خیال میں اس کو کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو تو اب اس کو فنا تجلی فعلی حاصل ہو گئی۔

اور بعضوں نے دل کے لطیفہ کے فنا کو فنائے تجلی کہا ہے۔ اور اس لطیفہ کی اصل خدا کی طرف صفت اضافی ہے اس کو تکوین بھی کہتے ہیں۔ اس لطیفے کا کمال یہ ہے کہ اللہ کے افعال میں فانی اور مستغرق اور محو ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں ایمان قائم ہوتا ہے اور بقا کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت سالک اپنے کاموں کو اللہ سے منسوب کرے گا اس حالت کو فنائے قلب اور تجلی فعلی کہتے ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ علم اور جسم کا تعلق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں رہتا۔ یعنی دل ماسوائے اللہ کو بالکل بھول جاتا ہے۔ یہاں تک کے ایک لحظہ بھی غیر اللہ کی طرف مائل نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت جس طرح اشیاء کا علم اُس سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اشیاء کی محبت بھی بستر ا باندھ لیتی ہے اور جب سالک قلب کے فنا میں پہنچتا ہے تو پھر اولیا اللہ کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور ولایت کا ایک درجہ اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ فنائے قلبی جب تک فرش سے عرش تک اور عرش سے تمام عالم تک اور مراتب عشرہ جس سے مراد توبہ ، پرہیز، صبر، شکر ، توکل، رجا ، فقر، زہد، رضا، ہے کی توڑ تاڑ نہ کرے حاصل نہیں ہو سکتا اور اس لطیفے کا رنگ زرد رنگ کا نور ہوتا ہے اور اس نور کی ولایت حضرت آدمؑ کے قدموں پر ہے۔ پس اس شخص کا درگاہ الٰہی میں داخل ہونا لطائف پنجگانہ میں سے اسی لطیفے کے راستے ہے۔ اس حالت میں اس آدمی کو لوگ المشرب کہتے ہیں۔

اس حالت میں آدمی اپنا سننا ، دیکھنا ، قدرت ، خیال ، ارادہ ، علم کو بالکل نفی کر دیتا ہے اور خدا کے حوالے کر دیتا ہے (یعنی سب کام اور صفات اللہ سے منسوب کرتا ہے (جب اس نے اپنے دل سے ان چیزوں کی نفی کر دی اور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اپنے آپ کو پتھر کی طرح بےحس و حرکت جانا اور کوئی شک و شبہ دل میں نہیں رہا تو اس کو صفات کی تجلی میں فنا حاصل ہو گئی اور لطیفہ روح کی فنا جو اسی فنا کے متعلق ہے مہیا ہو گئی۔ دراصل یہی لطیفہ خدائے تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ کا ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذات میں ثابت کرتا ہے اور یہ فعل ایک قدم بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہوتا ہے اور اس لطیفہ کے فنا کی اصل علامت یہ ہے کہ سالک اپنے آپ کو اپنے آپ سے علیحدہ پائے گا بلکہ جناب اقدس اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب کرے گا اس لطیفے کا نور سرخ رنگ کا ہے۔ اس لطیفے کی ولایت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں پر ہے۔ جس شخص کا مشرب ابراہیمی ہے وہ اس لطیفے کی راہ سے داخل ہو گا اور قلب کے مراتب قطع کرنے کے بعد پنجگانہ ولایت سے دوسری ولایت کا درجہ مل جاتا ہے اور سِر کا لطیفہ جس کا اصل ذاتیہ انوار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت نزدیک ہیں اور اس لطیفہ کی فنا ذاتیہ تجلی کے انوار میں سے ہوتی ہے اس لطیفے کا رنگ سفید ہوتا ہے اس لطیفے کی ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام قدموں پر ہے اس لطیفے کا مالک ولایت کے تیسرے درجے پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک لطیفہ خفی ہے اور اصلُ الاصل اس لطیفہ کا حق تعالیٰ کے صفات سلبیہ ہیں۔ اس کا درجہ ذاتیہ انوار سے زیادہ ہے اور اس فنا کا حصول بھی ایمانی صفتوں سے ہے اور اس لطیفہ کا نور سیاہ ہوتا ہے۔ اس کی ولایت حضرت عیسیٰؑ کے قدموں پر ہے اس لطیفہ کے مالک کو درجہ چہارم کی ولایت مراتب پنجگانہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد لطیفہ اخفی ہے اور یہ پانچواں لطیفہ ہے اور یہ نفی کلی اور احدیت مجرد کا برزخ ہے اور اس لطیفے کی فنا اس مقدس مرتبہ کی فنا سے ملی ہوئی ہے اور اس لطیفے کا نور سبز ہے اور اس لطیفے کی ولایت حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے قدموں پر ہے۔ اس لطیفہ کا مالک

ولایت کے پانچویں درجہ کا مالک ہوتا ہے۔اس مقام کے صاحب کومحمدی مشرب کہتے ہیں۔ یہ شخص فنافی اللہ کے مقام سے صاحب دولت اور تمام کمالات کا جامع ہوتا ہے۔

****

روحانی دنیا کے کمالات

(جوصرف طریقت سے ہی ملتے ہیں)

تصوف کی دنیا کو روحانی دنیا بھی کہا جاتا ہے کیونکہ تصوف سارے کا سارا روح کے تزکیہ کا نام ہے جس کے اثرات انسانی بدن پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔اگر روح تندرست ہے تو بدن بھی صحتمند ہوگا۔روحانی دنیا ان خاص الخاص لوگوں کا انتخاب کرتی ہے جو اپنے لیے وہ کمالات پیدا کرنے کے خواہشمند ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب اور خلیفہ کیلئے مخصوص فرمائے ہیں۔کمالات حاصل کرنے کا جذبہ نہ تو عام قسم کے انسانوں کے ذہنوں میں آتا ہے اور نہ ہی یہ ان کے بس کی بات ہے لہٰذا ایسے لوگوں کو عام طور پر روحانی طرز حیات سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

روحانی دنیا کے طالبوں یا سالکین راہ طریقت کو ایسے امور کی تعلیم دی جاتی ہے جو عام طور پر دوسرے علماء کے دائرہ علم سے بہت دور کی بات ہوتی ہے اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایک شخص خواہ کتنا ہی عابد اور زاہد کیوں نہ ہو وہ ان روحانی قوت والوں کے کمالات کی نچلی حدود کو بھی نہیں چھو سکتا۔یہی وجہ ہے کہ روحانیت رکھنے والے بزرگوں اور علماء کا نام آج تک زندہ ہے جبکہ بہت سے دوسرے روایتی علماء کا کوئی بھی نام لیوا باقی نہیں۔اگر ہم اپنے اسلاف کیطرف نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ امام غزالیؒ اگر دس سال مسلسل درس وتدریس کا سلسلہ چھوڑ کر روحانی طرز زندگی کے لیے مخصوص نہ کر دیتے تو آج ان کا یہ شہرہ نہ ہوتا۔شاعر تو بہت ہوئے ہیں اگر مولانا رومؒ ، شمس تبریزؒ کی غلامی میں نہ آتے تو انہیں یہ مقام ہرگز نہ ملتا۔علامہ اقبالؒ بہت زبردست اہلیت رکھنے والے شاعر تھے اور اگر وہ گل وبلبل کی شاعری میں الجھ جاتے تو وہ وقار جو انہیں اُن کی زندگی میں ہی مل گیا تھا وہ ہرگز ہرگز نہ ملتا۔اسی طرح سینکڑوں مثالیں اور بھی موجود ہیں مگر جن کو اللہ تعالیٰ سے عقل سلیم ملی ہے وہ ان چند مثالوں سے ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ دوسرے لوگ تو روحانی کمالات حاصل کرنے والوں کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

کمالات جو تصوف کے بغیر ممکن ہی نہیں

بہت سے ایسے کمالات ہیں جو ایک مسلمان کسی صوفی کی راہنمائی کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔قرآن میں حکمت، معرفت ، یقین ، ذکر ،ظاہر، باطن، اسرار، رموز ، روح اور محبتِ کاملین کا بار بار ذکر آیا ہے ، قرآن میں یہ لکھا ہوا کہ اس کے محکمات کا سمجھنا ضروری امر ہے اور متشابہات کو صرف راسخینِ علم کے علاوہ کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ صوفیاء کے قول کے مطابق اہل طریقت ہی راسخینِ علم ہیں۔جو اسرار ورموز کے علاوہ قرآن کے باطنی معنوں کی بھی معرفت رکھتے ہیں۔چنانچہ راہ طریقت پر لوگوں کو چلانے کے لیے ایک ایسے راہبر اور ہادی کی ضرورت ہوتی ہے جو ان تمام معارف سے کماحقہ آشنا ہو اور لوگوں کی راہنمائی کی استطاعت رکھتا ہو۔اہل تصوف ہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی دوستی (ولایت) کے حقدار اور رسم وراہ طریقت سے آشنا ہیں۔انہی لوگوں کو بصیرت ، فراست ،حکمت ،معرفت اور شرح صدر کا علم عطا کیا جاتا ہے۔یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور عوام الناس کے درمیان ایک برزخ کی حیثیت رکھتے ہیں اور فیوضیات الٰہی کے حصول کے بعد ان فیوضیات کو لوگوں کے ظرف کے مطابق تقسیم کرتے ہیں۔یہ کام اولیاء کرام کے بغیر کسی اور کے بس کی بات نہیں۔لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ پورا کام ایک الگ محکمہ کے سپرد کیا گیا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ انہیں باخدا لوگوں کی مجلس اختیار کرنے سے حلاوت اور مٹھاس حاصل ہوتی ہے اور ان کے نورانی حلقوں اور نورانی مجلسوں میں حق تبارک وتعالیٰ کی خالص محبت کے چشمے انسانوں کے لیے جاری کئے جاتے ہیں۔جن کی قدر و قیمت صرف وہی جانتے ہیں ، جنہیں ذکر الٰہی کی توفیق عطا ہو چکی ہے۔احادیث میں وارد ہے کہ اولیا اللہ اور صدیقین کے قلوب پر اللہ تعالیٰ براہ راست نظر رحمت فرماتا ہے اور پھر ان کی طرف جو ان کے قلوب میں ہوتے ہیں (مریدین) اور پھر ان کی طرف جو ان کے قلوب میں ہوتے ہیں گویا قلوب در قلوب نظر پڑتی ہے۔ایسے لوگوں کی صحبت میں رہنے سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ شاید کسی دن ان سے محبت رکھنے کیوجہ سے ہمارے دل پر بھی اس کی نظر ہو جائے۔

1۔ رہبر یا شیخ کی طرف توجہ کرنا ہی ہدایت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے

آیت وسیلہ (سورہ المائدہ ،آیت نمبر 35) میں اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔لیکن کچھ لوگ نیک اعمال کو ہی وسیلہ خیال کرتے ہیں۔اکثر اولیائے کبار اور صوفیائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اگر نیک اعمال وسیلہ ہیں تو وہ شیخ جس کی توجہ شریف سے لوگ نیک اعمال کی طرف رغبت کرنے لگ جاتے ہیں۔بدرجہ اولیٰ وسیلہ ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں اس بات کی تصدیق فرمائی ہے کہ اولیائے کبار ہی سالکین راہ طریقت کو فیض تقسیم کرتے ہیں اور حقیقتاً وہی ہدایت الٰہی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ وہ شیخ جس نے مراد ہونے کی حیثیت سے اس راہ کو طے کیا ہو ، ایسے شیخ کی نظر دلی امراض کو شفا بخشتی ہے وہ اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانے کا خلیفہ ہوتا ہے۔ مرید صحبت کے رابطہ سے دم بدم اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے اور انعکاس کے طور سے اس کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ قطب ارشاد جو کمالات فردیہ (ہر طرح کے کمالات) کا بھی جامع ہوتا ہے بہت عزیز الوجود اور نایاب ہوتا ہے۔ ایسا قطب کئی صدیوں کے بعد گوہر نایاب کی حیثیت میں نظر آتا ہے تاریک عالم ایسے قطب ارشاد کے نور کے ظہور سے نورانی ہو جاتا ہے۔ جس کسی کو رشد و ہدایت و ایمان و معرفت ملنا ہو تو اسی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے وسیلے کے بغیر کوئی شخص اس دولت (ہدایت اور ایمان) کو نہیں پا سکتا ہے۔ یہ ایسا دریا ہے جو ہرگز حرکت نہیں کرتا بلکہ منجمد رہتا ہے اور ایک جگہ سے سب کو فیض دیتا ہے۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس کے ساتھ اخلاص (عقیدت اور محبت) رکھتا ہو تو اس بزرگ سے فیض پاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بزرگ خود طالب کے حال کی طرف متوجہ ہو جائے تو بھی طالب فیض یاب ہو جاتا ہے۔ اس حالت توجہ میں طالب کے دل میں اس بزرگ وقت کی طرف سے ایک روشندان (جھروکہ) کھل جاتا ہے اور اس راہ سے توجہ اور اخلاص کے موافق اس (بزرگ کے) دریا سے سیراب ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا بیان قطب ارشاد سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ کی مراد وہ مجدد ہے جو ہزار یا پانچ سو سال کے بعد آتا ہے۔ اس کا فیض اس کے وصال کرنے کے بعد بھی مرید کو اپنے شیخ کے ذریعہ حاصل ہوتا رہتا ہے آپ کے کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اپنے شیخ کی طرف توجہ سے قطب ارشاد کی طرف سے رشد و ہدایت کا مل جانا ممکن ہوتا ہے۔ اس کو وسیلہ فیض بنانا قرآن کی آیت وسیلہ (سورہ المائدہ ،آیت نمبر 35) وابتغو الیہ وسیلہ کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا جو لوگ ذکر کرتے ہیں اور وسیلہ نہیں ڈھونڈتے وہ مجدد الف ثانیؒ کے قول کے مطابق رشد و ہدایت کے نور سے محروم رہتے ہیں۔

2۔ تصوف میں روح کا علم ہے اور تسکین بھی:

سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 85 میں ہے کہ " تمہیں روح کا علم نہیں دیا گیا مگر بہت قلیل" -صوفیائے کرام کو اس قلیل علم میں سے جو کچھ بتایا گیا ہے اس پر بہت کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس جگہ صرف چند ایک نکات پیش کئے جائیں گے جو ایک عام آدمی کے دل میں مزید علم حاصل کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکیں گے۔ انسان کی روح ایک شعاع ہے جو نہایت لطیف ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتی کیونکہ ایسی شعاعوں کا کرائن (Wave Length) طول بہت کم ہوتا ہے اور یہ انسان کی آنکھ کے بس سے باہر ہے۔ جس طرح X-Rays نظر نہیں آتی۔ یہ شعاعیں ہزاروں مادی رکاوٹوں میں سے بھی گزر جاتی ہیں اس شعاع کو کوئی چیز کاٹ نہیں سکتی۔ روح ہر وقت انسان کے ساتھ رہتی ہے اور سریع اسیر ہے۔ اس کی رفتار روشنی سے بہت تیز ہے اس لیے آن واحد میں جہاں چاہے جب چاہے ، جتنی جگہوں پر چاہے پہنچ سکتی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ "انسان کی روح اعلیٰ علیین سے اپنی قبر پر آن واحد میں پہنچ کر زائرین قبر کیلئے حاضر ہو سکتی ہے" ۔انسان جو علم حاصل کرتا ہے روح کو پہنچتا ہے اور بصیرت باطنی بھی انسان کی روح <u>نیک اعمال ، تقویٰ اور عبادات</u> کی ادائیگی سے مضبوط اور مقوی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض بھی روح کے ذریعے سے انسان تک پہنچتا ہے۔

انسان کا قلب جن باتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ روح بھی متاثر ہوتی ہے ، روح اور جسم کا حساب ایک دوسرے سے الٹ ہے۔ انسان کی روح کا تعلق اس کے قلب کے ساتھ بہ طریق '' ام الدماغ '' ہوتا ہے جبکہ دوسرا سرا عالم ملکوت، جبروت اور لاہوت وغیرہ سے گزرتا ہوا عالم ارواح تک پہنچتا ہے۔ یعنی اس روح کا ایک سرا انسان میں پیوست ہے اور دوسرا سرا عالم ارواح میں موجود رہتا ہے۔ مرنے کے بعد یہ شعاع انسانی جسم سے منقطع ہو جاتی ہے اور روح اپنے مقام محمود کی طرف صعود کرنے لگتی ہے۔ کسی انسان کے مقام محمود کا یقین اس کے اعمال کی بلندی کے مطابق عالم بالا میں تعین ہوتا ہے کسی روح کا مقام محمود عالم ملکوت ، کسی کا عالم جبروت، لاہوت یا عالم '' ہاہوت '' کے کسی ایک طبقے میں مقرر ہوتا ہے جو لوگ زیادہ بزرگ ہیں ان کا مقام محمود بھی بلند تر مقام پر ہوتا ہے۔

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کا مقام محمود اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہے کہ اتنا قرب کسی کے مقام محمود کو حاصل نہیں۔ کچھ لوگوں کا مقام جہنم میں ہوتا ہے۔ روح کا وہ حصہ جو مقام محمود سے نیچے ہوتا ہے اوپر والے حصے سے قضا و قدر کے احکامات وصول کرتا ہے اور اسی روح کے ذریعے سے فیوض ربانی حاصل ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد نیک آدمی کی روح نہایت سرعت کے ساتھ اپنے مقام محمود تک پہنچ جاتی ہے۔ جبکہ گناہ گار لوگوں کی روحیں بہت کثیف ہونے کے باعث اوپر کی طرف صعود نہیں کر سکتیں اور زیادہ کثیف ہونے کے باعث اپنے مقام محمود کی طرف نہیں جا سکتیں۔ چنانچہ ہزاروں سال اس دنیا میں بھٹکتی رہتی ہیں اور اپنی کثافت کی وجہ سے کبھی عام آدمیوں کو نظر بھی آ جاتی ہیں۔ چڑیلیں جو عام لوگوں کو نظر آتی ہیں وہ انہیں بدکار لوگوں کی روحیں ہوتی ہیں۔ <u>جو روحیں اپنے مقام محمود تک پہنچ جاتی ہیں وہ بغیر حساب کتاب کے داخل جنت ہو جاتی ہیں۔</u> جو روحیں اپنے مقام محمود کے قریب پہنچ جائیں ان کا حساب کتاب بہت آسان ہوتا ہے لیکن جو روحیں اپنے مقام محمود سے بہت دور رہ جائیں گی ان کا

حساب کتاب بہت سختی سے لیا جائے گا۔

انسان میں روح حیوانی، روح انسانی اور روح قدس موجود ہوتی ہیں۔

3۔ تصوف کا علم ترقی منازل کا سبب ہے

علم معاملہ (معاملات اسلام) اور علم تصوف سے متعلق ایک مسلمان کو مطلوبہ معیار تک علم سیکھنا واجب ہے۔ لہٰذا بجائے خوش گپیوں اور فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے کے سالک کو ہر روز کچھ نہ کچھ مطالعہ ضرور کرتے رہنا چاہیے۔ جو شخص اس نیت سے علم حاصل کرتا ہو کہ وہ اس سے اسلام کو زندہ کرے گا اور اسی اثناء میں اگر موت آجائے تو قیامت کے دن اس کا درجہ انبیاء کے درجے سے صرف ایک درجہ کم ہوگا۔ مزید براں علم کو اشاعت کی نیت سے حاصل کرتے رہنا چاہیے۔ مرید جب کوئی علم سیکھے تو اس سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتا ہو اور علم کو دوسروں تک پہنچانے کی نیت دل میں رکھے۔

4۔ تصوف میں جذب کا حصول (ذکر قلبی یا ذکر خفی میں جذب ربانی ہے- جذب ربانی میں رب اپنے بندے کو خود اپنی طرف کھینچتا ہے-)

جذب ایک عطا ہے جو ان لوگوں کو ملتی ہے جو اپنے دلوں کو ذکر سے آباد رکھتے ہیں۔ مقام فنا صرف اللہ تعالیٰ کی کشش اور جذب سے حاصل ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ بھی جذب کے ذریعے بندے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جذب ایک سوز یا آگ ہے جس سے بری خصلتیں ختم ہوجاتی ہیں اور دل دنیا سے بیزار ہوجاتا ہے اور آخرت کی طرف لگ جاتا ہے۔ جذب کی یہی گرمی مرید کیلئے ایک سواری کا کام دیتی ہے۔ جس سے وہ بہت سی روحانی منازل طے کرسکتا ہے۔ صوفیا کا قول ہے کہ جو راستہ عبادتوں سے ہزار ہا سال میں طے ہوتا ہے۔ جذب کے ذریعے چند لمحات میں طے کرلیا جاتا ہے۔ سالک ، راہ طریقت پر چلنے کے کچھ عرصے بعد ہی اپنے اندر جذب اور کشش کا پایا جانا محسوس کرتا ہے ، جذب سالک کے لیے سواری ہے جس سے وہ مختلف روحانی مقامات طے کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اپنی طرف کھینچتا ہے۔ مرید کے دل میں بیعت کے بعد یقین بڑھتا ہے اور کامل ایمان نصیب ہوجاتا ہے۔ وہ روحوں اور فرشتوں کی حاضری محسوس کرتا ہے۔ **انسان کی روح کا وہ حصہ جو عالم خلق میں ہے ، فرائض کی ادائیگی سے قوی ہوجاتا ہے اور اس کی روح کا وہ حصہ جو عالم امر میں واقع ہے ، نفلی عبادات سے تقویت حاصل کرتا ہے** کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عالم امر والا حصہ کمزور رہ جاتا ہے اور اگر ایسا ہوجائے تو جذب پیدا نہیں ہوتا۔ **عالم امر والے حصے کی کمزوری شیخ کی توجہ سے دور ہوجاتی ہے اور یہ جذب پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔**

جذب اعتدال پر ہو تو سالک پر صحو یا بسط کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ جذب زیادہ ہوجائے یا قبل از وقت پیدا ہوجائے جسے سالک برداشت نہ کرسکتا ہو تو وہ مجذوب ہوجاتا ہے اگر جذب کم ہو تو قبض کی حالت طاری ہوجاتی ہے ، جذب اور محبت کے راستے سے اگر مرشد کسی شخص کو مقصود (یعنی اللہ) تک لے جائے تو ایسے مرید کو مراد کرتے ہیں جبکہ مرید ریاضتوں اور مجاہدات کے ذریعے منزل پر چل کر جاتا ہے " جانے " اور " لے جانے " میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مراد اس شخص کا نام ہے جسے حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اپنی طرف جذب کرلیتا ہے اور مخلوق سے علیحدہ کردیتا ہے۔ اس کو حالات غیبی کشف ہوجاتے ہیں۔

مرید وہ ہوتا ہے " جو اللہ تعالیٰ کو چاہنے والا ہو اور طریقت کے راستے پر ابتداء کرنے والا ہو یعنی مبتدی " (مراد کو اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہے)۔ مراد اسے کہتے ہیں جو طریقت کے انتہائی درجے پر پہنچ جائے۔ مرید اس وقت تک مرید نہیں بن سکتا جب تک خدا کی ارادت نہ ہو یعنی خدا نے ازل سے ہی چاہا ہو کہ فلاں اللہ کا مرید ہو گا۔ جس طرح سورہ المائدہ آیت 54 میں ہے۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ترجمہ " : محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں "

اللہ تعالیٰ کی چاہت کا دارومدار بندے کی طلب اور خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ صوفیا کا قول ہے کہ جب بندے کو خدا تعالیٰ چاہے تو محال ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کو نہ چاہے اور خدا اس وقت تک بندے کو نہیں چاہتا جب تک بندے کو بھی اللہ کی خواہش اور طلب نہ ہو۔

5۔ تصوف میں حال اور مقام کا حصول

بندے کا حال اس کی ایسی قلبی واردات میں سے ہے جو بندے میں ایک خاص وقت پر وارد ہوتی ہیں اور پھر دل میں قرار پکڑتی ہیں جبکہ دل میں رضا اور سب کچھ اللہ کو سپرد کردینے کی صفات موجود ہوں۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ " حال " صفائے اذکار کے ساتھ باطن میں وارد ہوتا ہے اور زائل نہیں ہوتا اور اگر زائل ہوجائے تو حال نہیں قرار پاتا۔ مقام یہ ہے کہ بندہ اپنے مخصوص احول میں سے اس پر فائز ہوتا ہے ، جیسے مقام توبہ ، ورع ، زہد ، فقر ، صبر ، رضا اور توکل وغیرہ۔ بندے کے ظاہری و باطنی مقامات ہیں۔ مجاہدات و

معاملات اور ارادات کے متعلق جب بندہ کسی فعل میں مکمل ہوتو وہی اس کا مقام ہے جس سے وہ اگلے مقام کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔

حال کو حال اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بدلتا رہتا ہے اور مقام ایک جگہ قائم ہوتا ہے کبھی حال رفتہ رفتہ مقام میں بھی تبدیل ہوجاتا ہے۔

6۔ صوفی کو رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے سینہ مبارک سے انعکاس ملتا ہے

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے سینہ مبارک سے اب بھی شعاعوں کو حاصل کیا جاتا ہے اور یہ خاصیت صرف اہل تصوف کو ہی حاصل ہے امام وقت حضرت ثناءاللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں درج ذیل آیات کی تشریح میں اس انعکاس کے راز کا انکشاف فرماتے ہیں۔ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر - 151)

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۞

ترجمہ " : جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے " ۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں " یعلمکم " کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے اور دوسری بار جب یہ لفظ استعمال ہوا ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ علم کتاب و حکمت کے علم کے علاوہ ایک الگ نوعیت کا علم ہے۔ اور غالباً اس سے مراد علم لُدنی ہے جو قرآن کے باطن اور رسول مقبول خاتم النبیین ﷺ کے روشن سینے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا حصول بوجہ تعلیم نہیں بلکہ بذریعہ انعکاس ہے۔ یعنی قرآن اور نبوت کی کرنیں دل کے آئینے پر منعکس ہوں اولیائے کاملین، جو انوار نبوت کے صحیح وارث ہوتے ہیں وہ اپنے مریدان باصفا پر اس قسم کے علوم اور معارف کا القا اور فیضان فرماتے ہیں۔ بزرگوں کے ساتھ معانقہ بھی اس انعکاس کی طرز سے فیض دینے کی ہی ایک مثال ہے۔ اس کے بعد ان معارف کے حاصل کرنے کے طریقے کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اس انعکاس کی استطاعت ذکر کرتے رہنے سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر - 152)

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۞

ترجمہ " : سو تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو" ۔

اس آیت میں باری تعالیٰ کی طرف سے اس انعکاس کو حاصل کرنے کیلئے حکم دیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ میرا ذکر کرو اور کثرت ذکر سے ہی تم اس مقام پر فائز کئے جاؤ گے کیونکہ انوار اور تجلیات الٰہی کی بے جا بارش کے باعث خدا سے دوری کے حجاب الٹ دیئے جاتے ہیں۔

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے دونوں کام عملی طور پر کر کے دکھائے۔ جب تک انسان کا حال (یعنی قلب) متاثر نہ ہو تو عمل درست تصور نہیں ہوسکتا۔ اس لیے طریقت میں حال اور قال دونوں پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور طریقت ہی ایسا راستہ ہے جس سے مذکور انعکاس حاصل ہوسکتا ہے۔

7۔ صوفیہ کو بشری اور نوری صفات سے استفادہ ہوتا ہے:- انسانوں اور فرشتوں میں بشری اور نوری صفات ہوتی ہیں۔ بہت کم لوگ اہل تصوف کی اس بات کو جانتے ہیں کہ انسانوں میں ملکوتی اور بشری صفات باہم موجود ہوتی ہیں۔ اور اسی طرح فرشتوں میں بھی یہ دونوں صفات موجود ہوتی ہیں۔ فرشتوں پر عام طور پر ملکوتی جہت (صفت) حاوی رہتی ہے لیکن جب چاہیں تو انسانوں کی صورت بھی اختیار کر لیتے ہیں . (جیسے کہ جبرائیلؑ وحیہ قلبیؓ کی شکل میں بھی وحی لے کر آیا کرتے) بالکل اسی طرح انسانوں کو بھی طاقت دی گئی ہے کہ وہ ملکوتی جہت اختیار کر کے اسی طرح پرواز کریں جس طرح فرشتے کیا کرتے ہیں۔ (ابدال ہوا میں اڑنے کی طاقت رکھتے ہیں (انسان کی روح نورانی چیز ہے اور فرشتوں کی سی حرکات کرنا اس کے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔ فرشتوں کی طرح انسان بھی آن واحد میں جسم سمیت دور دراز کے علاقوں کا سفر کر سکتا ہے۔ انسان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر طاقت عطا فرمائی ہے کہ اگر وہ چاہے تو زمین اور آسمان کو ایک لمحہ میں نگل سکتا ہے۔

انبیاء زیادہ تر نورانی جہت سے فیض خداوندی حاصل کرتے ہیں اور بشری صفت میں آ کر بندوں کے ظرف کے مطابق فیض تقسیم کرتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ نمازی کی دو رکعتیں انسان کیلئے اس طرح ہیں جس طرح فرشتوں کے دو پر۔ اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو اولیائے کرام سخت مجاہدات اور زبردست عبادات میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں۔ ان کی روحوں کی کیفیت کا عالم کیا ہوگا ؟۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام سے ایسی کرامات دیکھنے میں آئی ہیں جن سے جنات اور فرشتے بھی عاجز ہیں۔ کچھ اولیائے کرام کو یہ طاقت حاصل ہے کہ جب چاہیں ، چشم زدن میں عالم ملکوت ، جبروت اور لاہوت وغیرہ کی سیر کر سکتے ہیں۔ اس حقیقت سے کون آشنا نہیں کہ معراج کے دوران جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتہٰی سے آگے بال برابر بھی پرواز نہ کر سکتے تھے مگر سرور کائنات محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ نے اس سے آگے کا سفر بھی طے فرمایا اور معراج کی آخری کڑیوں تک آپ خاتم النبیین ﷺ کو رسائی حاصل ہوئی۔

اولیائے کرام کا عرش معلی گزارنا ، لوح محفوظ پر نظر رکھنا اور بہت بلند مقامات تک عروج کا حاصل کرنا بہت مشہور و معروف مثالیں ہیں۔ اس دنیا میں فرشتوں کو

دیکھنا، ان کی باتیں سننا اور ان سے محوِ گفتگو ہونا اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب انسان میں ملکوتی صفات بھی موجود ہوں اور ان کو کام میں بھی لا سکے۔ سدرۃ المنتہٰی سے آگے چلے جانا ملکوتی صفت سے بھی بالاتر کام تھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے بہت سے روحانی عروجوں اور مشاہدات کا ذکر مکتوبات شریف میں فرمایا ہے لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب کوئی اپنی روح کو عبادات اور مجاہدات سے مزین کرے۔ جو لوگ عبادات اور مجاہدات نہیں کر سکتے ان کی روحانی بساط چوپاؤں سے زیادہ نہیں ہوتی کچھ کم ہمت لوگ نفسانی خواہشات کے غلبے میں آنے کے بعد اپنا درجہ چوپاؤں سے بھی اسفل مقامات تک لے جاتے ہیں۔

8۔ صوفیاء کا قربِ خداوندی:۔ ولی کا لفظی معنی قرب کے ہیں اور قرب نزدیکی کو کہتے ہیں چنانچہ ولی اللہ وہ ہوتا ہے جو اللہ کے قریب ہو۔ حضرت ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ قربِ الٰہی دو قسم کا ہوتا ہے ایک قرب وہ جو ہر شے کو حاصل ہے اور اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی شے زندہ نہیں رہ سکتی۔ نَحۡنُ اَقۡرَبُ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ) ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے بھی نزدیک ہیں (سورۃ ق- 50 آیت نمبر-16) کی آیت سے یہی قرب مراد ہے۔ دوسرا قرب وہ ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے اور یہ قرب صحبت کہلاتا ہے اور کسی ولی کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوتا ہے اس قرب میں ولایت پر فائز ہونے کے بعد آفتاب رسالت خاتم النبیین ﷺ کی شعاعوں کا انعکاس ہونے لگتا ہے۔ شمع رسالت خاتم النبیین ﷺ کا یہ نور مرید کو اپنے سلسلے کے بزرگوں کی معرفت اور وسیلے سے منتقل ہوتا ہوا اس تک پہنچتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ شمع رسول خاتم النبیین ﷺ سے جلائے جانے والے چراغ سے اگرچہ سینکڑوں چراغ روشن کئے جائیں تو آخری چراغ میں اسی شمع کی روشنی پائی جائے گی۔ چنانچہ جس نے آخری چراغ کو دیکھا تو گویا اس نے پہلی شمع کو دیکھا۔ قرآن مجید میں ہے کہ: (سورۃ النور، آیت نمبر-35)

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ ترجمہ ": یعنی اللہ زمین اور آسمان کا نور ہے۔"

انسان کی عقل بھی نور ہے۔ چنانچہ جو شخص اللہ سے زیادہ قریب ہوگا اس کو اس کے نور سے زیادہ حصہ ملے گا اور اس کی عقل میں بھی قرب کے مطابق اضافہ ہوگا۔ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی صحبت میں دیوانے آتے تو عقل کی باتیں کرنے لگتے۔ اللہ کے مقبول بندوں کا عقلی معیار عام لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

9۔ اولیاء کے قرب میں ہی قربِ خداوندی ہے:۔ روحانیت کا سلسلہ وصلِ الٰہی کیلئے اختیار کیا جاتا ہے۔ اس میں قربِ الٰہی تلاش کرتے ہیں۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا ہے کہ قرب خدا تعالیٰ کی اطاعت سے ملتا ہے عام لوگوں کے ذہن میں قرب سے مراد ملاپ یا قریب ہونا ہوتا ہے۔ یہ قرب ، قربِ مسافت نہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بندے پر جو میں نے فرض کیا ہے (اطاعت کی ادائیگی کی مثل میرے پاس بندے کے واسطے قرب کی اور کوئی صورت نہیں) یعنی جتنی کوئی فرائض کی ادئیگی کرتا ہے اتنا ہی زیادہ اللہ کے قریب ہو جائے گا۔ جب حق تعالیٰ کسی کو قرب دیتا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کو اپنے کسی ولی اللہ کی نگرانی میں اپنی اطاعت میں مشغول کر لیتا ہے اور دوری کی نشاندہی بندے کا معصیت میں مبتلا ہونا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے خود کو ذلیل سمجھنا قرب کی علامت ہے۔ چونکہ سجدے میں سب سے زیادہ ذلت ہوتی ہے۔ لہٰذا سب سے زیادہ قربِ الٰہی بھی سجدے میں ہے۔ ایک بزرگ نے کہا" اگر کوئی اللہ کو دیکھے اور اپنے فعل سے فارغ ہو جائے یعنی اللہ کے سوا کچھ نظر ہی نہ آئے اور اپنے آپ پر اسی کی نعمتیں اور رحمتیں دیکھے اور اپنے مجاہدات کے دیکھنے سے غائب ہو جائے تو ایسے لوگ ہر شے میں خدا کو دیکھتے ہیں۔ یہ دیکھنا قرب کے باعث ہوگا"۔

10۔ صوفیا کا دائمی حضوری میں رہنا:۔ دائمی حضوری سے مراد ہے کہ کسی کو حضوری کی کیفیت ہمہ وقت میسر رہے یہ کیفیت عالم ارواح میں تمام ارواح کو حاصل تھی۔ جہاں روحیں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتی تھیں۔ لیکن روحوں کے دنیا میں آنے کے بعد یہ کیفیت ختم ہوگئی اور انسان اپنے جسم، گھر بار، آل اولاد اور دنیاوی معاملات میں الجھ کر اس حضوری کی کیفیت سے تقریباً محروم ہوگیا۔ اس کے برعکس کچھ روحوں کا یہ حال رہا کہ وہ عین دنیاداری کے کاموں میں الجھ کر بھی حضوری کی وہ کیفیت محسوس کرتی ہیں جیسی کہ ان کو عالم ارواح میں حاصل تھی۔ ایسی کیفیت صرف محبوبین الٰہی کو حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کی (سورۃ النور-37) میں ایسے لوگوں کیلئے فرمایا:

رِجَالٌ "لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ" وَّ لَا بَیۡعٌ "عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ ترجمہ:" یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو نہ تجارت اور نہ خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل کرتی ہے"

حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں ایک نوجوان شخص کو دیکھا کہ جو پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کر رہا تھا اور اس قدر مصروف ہونے کے باوجود اس کا دل لمحہ بھر کیلئے بھی یادِ الٰہی سے غافل نہ تھا۔ محبوبین خدا کی یہ مثال سب کیلئے مشعل راہ ہے ایسے لوگ امور دنیا کے ساتھ عین تعلق کے اندر بھی دنیا سے بے تعلق رہتے ہیں۔ جو لوگ ایسی دائمی حضوری چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ دن میں اپنے فارغ اوقات میں پاس انفاس کو جاری کریں اور رفتہ رفتہ اس کا دورانیہ بڑھاتے جائیں۔ حتیٰ کہ چلتے پھرتے بھی پاس انفاس جاری رہے۔ چالیس دن مسلسل کوشش کرنے کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ "پاس انفاس" تمام وقتوں میں جاری رہے گا۔ حتیٰ کہ سونے کے اوقات میں بھی یہ ذکر جاری ہونے لگتا ہے۔ ایسے انسان کاروبار کے دوران بھی ذکر کرتے رہتے ہیں اس کے علاوہ مشائخ کرام اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل

کی تار جوڑنے کا ڈھنگ بھی سکھا دیتے ہیں۔" (پاس انفاس "یعنی سانس اندر لیتے وقت " اللہ "اور باہر نکالتے وقت " ہو " کہیں) عارفین لکھتے ہیں اہل اللہ پر دائمی حضوری کا اس قدر بوجھ رہتا ہے کہ جیسے پہاڑ کے نیچے دبے ہوئے ہوں۔ چنانچہ مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ہرویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مجھے ایک لمحہ کیلئے حق تعالیٰ سے غافل کر دے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دے گا۔ حضرت عبداللہ اسطرخیؒ شکاریوں کے ساتھ جنگل میں چلے جایا کرتے تھے اور کتوں کا شکار دیکھتے تھے جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ ان بے ہودہ مشاغل میں آپ کیوں حصہ لیتے ہیں؟ تو فرمایا کرتے کہ " میں چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ کیلئے تو میرے قلب سے " غلبہ حال " کا زبردست بوجھ کم ہو جائے " ۔ کچھ صوفیاء کا خیال ہے کہ جب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے قلب پر شدید غلبہ حال ہوتا اور تجلیات جلال سے جسم جلنے کو آتا تو ایک دن رات میں ستر مرتبہ دعا فرماتے کہ الٰہی میرے اور اپنی تجلیات جلال کے درمیان پردہ ڈال دے تا کہ جلنے سے بچ جاؤں۔

عاشقان الٰہی وصل اور قرب کے کسی مقام پر مطمئن نہیں ہوتے اور قریب سے قریب تر مقام پر پہنچنا چاہتے ہیں اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ ان کے اجسام بھی روحانیت میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور خواص بشریت سے آزاد ہو جاتے ہیں یہ لوگ اگر کئی کئی ماہ تک کھانا نہ کھائیں تو پرواہ نہیں ہوتی۔ اس مقام پر ان کا سایہ بھی کالعدم ہو جاتا ہے اس اعتبار سے محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ کے مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو مقام جامعیت (فنا اور بقا) بدرجہ اتم حاصل تھا۔ اس لیے آپ خاتم النبیین ﷺ قرب حق کے ان مراحل پر پہنچ گئے۔ جہاں ایک حدیث کے مطابق نہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے اور نہ کوئی نبی اور رسول ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ " مقام حضوری کے بعد حق تعالیٰ کے غیر کو دیکھنا حق تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے " ۔ جیسا کہ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے وقت معراج سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی طرف نگاہ التفات نہ کی حتیٰ کہ دنیا میں بھی آپ خاتم النبیین ﷺ نے کبھی کسی چیز کی طرف نگاہ التفات سے نہ دیکھا جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔ (سورۃ نجم، آیت نمبر-17)

مَاذَا غَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ترجمہ " آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی نگاہ نے نہ دوسری طرف دیکھا اور نہ حد سے تجاوز فرمایا: " ۔

منکرین طریقت :- اب ایک نظر منکرین طریقت پر ڈالتے ہیں۔ مشائخ کبارؒ فرماتے ہیں کہ ہر انسانی وجود وصل الٰہی کے لائق نہیں ہوتا اور نہ ہر زبان تقریر اور قال کے لائق ہوتی ہے۔ اس حقیقت سے کون نا آشنا ہے کہ ہر دماغ بادشاہی کے لائق نہیں ہوتا اور نہ ہر دل اللہ کے راز کہہ سکتا ہے۔ صوفیاء کا قول ہے کہ ہر پتھر سنگ مرمر نہیں ہو سکتا۔ نہ ہر پتھر لعل ہو سکتا ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ ہر دل خزانہ الٰہی بننے کے قابل نہیں اور ہر دل محبت پرور نہیں ہو سکتا۔ مشائخ کبارؒ فرماتے ہیں کہ جن کی فطرت میں عاشقان الٰہی کے خلاف عناد رکھنا ہو تو وہ خود کبھی عاشق الٰہی اور عاشق رسول خاتم النبیین ﷺ نہیں بن سکتے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

ہر سینہ نشیمن نہیں جبرائیل امیں کا
ہر فکر نہیں طائر فردوس کا صیاد
اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد

تصوف ایک ایسا انعام ہے جو صرف صالحین کو ہی ملتا ہے اور یہ وہ ہدایت ہے جو صرف اسی کو ملتی ہے جو خدا کی طرف رجوع کرے ، چنانچہ مشاہدے میں آیا ہے کہ جو لوگ تصوف سے منسلک رہے ہیں صرف انہی کے نام صوفیائے کبارؒ کے زمرے میں ہم تک آئے اور دوسرے لوگوں کے نام اگر لئے جاتے ہیں تو صرف منکرین کے اعتبار سے ہی لئے جاتے ہیں۔ بزرگوں میں سے منکر طریقت کوئی بھی نہ تھا۔

منکرین طریقت :- **بیعت** کی سعادت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کا گریبان جنون عشق سے چاک ہو۔ اس شعلہ محبت میں ہر خس وخشاک جلنے کے لائق نہیں ہوتا۔

فیوض الٰہی کی سعادت سے محرومی دلوں میں شک وشبہ کا باعث ہوتی ہے اور یہ سعادت ناقص بصیرت والے دل کو نصیب نہیں ہوتی۔ دنیا کو چمکا دینے والا سورج چمگادڑ کا ہم پلہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔ بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ " جو شخص حق تعالیٰ کے کسی دوست کی دوستی کا انکار کرتا ہے وہ کمینہ ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ جو کچھ اسے ملا ہے اس سے چھین لینا چاہیے یا پھر وہ توبہ کر لے " ۔

قرآن میں لوگوں کی تین اقسام :- اللہ تعالیٰ نے سورہ واقعہ میں انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

اصحاب یمین :- یہ لوگ ہدایتی علم کے پیرو ہیں۔ ان کی عاقبت میں سلامتی ہے یہ لوگ خالق کو اِلہٰ جانتے ہیں اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور صراط مستقیم پر چلتے ہیں ان کیلئے موت کے بعد جنت اور مغفرت کا وعدہ ہے۔

اصحاب شمال :- یہ لوگ علم اضلالی کے متبع ہیں جو علم نفسی ہے۔ جسے ہوٰی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ ہلاکت اور

ضلالت بتایا گیا ہے یہ لوگ مخلوق کو الہٰ مانتے اور جانتے ہیں۔ اپنی مرادوں کو مخلوق سے طلب کرتے ہیں یہ گمراہ اور مغضوبین کا گروہ ہے اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے۔

مقربین :- یہ لوگ نہ صرف اللہ کا علم رکھتے ہیں بلکہ اللہ کو بھی رکھتے ہیں ان پر سرِ حقیقت کھل گیا ہے وہ اللہ کو اپنے قریب اور اقرب پاتے ہیں اُس کو اپنا ظاہر اور باطن پاتے ہیں۔ اول اور آخر پاتے ہیں وہ اللہ کو محیط پاتے ہیں اور اپنے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ان سے اعلیٰ قسم کی جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ لوگ خالق اور مخلوق کے ربط اور معیت کا بھی علم رکھتے ہیں۔ یہی وہ گروہ ہے جن کو صوفیاء کہا جاتا ہے۔ اولیائے کرام نے انہیں مقربین میں شمار کیا ہے۔ جیسا کہ شہاب الدین سہروردیؒ نے "عوارف المعارف" میں فرمایا۔ ہم صوفیاء کے معنی مقربین ہی کے سمجھتے ہیں۔

چند منکرین طریقت کی توبہ :- اولیائے کرام کے ساتھ منسلک ہونے کی سعادت صرف ان خوش قسمت لوگوں کو ملتی ہے جن کے دل نور محبت سے سرشار ہوں اور جو عشق الٰہی اور عشق رسول خاتم النبیین ﷺ کے دیوانے ہوں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کے خمیر میں بغاوت اور مخالفت کا مادہ ہوتا ہے وہ ان بزرگوں کی ولایت کا اقرار نہیں کرتے۔ وہ قلبی شقاوت کے باعث ان اولیائے کرام کے فیوض سے حاصل ہونے والے کمالات سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اولیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب تک انشراح صدر نہ ہو تو دینی معاملات کے حقائق سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ تفرقہ بازی سے دل میں تاریکی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے تاریک دل انسان اگر کسی بات پر اڑ جائیں تو پھر ان کو راہ راست پر لانا آسان بات نہیں اور وہ اپنی ضد پر قائم رہنے کی وجہ سے صحیح عقیدہ اختیار نہیں کر سکتے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ " سینے کا کھلنا کس طرح ہوتا ہے؟" تو فرمایا کہ " جب نور سینے میں داخل ہوتا ہے تو وہ (سینہ) کھل جاتا ہے اور اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے"۔ جب پوچھا گیا کہ " اس کی علامت کیا ہے" ؟ تو فرمایا" آخرت کی طرف متوجہ ہونا ، دنیا سے دور ہونا اور موت کیلئے اس کے آنے سے پہلے آمادہ رہنا"۔ (مشکوۃ المصابیح)

اس کی علامت ہے اہل طریقت کا مطمع نظر بھی یہی ہے صوفیاء کا قول ہے کہ جسے اللہ گمراہ کرتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ اور بہت تنگ کر دیتا ہے۔ اس کو سمجھایا بھی جائے تو وہ ہرگز اثر قبول　　نہیں　　کرتا

چنانچہ خیر کثیر (تصوف) ایسے لوگوں سے دور رہتا ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ " جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو کہ دنیا سے بے رغبتی رکھتا ہے اور کم گوئی کرتا ہے۔ تو اس کے نزدیک ہو جاؤ کیونکہ اسے حکمت عطا کی گئی ہے"۔ (مشکوۃ المصابیح)

صوفی کیلئے من جانب اللہ دل پر انوار الٰہی وارد ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اسے بصیرت ملتی ہے اور اسی وجہ سے کشف حقائق اور رموز معرفت کی رحمت ، عالم قدس سے اس پر برستی ہے۔ جو لوگ مشائخ سے اختلاف رکھتے ہیں وہ اس بصیرت سے محرومی کے شکار رہتے ہیں اور جب انہیں اولیاء کرام سے ایسی بصیرت مل جائے تو اپنی سابقہ روش سے باز آ جاتے ہیں۔

ابن جوزیؒ نے صوفیائے کرام کے خلاف بہت کتابیں لکھیں تھیں اور حضرت غوث الاعظمؒ پر بھی نکتہ چینی کرتے تھے۔ ابن جوزی نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو کوڑے لگاؤ جب وہ بیدار ہوئے تو کوڑوں کے نشان اور درد کو محسوس پایا۔ آپ نے اس خواب کے بعد فوراً توبہ کی اور حضرت غوث الاعظمؒ کے حضور میں حاضر ہوئے اور آپ کے مرید ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے تصوف کی حمایت میں بہت سی کتابیں لکھیں لیکن مخالفین طریقت ابھی بھی ان کی پرانی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں- (تربیت عشاق)

****

تصوف میں ذکر الٰہی

طالبانِ حق کو ہر روز کم از کم ایک ہزار درود شریف اور 500 مرتبہ استغفار پڑھنا چاہیے۔ عام طور پر ذکر کی چار قسمیں ہیں۔ جنہیں آسانی سے آزمایا جا سکا ہے۔

1۔ ناسوتی جیسے ''لا الہ الاّ اللہ'' (زبان کا ذکر)

2۔ ملکوتی جیسے الا اللہ (دل کا ذکر)

3۔ جبروتی جیسے اللہ (روح کا ذکر

4۔ لاہوتی جیسے ھُو (سارے وجود کا اجتماعی ذکر)

زبان کا علم تزکیہ قلب کے عامل بنے بغیر کبھی بھی حق کی طرف نہیں لے جا سکتا کیونکہ راہ حق کے طے کرنے کے لئے قلب کی رفتار درکار ہوتی ہے۔ گوشت پوست زبان اور ہاتھ پاؤں کا چلنا کچھ چلنا نہیں ہے۔ چلنا تو حقیقت میں قلب کا چلنا ہے اور قرب حق جس کو کہتے ہیں وہ قرب باطن ہی تو ہے۔ جس نے اپنے نفس کی کچھ بھی وقعت جانی اس کی بالکل بھی وقعت نہیں اور جس نے اعمال کو مخلوق کے سامنے ظاہر کیا اس کا کوئی عمل نہیں۔ اعمال تو خلوت میں ہوا کرتے ہیں۔ جلوتوں میں تو بجز فرائض کے جن کا ظاہر کرنا ضروری ہے (ترغیب کے لئے) دوسرے اعمال ہوتے ہی نہیں ہیں۔ انسان کی توحید اور اخلاص کا امتحان اس میں ہے ورنہ لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرنا تو شرک اصغر ہے۔ لیکن جب تک مجاہدہ اور ریاضت سے قلب کی اصلاح نہ ہو کہ مخلوق کے نفع وضرر سے نظر ہٹ جائے۔ اس وقت تک خلوت میں عمل کرنے کی توفیق نہیں ہو گی۔ پس جس کے پاس توحید و اخلاص نہیں اس کا کوئی عمل نہیں۔

طالب حق کی اول فراست درست ہوتی ہے۔

پھر احکام درست ہوتے ہیں (یہ ہدایت ہے)

پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب وقبول ملتا ہے (یہ رحمت ہے)

اگر طالب کو اس کے شیخ نے کسی ایک ذکر پر لگا دیا ہے تو اس میں لگا رہے۔ اولیاء کرام نے لطیفہ قلب پر کئی کئی سال اتنی محنت کی ہے کہ فرش سے عرش تک نور ہی نور نظر آنے لگا۔ **ذکر لسانی سے سلوک طے ہوتا ہے اور ذکر قلبی سے جذب ربّانی ہے۔ سلوک اور جذب دونوں میں بڑا فرق ہے۔**

سلوک:۔سلوک میں بندہ اپنی کوشش سے اللہ کی طرف جاتا ہے۔

جذب:۔جذب میں اللہ بندے کو خود اپنی طرف کھینچتا ہے۔

لہٰذا اپنے عمل کی بنیاد بذریعہ توحید اور اخلاص مضبوط کر۔ (نظر ذات باری تعالیٰ پر ہی رکھ) جب دل میں ذکر وفکر اللہ کا ہو گا اور دل کی اصلاح ہو گی تو تمام جسم آپ ہی آپ خود ہی درست ہو جائے گا۔ ذکر قلبی ریا (دکھاوا) سے پاک ہوتا ہے۔ نہ کوئی واقف ہو گا نہ کوئی تعریف کرے گا۔ نہ نفس موٹا ہو گا۔ بندہ جانے اور اس کا رب جانے۔ یہ راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں پھر ایک مزہ پیدا ہو گا۔ اس مزے کی لذت الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے جس کو کچھ واسطہ ہو جائے گا یا کوئی واسطہ ہے وہ خوب سمجھتا ہے۔ ذکر لسانی یا ذکر زبانی میں اکثر ریا پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کو کشائش باطنی نہ ہو تو وہ کثرت سے ذکر کرے۔ ذکر سے نفس کی پلیدی بڑی جلدی ختم ہوتی ہے۔ شروع میں حبس دم کر کے تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ ''اللہ'' کہے اس کے بعد سانس چھوڑ دے۔ پھر ایک گہرا سانس لے۔ پھر دوسرے سانس میں حبس دم کرے۔ پھر حبس دم کی مدت کو بڑھاتا چلا جائے۔ یہ کرنے سے پہلے 11 روپے صدقہ کرے۔ یہ وظیفہ بعد نماز عشاء پڑھے۔

درود شریف 21 بار، سورہ مزمل 11 بار، یا حفیظ 2 ہزار 2 سو بار پھر آخر میں درود شریف 21 بار پھر سجدے میں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ اے اللہ اس صدقے اور اس وظیفے کے بدلے میں جو میں نے یہ ذکر کا شغل (دل کے ذکر کو شغل کہتے ہیں) شروع کیا ہے (کرنا شروع کیا ہے) اس سے میرے قلب کو خیر اور سلامتی کے ساتھ جاری فرما دے اور مجھے مخلوق کے لئے نافع بنا دے۔ اگر ذکر سے دل جاری نہیں ہوتا تو گھبرانے اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنی باقی عبادات میں مصروف رہے اور پھر ذکر اسم ذات شروع کرے۔ ذکر اسم ذات ''اللہ'' کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے قلب کی زبان حال سے ہر وقت ہر حال میں چلتے پھرتے، وضو بے وضو اللہ کہتا رہے اور

پوری توجہ کے ساتھ اللہ کے طرف متوجہ رہے۔ اور منہ بند زبان تالو سے لگا کر دل سے اللہ، اللہ کہتا رہے۔
ثبوت اور اطمینان اجزائے قلب (قلب کا جاری ہونے کے لئے) کے واسطے جو باتیں ضروری ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ قلب کی حرکت ذکر کے ساتھ ہونا
2۔ طالب کے کان میں ذکر قلب کی آواز آنا
3۔ لطیفہ قلب کا زرد رنگ کا نور یا دیگر انوار لطائف کا بچشم دل یا بچشم ظاہر نظر آنا۔
4۔ ہر وقت دل کی نگاہ اللہ کی طرف رہنا۔

اگر یہ چاروں باتیں (مندرجہ بالا) کسی میں تصدیق کی میسر ہوں تو نور علی نور ہے ورنہ چوتھی شق نہایت ضروری ہے یعنی دل کا ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتے رہنا۔ اگر ان چاروں باتوں میں سے کسی کو بھی نہ پائے تو اپنا خیال ذاکر ہونے کا نہ جانے۔

کچھ ثبوت ذکر قلبی کے یہ ہیں کہ:۔

1۔ جب طالب بازار میں جائے اور سوائے ذکر اللہ کے کوئی بات اس کو سنائی نہ دے۔ تب ثبوت ذکر قلبی ہے۔ اور ایک ثبوت ذکر قلبی کا یہ ہے کہ جب بھی طالب خواب سے بیدار ہو تو اپنے دل کو بلا اپنی کوشش اور خیال کے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں پائے۔ ہر اسم کسبی ہے لیکن اسم اللہ عطائی ہے۔ یہ اپنی محنت سے نہیں جمتا اس کے لئے استاد کامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان مراحل میں استاد کامل یا مرشد کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟

روحانی منازل کے طے کرنے میں استاد کامل یا رہبر کامل یا شیخ یا مرشد کیا کام کرتا ہے؟ تو اس طرح سمجھا جائے۔

جو ہنڈیا بناتا ہے وہ اپنے پاس ڈوئی یا چمچہ رکھتا ہے۔ دیکھنے میں یہ ڈوئی بہت ہی کم قیمت شے ہے۔ ہنڈیا پکانے کے بعد اسے ایک کونے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس ڈوئی کا کیا کام ہے؟ جب ہم کسی چیز کو آگ پر چڑھا دیتے ہیں تو آگ کی فطرت یہ ہے کہ وہ ہنڈیا کی ضرورت کے مطابق متوازن نہیں ہوتی۔ اس لئے اس آگ کو ہنڈیا کی ضرورت کے مطابق متوازن کرنے والی چیز رکھنی پڑتی ہے۔ ڈوئی ہنڈیا کی عافیت ہے تو استاد یا مرشد کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جس کا دل عشق مصطفی میں بھن رہا ہوتا ہے۔ استاد اسے متوازن رکھتا ہے کہ حرارت کہیں طالب کی سکت سے بڑھ نہ جائے۔ تو ڈوئی کا کام ہنڈیا کو آگ کی مناسب حال متوازن رکھنا ہے تاکہ مال ضائع نہ ہو جائے۔

کیونکہ سخی (اللہ تعالیٰ) جب عطا کرتا ہے تو ظرف گدا کو نہیں دیکھتا۔ دریا جب اپنے پیٹ کی چیزیں اگلتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ آنے والا تیار ہو کر آیا ہے یا نہیں اس میں جوش پیدا ہوتا ہے اور بس اچھال دیتا ہے اب آنے والا چاہے دامن میں لے کر جائے یا کاسہ میں لے کر جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جب جوش میں آتی ہے تو کرم کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں تو شرابی بھی نواز دیئے جاتے ہیں۔

ذکر اسم ذات اور ذکر نفی اثبات سے طالب ایک نہ ایک دن ''واصل الی اللہ'' ضرور ہوتا ہے۔ **ذکر نفی اثبات سے سلوک طے ہوتا ہے اور ذکر اسم سے جذب ربانی ہوتا ہے۔** سلوک والے اہل درجات ہوتے ہیں اور جذب والے اہل ذات اور اہل ذات اہل درجات پر ہمیشہ غالب رہتے ہیں۔

بعض طالب علم کو اسم ذات، بعض کو صرف فکر ذات، بعض کو ذکر نفی اثبات بعض کو تلاوت قرآن پاک، بعض کو کثرت نوافل، اور بعض کو کثرت درود شریف سے فائدہ ہوتا جاتا ہے۔ جو بھی راستہ اللہ تک پہنچنے کے لئے طالب کے استاد یا مرشد نے اس کے لئے تجویز کر دیا ہے اس میں لگ جائے۔

حدیث پاک میں ہے کہ ذکر خفی زبان کے ذکر سے ستر گناہ افضل ہے۔ سخت بیماری کے وقت اور آخیر وقت (امراض الموت) میں طالب نہ ذکر جہر کر سکتا ہے نہ ذکر لسانی کی اس میں ہمت ہوتی ہے۔ دوسرے مرتے وقت نقاہت طاری ہوتی ہے۔ زبان بند رہتی ہے اور اکثر مرتے وقت انسان ناپاک رہتا ہے۔ ایسی حالت میں ذکر لسانی کیسے ہو سکتا ہے؟ اور دوسری طرف قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق بحالت سونے، کھانے، پینے بات کرنے ان سب حالتوں میں ہم ذکر کرنے پر مجبور ہیں اور تعمیل حکم ہے۔

وَاذکُرُ اللّٰہَ قِیاماً وَّ قُعُوْ دً وَّعَلیٰ جَنُوْبِکُم ترجمہ: ''اور اللہ کا ذکر کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹ بدلتے'' (سورۃ النساء آیت نمبر 103)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَاعْبُدُ رَبُّکَ حَتیٰ یَاتِیَکَ الْیُقَیْنُ ترجمہ: ''اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین (یعنی موت) آ جائے''۔ (سورۃ الحجر، آیت نمبر 99)

انسان یہ سب کچھ اس وقت میں کیسے کر سکتا ہے؟ بس ایک ہی طریقہ ہے کہ ذکر قلبی ہر حالت میں جاری رہے۔

ذکر قلبی سلامتی ایمان کا اچھا ذریعہ ہے اور جو شخص ذکر لسانی کو (زبانی) ذکر قلبی (خفی) پر ترجیح دے وہ منکر قرآن و حدیث ہے۔ جان کنی کے وقت، بیماری کی شدت، دنیا چھوڑنے کا غم، عزیز و اقارب سے فراق، قبر کی اندھیری اور تنگی، قبر کا خوف، سخت پریشانی، انتہائی بے بسی اور نقاہت اس حالت میں کوئی چیز یاد نہیں رہتی۔ مگر وہ یاد رہتی ہے جس کو وہ بہت دوست رکھتا ہے۔

ایک حدیث پاک ہے:

ترجمہ: ''تم جسطرح زندگی گزارو گے اسی طرح مرو گے اور جس طرح مرو گے اسی طرح قبر سے حشر کے دن اٹھو گے''۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے: (سورۃ الشعرا، آیت نمبر 89 -88)

ترجمہ: ''قیامت کے دن نہ مال کچھ فائدہ دے گا اور نہ اولاد۔ مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم لایا''۔ **اور قلب سلیم ذکر کرنے والا دل ہے۔**

ترقی کا راز، ترقی کا انحصار بس صرف اور صرف اتباع سنت پر ہے۔ جو سنت سے محروم ہوا تو وہ ساری ہی بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔ اس لئے طریق سنت کو مضبوط پکڑ لینا چاہیے۔ روزانہ ایک ہزار مرتبہ درود شریف اور پانچ سو مرتبہ استغفار ضرور پڑھنی چاہیے۔ درود شریف سے قبولیت اور استغفار سے ازالہ غفلت اور معصیت ہوتا ہے۔

ذکر نفی اثبات ''لا الہ الا اللہ'' اور ذکر اسم ذات اللہ، اللہ، اللہ کرتا رہے۔

پڑھتے وقت ذکر، فکر اور جو کچھ دل میں گزرتا ہے وہ ہدایت ہے۔ ہدایت طلب مولا ہے اور نہایت طلب علم ہے۔

اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ کاملین کے لئے وہ کونسا راستہ ہے جس سے اسے ایک لمحہ میں قرب ربانی حاصل ہو جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسم ''اللہ'' ذات کے حاضرات کے تصور کی برکت سے مردہ وجود بھی زندہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَفِيٓ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝ (سورۃ الزاریات 21 : 51)

ترجمہ: ''اور وہ تمہاری جانوں میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے؟'' اہل حضور کو کبھی حرمت و عظمت، کبھی مجلس کی خلوت نصیب ہوتی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بے چین ہو جاتا ہے کبھی اس کا نفس خراب ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک ہی علاج یعنی دائمی ورد ہوتا رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (سورۃ مومن 44 : 40)

وَاُفَوِّضُ اَمۡرِيۡٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ۝ ترجمہ: ''میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھنے والا ہے''۔

جو شخص بدن پر شریعت کا لباس پہن لیتا ہے وہ کامل بن جاتا ہے وہ شب و روز شریعت ہی میں کوشش کرتا ہے۔ اگر کوشش نہیں کرتا تو ناقص، ادھورا اور ناتمام رہ جاتا ہے۔

ایک اور بات جو ذہن نشین کر لینی چاہیے وہ یہ ہے کہ شیطان عالم تھا، متعلم تھا، تکبر نے اسے خراب کر دیا دوسرے طرف حضرت آدمؑ کو ظاہری علم نہ تھا لیکن باطن میں محبت الٰہی کا بیج بویا ہوا تھا - **آخر عالم ہو گئے۔ وہ شخص معرف الٰہی کا انتہائی درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور نور ذات اور دیدار ذات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ جس کا اوڑھنا بچھونا شریعت کی پابندی ہوتا ہے۔**

جب طالب کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور اثر کرتا ہے (ذکر اسم ذات سے اللہ، اللہ، اللہ) تو وہ یکبارگی ولی اللہ کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے::

ترجمہ: ''جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے کوئی عبادت مجھے اتنی پسند نہیں جس قدر وہ عبادت پسند ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے بھی مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے دیتا ہوں۔ میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جس کو میں کرنے والا ہوتا ہوں، جو مجھے مومن کی جان نکالتے وقت ہوتا ہے، وہ موت کی بوجہ تکلیف پسند نہیں کرتا اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا ہے''۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 6502)

یاد رکھیں جو شخص معرفت الٰہی میں یگانہ ہو جاتا ہے وہ مجذوب یا دیوانہ نہیں ہوتا۔ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی اور مقام کو طلب نہیں کرتا۔ یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ مرشد کامل محبوب القلب کو قرب الٰہی سے نہ کبھی سُکر ہوتا ہے نہ مستی، نہ حال، نہ خیال وہ ہمیشہ باجمعیت ہوتا ہے۔ یعنی عارف باللہ صاحب وصال اور لازوال ہوتا ہے۔

****

ذکر کیا ہے اور اِس کا طریقہ کیا ہے؟

ذکر دراصل کسی کی یاد ہے- جب کسی کی یاد آتی ہے تو اس کا ذکر کیا جاتا ہے- زبان سے اللہ کا ذکر کرنے کو ذکر لسانی یا ذکر جہری کہتے ہیں اور دل سے اللہ کا ذکر کرنے کو ذکر خفی کہتے ہیں-

قلب کا ذکر زبان کے ذکر سے بہت بڑھا ہوا ہے اس لیئے کہ اس میں ریا (دکھاوے) کا خوف نہیں رہتا۔ زبانی ذکر کو ذکر اور دل کے ذکر کو شغل کہتے ہیں-

اہل اللہ اور اولیاء اللہ نے ذکر اذکار خود کئے اور اپنے مریدین کو کرائے ذکر محبوب کی یاد ہے۔ اہل سلوک ذکر اذکار سے راہ حق کی منازل طے کراتے ہیں۔ ذاکر کو چاہیے کہ کوئی بھی سکون کا وقت مقرر کرے۔ دنیاوی معاملات اور مکروہات کو دل ودماغ سے خارج کر کے باوضو قبلہ رخ دوزانو ادب سے بیٹھ جائے اور خیال کرے کہ شیخ میرے سامنے ہے (مراقبہ کی کیفیت میں ہو) ہر مراقبے اور ذکر کی ابتدا تین بار درود و پاک اور تین بار کلمہ طیبہ پڑھ کر کی جاتی ہے۔ (مراقبے کے معنی ہیں گردن جھکا کر دل کو ماسواء اللہ سے پاک کرنا) سالک سوچے کہ بارگاہ رب العزت سے انوار کا نزول ہو رہا ہے۔

تصور مرشد ہو تو اپنے دل کو مرشد پاک کے قلب کے نیچے خیال کر کے انوار کا مشاہدہ کرے۔ مندرجہ ذیل اذکار جہری ہیں اور عام طور پر نماز فجر کے بعد کئے جاتے ہیں۔ بقدر ذوق وشوق سالک اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن ضروری ہے کہ اجازت مرشد سے کرے تا کہ انوار میں اضافہ ہو اور فیض و برکات جلد حاصل ہوں۔

1۔اول ذکر:

لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ دس مرتبہ اور گیارھویں بار پورا کلمہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ لَا کو ناف سے اٹھا کر دماغ کے اوپر لے جائے۔ لفظ اِلٰہَ کو سیدھے کندھے پر تصور کرے اور اِلاَّ اللّٰہ کی ضرب دل پر لگائے۔

2۔دوم ذکر:

کلمہ تمجید 10 مرتبہ آدھا پڑھے اور گیارہویں مرتبہ پورا کر دے۔

3۔سوم ذکر:

یَا حَیُّ یَا قیوم ثَبِّتنَا علٰی الایمان 11 بار

مندرجہ بالا اذکار فجر کے بعد روزانہ کے معلومات میں سے ہیں۔ اور ذکر جہر ہیں۔ ذکر کیا بھی جاتا ہے اور کرایا بھی جاتا ہے لیکن ذکر کرنے والے اب ناپید نہیں تو خال خال ملتے ہیں اب تو ذکر کرایا جاتا ہے۔ ذکر کرنے میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ معبود اس پکارنے والے کو خود پکار لیتے ہیں۔ بس یہی کامیابی کا نقطہ آغاز ہے۔ ذکر میں دراصل اللہ جل شانہ قلب سے خود کو خود ہی آواز دیتے ہیں ورنہ بندے کی کیا مجال کہ رب العالمین کو پکار سکے۔

ہم دین کو زندہ کرنے کے لیے آئے ہیں شعبدہ بازی کے لیے نہیں۔ جب تعلیم مکمل ہو جاتی ہے ضبطِ نفس حاصل ہو جاتا ہے اور نظر بالغ ہو جاتی ہے تب روحانی طاقت سے کام لینا سکھایا جاتا ہے۔

اسے کہتے ہیں طاقت کا بے نقاب ہونا۔ اہل دنیا کی محبت ناسوتی ہے۔ جو زبان سے بولتی ہے۔ اہل دل کی محبت دلوں میں گُھس کر بولتی ہے۔ اہل اطاعت معانقہ نہیں کرتے، سر کو دبانے نہیں دیتے۔ مصافحہ پورا نہیں کرتے۔ سینہ امین نور معرفت ہوتا ہے اگر بالمقابل برداشت نہ کر سکے تو مشکل ہو جاتی ہے۔ اس نور سے کثافتیں سلب کی جاتی ہیں۔

ذکر نفی اثبات:

"لَا" کو قوت خیال ناف سے اٹھا کر دماغ پر لے جائیں اور "اِلٰہَ" کو دماغ سے سیدھے مونڈھے پر لائیں اور "اِلاَّ اللّٰہ" کو سیدھے مونڈھے پر سے قلب پر ضرب لگائیں اگر حبس دم کے ساتھ کریں تو فائدہ جلد ہو گا لیکن یہ شرط نہیں۔

طریقہ ذکر نفی اثبات: -

جب کوئی سالک نفی اثبات کی مشق کرنے لگے تو اپنی زبان کو تالو کے ساتھ پیوست کرے ، دونوں لب آپس میں ملائے اوپر اور نیچے کے دانت بھی ملائے اور

سانس کو بند کرے۔لا کا کلمہ ناف سے شروع کر کے سر کے آخری حد یعنی قالبی تک تصور کے ساتھ بذریعہ سانس کھینچے اور الٰہ کا کلمہ پورے خیال کے ساتھ دائیں کندھے پر لے جائے۔اور یہاں سے الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے۔ یہاں تک کہ ذکر کی حرارت کا اثر تمام عالم امر کے لطائف میں ظاہر ہو۔جب سانس میں دقت محسوس کرے تو سانس کو طاق عدد پر خالی کر دے یعنی اگر حبس دم میں نفی اثبات کا ذکر دس بار کرے اور سانس میں تنگی محسوس کر رہا ہے تو گیارہ پر سانس باہر نکالے اور محمد رسول اللہ کا خیال کرے۔یعنی محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بشکل مُہر دل پر تصور کرے۔

نفی اثبات شروع کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھے الٰهِیْ اَنْتَ مَقْصُوْدِیْ وَرِضَاکَ مَطْلُوْبِیْ o	قالبی۔دماغ قلب۔الا اللہ الٰہ۔دایاں کندھا قلب۔الا اللہ ناف۔لا	جب کلمہ لا کہے تو ان چار معنوں میں سے کسی ایک کی نفی کا خیال دل میں پختہ رکھیں۔ 1) لا معبود الا اللہ 2) لا مقصود الا اللہ 3) لا موجود الا اللہ 4) لا مطلوب الا اللہ
	دماغ قلب۔الا اللہ الٰہ دایاں کندھا لا ناف	

<u>2۔پاس انفاس کا طریقہ:</u>

سانس اندر لیتے وقت اللہ اور باہر نکالتے وقت ھُو کہیں۔

****

انسان عالم صغیر ہے۔

حضرت سید شاہ ابوالحسن (عارف کامل) اپنی کتاب ''سراج العوارف'' میں فرماتے ہیں کہ:"انسان عالم صغیر ہے اور اس کے علاوہ (انسان کے) جو کچھ بھی ہے وہ عالم کبیر ہے"۔

اس عالم صغیر میں عالم کبیر کے تمام اجزاء شامل ہیں۔

چنانچہ جو قلم میں مجمل ہے وہ انسان کی روح میں مجمل ہے۔ جو ''لوح'' میں مفصل ہے وہ انسان کے دل میں مفصل ہے۔ جو کچھ عرش پر ہے وہ انسان کے جسم میں ہے۔ جو کچھ کرسی میں ہے وہ انسان کے نفس میں ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اگر انسان اپنے وجود کے بارے میں غور کرے تو یہ اس کے لئے کافی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے،''(فرمایا جائے گا) اپنا نامہ اعمال پڑھ آج تو خود اپنا حساب کرنے کو بہت ہے''۔(سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 14)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (سورہ حم السجدہ، آیت نمبر 53)

ترجمہ:"ابھی ہم دیکھائیں گے اپنی نشانیاں دنیا بھر میں اور خود ان کے اندر (نفوس میں) یہاں تک کہ اُن پر کھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے"۔

جو کچھ عالم کبیر میں (اس دنیا میں) وہ عالم صغیر (انسان میں) پایا جاتا ہے۔ مثلاً عالم کبیر میں ایک شہنشاہ ہے جس کا حکم سارے جہان میں نافذ ہے یعنی ''اللہ تعالیٰ'' عالم صغیر میں بھی ایک شہنشاہ ہے جس کا نام روح ہے۔ جس کا اختیار اپنے پورے ملک (بدن) پر ہے۔

عالم کبیر میں شہنشاہ کا ایک نائب کل یا خلیفہ مطلق ہے اور وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ عالم صغیر میں عقل ہے جو حقیقت محمدیہ خاتم النبیین ﷺ کے عکسوں میں سے ایک عکس اور انہیں کا پرتو ہے۔ عالم کبیر میں شہنشاہ حقیقی کا عرش اعظم ہے کہ اسے باری تعالیٰ سے خاص نسبت ہے۔ عالم صغیر میں دل ہے روح کا مقام خاص،

عالم کبیر میں عظمت والی کرسی ہے۔ عالم صغیر میں دماغ کا درجہ عظیم اور بلند ہے۔

عالم کبیر میں لوح محفوظ ہے، جس میں ماضی، حال اور مستقبل کا علم درج ہے۔

عالم صغیر میں قوت خیالی ہے کہ تمام، صورتیں، شکلیں، رنگتیں اور حواس خمسہ سے محسوس کی جانے والی ہر شے اس میں محفوظ ہے۔

عالم کبیر میں اللہ تعالیٰ کی قدیم حقیقت معلوم کرنا، ناممکن اور محال ہے۔ عالم صغیر میں روح کی حقیقت سمجھنا ناممکن اور محال ہے۔

عالم کبیر میں تمام کائنات میں باری تعالیٰ غالب اور قادر ہے، اور اپنے علم وقدرت میں ہر جگہ موجود ہے۔ اور زماں ومکاں کی قیود سے مبرا اور پاک ہے۔

عالم صغیر میں روح تدبیر وتصرف کے ساتھ بدن میں ہر جگہ موجود ہے لیکن کسی خاص عضو میں مقید نہیں ہے۔

عالم کبیر میں اللہ تعالیٰ جب مرید کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو ارادہ فرماتا ہے، اور اس کے نتیجے میں اس ہیبت وشکل ورنگ وروپ میں مرید کی پیدائش لوح محفوظ میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہاں سے فرشتوں کو خبر ہوتی ہے اور مرید کے ماں باپ کے جسموں کی طاقتوں کو حرکت دیکر دونوں کو اکٹھا کرتے ہیں، پھر مرید کی وہ صورت جو اروح الٰہی کے مطابق لوح محفوظ میں نقش ہے، ماں کے رحم میں قرار پکڑتی ہے۔ اور چونکہ اس حکم کو ٹالنے والا کوئی نہیں لہٰذا زید پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک نہیں پہنچانا چاہتا تو حمل گر جاتا ہے یا کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح عالم صغیر کو سمجھنا چاہیئے، مثلاً اگر ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا چاہیں تو پہلے ارادہ پیدا ہوگا، پھر اس کی صورت دماغ کی تختی پر نقش ہوگی، کہ میں اس طرح لکھوں گا۔ پر اروح حیوانیہ، پٹھوں، انگلیوں، اور پوروں میں حرکت پیدا ہوگی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا عمل پورا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو، اگر لکھتے وقت یہ خیال آیا کہ آدھا لکھوں یا کسی اور طرح لکھوں تو ہمیں اس پر بھی اختیار ہے۔

عالم کبیر میں قیامت ہے، عالم صغیر میں موت ہے۔

یہ تمام مثالیں بیان کرنے کے بعد حضرت سید شاہ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں،

یہ عالم ناسوت کی سیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جاننے اور پہچاننے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے اپنی قوت کے مطابق ناسوتی سیر ضروری ہے کہ اسی سے آدمی میں پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ وہ جاہلوں سے بھی بُرا سمجھا جاتا ہے۔ اس کو عرف عام میں غور وفکر تفکر اور تدبر کہا جاتا ہے۔

اس کی افادیت کے پیش نظر حدیث مبارکہ ہے کہ انسان کی ایک گھڑی کا سوچ اس کی پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ اسی سے انسان اللہ تعالیٰ کی صنعائی، اس کی

مُصَنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین	خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُحسِنِ اِنسانیت (۱،۲)	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علُوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمَیّہ	ثواب و عتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد-۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد-۲)
مختصر تذکرہ صحابہ کرامؓ مختصر تذکرہ انبیاء کرامؑ	اولیاءکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد واِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کےلئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصَوُّف یا رُوحانیت (جِلد-۱)	تصَوُّف یا رُوحانیت (جِلد-۲)